ماہنامہ
حنا
جنوری 2017
سالگرہ نمبر

ہر گھر کے کیلئے

جلد 39 شمارہ 1

جنوری 2017ء

قیمت -/60 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

سلسلے وار ناول

ناولٹ

مکمل ناول

افسانے

مستقل سلسلے

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس:
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! جنوری 2017ء کا پہلا شمارہ بطور "سالگرہ نمبر" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ادارہ حنا کی جانب سے آپ سب کو نیا سال مبارک ہو۔

آپ کی پرخلوص رفاقتوں کے ساتھ ایک اور سال اختتام پذیر ہوا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور سربہ سجود ہیں کہ اس کی مہربانیاں، نوازشیں اور عنایتیں شامل حال رہیں۔ اس نے ہماری محنتوں کو سرخروئی بخشی۔ ہم آپ کا اعتماد حاصل کرنے اور اسے برقرار رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ حنا کی کامیابی اور مقبولیت میں ہماری مصنفین کا اہم حصہ ہے۔ ان کی تحریروں نے حنا کو ایک نمایاں مقام حاصل کرنے میں مدد کی۔ ہمارے لئے یہ بات بھی باعث فخر ہے کہ ماہنامہ حنا کے ذریعے بے شمار بہنوں کی تخلیقی صلاحیتیں سامنے آئیں۔

یہاں ہم اپنے قارئین کے بھی شکر گزار ہیں، جو کامیابی کے اس سفر میں ہمارے ساتھ رہے۔ اپنے مفید مشوروں اور آراء کے ذریعے ہماری راہنمائی کرتے رہے۔ خوشی کے اس موقع پر حنا کے آغاز سے ہم سفران ساتھیوں کی یاد بھی ہمارے دلوں میں آج بھی تازہ ہے۔ جو اس سفر کے دوران ہم سے بچھڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ خاص طور پر حنا کے بانی سردار محمود چوہدری جو گزشتہ سال ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ یہ ان کی محنت کا ثمر ہے کہ حنا آج مقبولیت کے اس مقام پر ہے۔ ہماری باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی اور تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)۔

ابن انشاء:۔ آج اڑتیس برس قبل گیارہ جنوری کو ابن انشاء اس فانی دنیا کو چھوڑ گئے۔ ان کی برسی کے موقع پر آپ سے التماس ہے کہ ان کے ایصال ثواب کے لئے دعا فرمائیں۔

اس شمارے میں:۔ کچھ لمحے گلاب سے، مصنفین سے سروے، اُم مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناول، عرشیہ راجپوت اور شبانہ شوکت کے سلسلے وار ناول، دُرِ ثمن اور صدف آصف کے ناولٹ، حیاء بخاری، فرزانہ حبیب، ثناء کنول، عائشہ اعوان اور سویرا ملک کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

وجود شاہِ بطحا سے ہی توقیر مدینہ ہے
پگھل جاتا ہے واں ہر دل یہ تاثیر مدینہ ہے

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا
ہے نازک عرش اعظم سے یہ تقدیر مدینہ ہے

پرانا نام یثرب تھا نجات آزار سے پائی
درود رحمت عالم سے تطہیر مدینہ ہے

بہاریں خلد کی یاں ہیں سمائی ذرے ذرے میں
جناں کا گوشہ گوشہ کیا ہے تفسیر مدینہ ہے

گیا تھا کچھ برس پہلے دیار نور و نکہت میں
ابھی تک قلب کے گوشے میں تنویر مدینہ ہے

خدا تعالیٰ نے عطا کوثر وہ مالک باغ جنت کے
یقیناً کوثر و فردوس جاگیر مدینہ ہے

بکھر جا پھول طیبہ میں ہو قرباں اپنے آقا پر
وہیں کی خاک میں مل جا جہاں میر مدینہ ہے

اسی کا حکم جاری ہے زمینوں آسمانوں میں
اور ان کے درمیان جو ہیں مکینوں اور مکانوں میں

ہوا چلتی ہے باغوں میں تو اس کی یاد آتی ہے
ستارے چاند سورج ہیں سبھی اس کے نشانوں میں

اسی کے دم سے طے ہوتی ہے منزل خواب ہستی کی
وہ نام اک حرف نورانی ہے ظلمت کے جہانوں میں

اسی کے پاس اسرار جہاں کا علم ہے سارا
وہی برپا کرے گا حشر آخر کے زمانوں میں

وہ کر سکتا ہے جو چاہے وہ ہر اک شے پہ قادر ہے
وہ سن سکتا ہے رازوں کو جو ہیں دل کے خزانوں میں

بچا لیتا ہے اپنے دوستوں کو خوف باطل سے
بدل دیتا ہے شعلوں کو مہکتے گلستانوں میں

منیر اس حمد سے رتبہ عجب حاصل ہوا تجھ کو
نظیر اس کی ملے شاید پرانی داستانوں میں

☆☆☆

تنویر پھول

ہمارے نبیﷺ کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

مشروب کا بیان

مشروب پینے سے پہلے بسم اللہ اور پینے کے بعد الحمدللہ پڑھنا چاہیے۔

جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا، ان کا دودھ پینا بھی حرام ہے۔

ایسا جوس یا نبیذ جس میں نشے کے اثرات پیدا ہو چکے ہوں، پینا حرام ہے۔

مشروب کھڑے ہو کر پینا مکروہ ہے، البتہ بوقت ضرورت کھڑے ہو کر پینا جائز ہے، مثلاً بیٹھنے کی مناسب جگہ نہ ہو یا بارش وغیرہ کی وجہ سے لیکن بیٹھ کر مشروب پینا افضل ہے۔

مشروب کو تین سانسوں میں پینا سنت ہے، سانس لینے کے لئے برتن کو منہ سے ہٹا لینا چاہیے۔

اگر مشروب میں کوئی تنکا وغیرہ نظر آئے تو پھونک مارنا منع ہے، البتہ مشروب بہا کر اسے نکالا جا سکتا ہے، اگر پینے والے کچھ افراد ہوں تو دائیں جانب سے شروع کرنا چاہیے۔

مشروب پلانے والا خود سب سے آخر میں پیئے۔

ہمیشہ دائیں ہاتھ سے مشروب پینا چاہیے کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان پیتا ہے۔

شراب ہر برائی کی کنجی ہے

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا، مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

''شراب نہ پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔''

خمر (شراب) سے مراد ہر نشہ آور چیز ہے۔

(سنن ابن ماجہ، حدیث 339)

شراب کی حرمت قرآن مجید سے ثابت ہے، قرآن مجید میں اسے حرام اور شیطانی کام فرمایا گیا ہے۔

(المائدہ:90) عقل، اللہ کی ایسی عظیم نعمت ہے جس سے انسان دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی کے حصول کے لئے کوشش کر سکتا ہے، جان بوجھ کر اس نعمت سے محروم ہونے کی کوشش کرنا بہت بڑی ناشکری ہے، انسان عقل کے ذریعے سے ہر گناہ اور نقصان دہ چیز اور عمل سے بچتا ہے، نشہ استعمال کرنے کے بعد اسے اپنے بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی، اس صورت میں وہ ہر گناہ کا ارتکاب کر سکتا ہے۔

ہر گناہ سے بڑا

حضرت خباب بن ارتؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''شراب سے پرہیز کرو، اس کا گناہ (دوسرے تمام) گناہوں سے اسی طرح بڑھ کر ہے جس طرح اس کا پودا درختوں سے بلند ہے۔''

(انگور کی بیل جس درخت پر چڑھتی ہے، اس سے بلند نظر آتی ہے۔)

جو شخص دنیا میں شراب پیئے وہ آخرت میں

(جنت کی شراب) نہیں پی سکے گا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص دنیا میں شراب پیئے گا، وہ آخرت میں نہیں پی سکے گا، سوائے اس صورت کے کہ وہ (شراب نوشی سے) توبہ کرلے۔''

فوائد و مسائل:۔

انسان گناہوں کی وجہ سے جنت کی بعض نعمتوں سے محروم ہو سکتا ہے، اگرچہ اس کے دوسرے گناہ معاف کرکے اسے جنت میں داخل کر دیا جائے، سچی توبہ سے کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

عادی شراب نوش

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہمیشہ شراب پینے والا، بت پوجنے والے کی طرح ہے۔''

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہمیشہ شراب پینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

فوائد و مسائل:۔

شراب نوشی کبیرہ گناہ ہے، آخرت میں اس کی سزا جنت سے محرومی ہے جبکہ دنیا میں اس سے کئی طرح کی مہلک بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں، بعض علماء بیان کرتے ہیں کہ عادی شرابی کا انجام اچھا نہیں ہوتا اور خطرہ ہے کہ اس گناہ کی وجہ سے ایمان سلب ہو جائے جس کی وجہ سے وہ دائمی جہنمی بن جائے۔

شراب پینے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس نے شراب پی اور اسے نشہ ہو گیا، اس کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوگی اور اگر وہ (توبہ کیے بغیر) مرگیا تو جنم میں داخل ہوگا، اگر اس نے توبہ کی تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، اگر اس نے دوبارہ شراب پی لی اور اسے نشہ ہوگیا تو اس کی نماز (مزید) چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی، اگر (اس اثناء میں) وہ (توبہ کیے بغیر) مرگیا تو جہنم میں داخل ہوگا، اگر اس نے پھر (تیسری بار) شراب پی اور اسے نشہ ہوگیا تو اس کی نماز (مزید) چالیس دن تک قبول نہیں ہو گی، اگر وہ مرگیا تو جہنم میں داخل ہوگا اور اگر توبہ کر لی تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، اگر اس نے پھر (چوتھی بار) شراب پی تو اللہ تعالیٰ نے (ایسے شخص کے بارے میں) پختہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اسے قیامت کے دن گندی کیچڑ پلائے گا۔''

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! گندی کیچڑ سے کیا مراد ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جہنمیوں کی پیپ اور گندگی۔''

فوائد و مسائل:۔

گناہ کی سزا یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عبادت قبول نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شرابی نماز ترک کر دے کیونکہ ترک نماز ایک اور گناہ ہوگا جو شراب نوشی سے بھی بدتر ہے، توبہ سے کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے، بار بار توبہ توڑنے سے مجرم کے دل میں توبہ کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ توبہ کرتے وقت دل میں ندامت پیدا نہیں ہوتی، چنانچہ وہ توبہ قبول نہیں ہوتی، کبیرہ گناہوں کے

مرتکب جہنم میں جائیں گے اور سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔

کس چیز سے بنی ہوئی (نشہ آور) چیز شراب ہوتی ہے؟

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''گندم کی شراب ہوتی ہے، جو کی شراب ہوتی ہے، منقی سے (بنی ہوئی نشہ آور چیز) شراب ہوتی ہے، خشک کھجور سے (بنی ہوئی نشہ آور چیز) شراب ہوتی ہے اور شہد سے (بنی ہوئی نشہ آور چیز) شراب ہوتی ہے۔''

شراب کسی بھی چیز سے بنائی جائے، وہ حرام ہے، شراب کے حرام ہونے کی وجہ اس کا نشہ آور ہونا ہے، اس لئے اگر کھانے کی کسی چیز سے یا کسی چیز کے انجکشن سے یا سونگھنے سے نشہ آتا ہو ان سب چیزوں کا یہ استعمال بھی حرام اور قابل سزا ہوگا، آپریشن وغیرہ کے لئے بے ہوش کرنے کے لئے کلوروفارم سنگھانا نشہ کرانے کے حکم میں نہیں کیونکہ بے ہوشی اور مدہوشی (مست ہونے) میں فرق ہے، تاہم یہ بھی صرف علاج کی غرض سے ضرورت کے موقع پر جائز ہے، بلا ضرورت ہوش وحواس ختم کرنا جائز نہیں۔

شراب میں دس طرح پر لعنت ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''شراب میں دس طرح پر لعنت کی گئی ہے، خود اس (شراب) کی ذات پر، اس کو نچوڑنے والے (رس نچوڑ کر شراب بنانے والے) پر، اس کے بیچنے والے پر، اس کے خریدنے والے پر، اس کے اٹھانے والے پر، جس کے پاس لے جائی جائے اس پر، اس کی قیمت کھانے والے پر، اس پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر۔''

شراب نوشی، اللہ کی نافرمانی اور کبیرہ گناہ ہے، نیز شراب سی خرابیوں کا باعث ہے، شراب سے کسی بھی انداز سے تعلق قائم ہونا اللہ کی رحمت سے دوری اور اللہ کی لعنت کا باعث ہے، بنانے والے سے مراد وہ شخص ہے جو کسی ملازم کو حکم دیتا ہے کہ شراب بنانے کے لئے انگوروں کو نچوڑ کر رس نکالو، اور نچوڑنے والا وہ ملازم ہے جو اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور ''جس کے لئے نچوڑی گئی'' سے مراد وہ گاہک ہے جس نے شراب بنانے والے سے معاہدہ کیا ہے کہ وہ تیار شدہ شراب خرید لے گا، یا اس سے مراد وہ شخص ہے جسے پیش کرنے کے لئے شراب تیار کی گئی، مثلاً کوئی خاص مہمان، دوست یا عزیز وغیرہ، ''جس کے لئے اٹھائی گئی ہے'' سے مراد وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جس نے کسی مزدور یا نوکر وغیرہ سے کہا کہ اسے فلاں جگہ لے چلو اور وہ شخص بھی مراد ہو سکتا ہے جسے شراب پیش کی جاتی مقصود ہے، خواہ وہ اسے پینا چاہتا ہو، یا خریدنا چاہتا ہو، یا اسے تحفہ کے طور پر دی جارہی ہو، پہلی حدیث میں ''جس کے پاس اٹھا کر لے جائی گئی۔'' کے بھی یہ سب مفہوم ہو سکتے ہیں، جو دوسری شق میں شامل ہیں، قیمت کھانے والے سے مراد وہ شخص ہے جس کو اس کی تجارت سے مالی فائدہ حاصل ہوتا ہے، گناہ کے کام میں کسی بھی قسم کا تعاون گناہ میں شریک ہونے کے برابر ہے، خواہ وہ تعاون بظاہر معمولی ہو، جب یہ بات معلوم ہو یا یہ خیال ہو کہ فلاں کام سے فلاں گناہ تکمیل کو پہنچے گا تو اس کو بلا معاوضہ یا معاوضہ لے کر انجام دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

شراب کی تجارت کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''جب سود کے بارے میں سورہ بقرہ کے آخر والی آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (گھر سے) باہر تشریف لے گئے اور شراب کی تجارت کے حرام ہونے کا اعلان فرما دیا۔''

سود کی تمام صورتیں حرام ہیں، تجارت کی بعض صورتیں بھی اس لئے حرام کر دی گئی ہیں، کہ ان کا نتیجہ سود کی صورت میں نکل سکتا ہے، (مثلاً بیعہ عینہ) اسی طرح جب شراب حرام کی گئی تو اس کی تجارت بھی حرام ہو گئی، کیونکہ اس سے شراب نوشی کے راستے کھلتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مناسبت سے سود کے لین دین کی حرمت کے ساتھ شراب کی تجارت حرام ہونے کا بھی اعلان فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ آیت 275) ایک مسئلہ بیان کرنے کی ضرورت ہو تو اس کے ساتھ اس سے ملتے جلتے مسائل بھی بیان کیے جا سکتے ہیں تاکہ سامعین کو دوبارہ یاد دہانی ہو جائے، حرام چیز کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت سمرہؓ نے شراب فروخت کی ہے تو انہوں نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ سمرہ کو تباہ کرے، کیا اسے معلوم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔''

''اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت نازل فرمائے۔'' ان پر چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچ دیا۔''

صحاح ستہ میں سمرہ نامی دو صحابہ کی احادیث موجود ہیں، اس حدیث میں مذکورہ صحابی سمرہ بن جندبؓ ہیں، سمرہ بن جنادہؓ نہیں، (فتح الباری: 523/4 بحوالہ بیہقی) حضرت سمرہؓ نے شراب کیوں فروخت کی؟ اس کی مختلف توجیہات ذکر کی گئی ہیں، مثلاً ممکن ہے انہوں نے اسے سرکے کی صورت میں تبدیل کر کے فروخت کیا ہو اور ان کا یہ خیال ہو کہ شراب سے سرکہ بنانا جائز ہے، جبکہ حضرت عمرؓ اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے، یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سمرہؓ کو یہ معلوم ہو کہ شراب حرام ہے، لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ اسے بیچنا بھی حرام ہے، یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے شراب حاصل ہی کیوں کی؟ حافظ ابن حجرؒ نے اس کے جواب میں علماء کے اقوال ذکر کیے ہیں کہ ممکن ہے انہیں جزیہ میں ملی ہو، یا غنیمت میں ملی ہو، (فتح الباری حوالہ مذکورہ بالا) عربی زبان میں گوشت سے حاصل ہونے والی چربی کو شحم کہتے ہیں اور پگھلی ہوئی چربی کو ودک کہتے ہیں، لیکن نام بدلنے سے شرعی حکم تبدیل نہیں ہوتا، یہودیوں نے یہ حیلہ کیا تھا کہ ہم پر شحم حرام ہے اور ہم ودک بیچ رہے ہیں جو دوسری چیز ہے، جس چیز کا کوئی جائز استعمال نہ ہو، اسے بیچنا خریدنا حرام ہے، حیلے سے حرام چیز حلال نہیں ہوتی بلکہ جرم زیادہ شدید ہو جاتا ہے۔

لوگ شراب کا کوئی اور نام رکھ لیں گے

حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''رات دن کا نظام ختم نہیں ہوگا، حتیٰ کہ میری امت کے لوگ شراب پئیں گے، لیکن اسے اس کے نام (شراب) کے سوا دوسرے نام سے پکاریں گے۔''

قیامت کے قریب ظاہر ہونے والے برے اعمال کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ مومن

ان سے بچنے کی زیادہ کوشش کریں، حرام چیز کا نام بدل دینے سے حکم تبدیل نہیں ہو جاتا، جیسے سود کو منافع یا مارک اپ کہنے سے اس کی حقیقت نہیں بدل جاتی، اسی طرح شراب کو مشروب یا شربت کہنے سے یا کوئی اور بھلا سا نام رکھ لینے سے وہ حلال نہیں ہو جاتی۔

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''جس مشروب سے نشہ آئے وہ حرام ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''

نشہ آور چیز خواہ پی جاتی ہو یا کھائی جاتی ہو، سونگھی جاتی ہو یا انجکشن کے ذریعے سے جسم میں داخل کی جاتی ہو، حرام ہے، منشیات کا استعمال کم ہو یا زیادہ ہر صورت میں حرام ہے، اگر کوئی مشروب زیادہ مقدار میں پینے سے نشہ ہوتا ہے تو اس کا کم استعمال بھی حرام ہے، خواہ اس سے نشہ نہ آئے، تمباکو کا اثر بھی نشے کا سا ہے اور اس کے بہت سے نقصانات ہیں، لہٰذا حقہ، سگریٹ، سگار، کھانے والا تمباکو اور اس طرح کی تمام اقسام اور صورتیں شرعاً ممنوع ہیں، ان اشیاء کی خرید و فروخت اور پیداوار سب کا یہی حکم ہے یعنی ممنوع ہے۔

جس چیز کی زیادہ مقدار سے نشہ آئے، اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس چیز کی زیادہ مقدار سے نشہ آئے، اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔''

دو چیزیں ملا کر بنائی ہوئی نبیذ کی ممانعت

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوریں اور منقیٰ ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا اور نیم پختہ کھجوریں اور تازہ پکی ہوئی کھجوریں ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔

امام بن ماجہؒ نے یہ روایت عطاء بن ابی رباح مکی کے واسطے سے بھی سابقہ حدیث کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی ہے۔

پانی میں کھجوریں، چھوہارے یا منقیٰ ڈال کر رکھ دیا جائے تو رات بھر میں ان کی مٹھاس پانی میں حل ہو کر میٹھا مشروب تیار ہو جاتا ہے، اسے نبیذ کہتے ہیں، یہ حلال مشروب ہے، کیونکہ اس میں نشہ نہیں ہوتا، دو طرح کی چیزیں ملا کر نبیذ بنانے سے اس میں جلدی نشہ پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہیے، جس جائز کام کے نتیجے میں ناجائز کام کا ارتکاب ہو جانے کا خطرہ ہو، اس جائز کام سے بھی پرہیز کرنا بہتر ہے، سردیوں میں زیادہ دیر تک بھگونے سے بھی نشہ پیدا ہونے کا خطرہ کم ہوتا ہے، جبکہ گرمی کے موسم میں جلدی حالت بدل جاتی ہے، اس کا اندازہ اس کے ذائقے سے ہوتا ہے، اگر مشروب میٹھا ہو تو پی لینا چاہیے اور اگر ذائقہ تبدیل ہو کر تلخی اور کڑواہٹ محسوس ہو تو پھینک دینا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''خشک کھجوروں اور نیم پختہ کھجوروں کو ملا کر نبیذ نہ بناؤ، دونوں میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ نبیذ بنا لیا کرو۔''

☆☆☆

ابن انشاء

دل بہلنے کی نہیں کوئی سبیل
دیکھتا ہوں آ کے اکثر ہوش میں

جنوری کی سرد راتیں ہیں طویل
کوئی ظالم ہے میری آغوش میں

ڈالتا ہوں اپنے ماضی پر نگاہ
خود کو تنہا ہی مگر پاتا ہوں میں

گاہے گاہے ہے کھینچتا ہوں سرد آہ
پھر گھڑی بھر بعد سو جاتا ہوں میں

کس طرح اب دل کی رہ پر لاؤں میں
پھر کسی کو دیکھتا ہوں خواب میں

کس بہانے سے اسے بہلاؤں میں
اس دفعہ پہچان لیتا ہوں تمہیں

سب کو محو خواب راحت چھوڑ کے
بھاگ جاتے ہو قریب صبح دم

نیند آتی ہے شبستاں میں مرے
چھوڑ دیتے ہو رہین رنج و غم

مجھ کو سوتے دیکھ کر آتا ہے کوئی
مجھ کو تم سے عشق تھا مدت ہوئی

میرے سینے سے چمٹ جاتا ہے کوئی
ان دنوں تم کو بھی الفت مجھ سے تھی

کم نگاہی اقتضائے سال و سن   دل یہ کہتا ہے کہ دیکھیں تو سہی

کیا ہوئی تھی بات جانے ایک دن   جس میں اتر تھا ہمارا کارواں

بند اپنا آنا جانا ہو گیا   اب بھی ممکن ہے وہ خالی ہو مکاں

اور اس پر ایک زمانہ ہو گیا   آج تک دیتے رہے دل کو فریب

تم غلط سمجھے، ہوا میں بدگمان   اب نہیں ممکن ذرا تاب شکیب

بات چھوٹی تھی مگر پہنچی کہاں   آؤ میرے دیدۂ تر میں رہو

جلد ہی میں تو پشیماں ہو گیا   آؤ اس اجڑے ہوئے گھر میں رہو

تم کو بھی احساس کچھ ایسا ہوا   حوصلے سے میں پہل کرتا تو ہوں

نشۂ پندار میں لیکن تھے مست   دل میں اتنا سوچ کر ڈرتا بھی ہوں

تھی گراں دونوں پہ تسلیم شکست   تم نہ ٹھکرا دو میری دعوت کہیں

ہجر کے صحرا کو طے کرنا پڑا   میں یہ سمجھوں گا اگر کہہ دو "نہیں"

مل گیا تھا رہنما امید سا   گردش ایام کو لوٹا لیا

ہے میری جرأت کی اصل اب بھی یہی   میں نے جو کچھ کھو دیا تھا پا لیا

☆☆☆

فوزیہ شفیق

2016ء دھیرے دھیرے بہتے ہوئے وقت کے سمندر میں جا گرا ہے، لمحوں کی لہروں نے خیال کے ساحل پر کچھ سیپیاں اچھال دی ہیں اور پانیوں میں پگھلتا سورج آسمان پر یادوں کی قوس وقزح کھلا گیا ہے، نئے سال اور سالگرہ کے حوالے سے ہمارے چند سوالوں نے آپ کی سوچوں میں جھانکنا چاہا، ہمیں خوشی ہے کہ آپ نے ہمیں اپنی یادوں میں شریک کیا۔

ہمارے سوال کچھ یوں تھے۔

۱۔ پچھلا سال کیسا گزرا کوئی نیا احساس ملا، یہ سال بھی یونہی گزر گیا؟

۲۔ 2016ء میں پیش آنے والا کوئی خوشگوار واقعہ؟

۳۔ تخلیق کے سفر میں کیا کھویا کیا پایا؟

۴۔ کوئی کردار یا واقعہ جس پر خواہش کے باوجود نہ لکھ پائی ہوں؟

۵۔ کوئی ایسی ہستی جس کی وش کے بناء آپ کو اپنی سالگرہ ادھوری لگتی ہو؟

درثمن بلال.........سرگودھا

ادارہ حنا، پیاری فوزیہ اور میرے پیارے قارئین۔

آپ سب کو سال نو مبارک، اللہ کرے آنے والا سال ہمارے اور ہمارے ملک کے لئے امن و سلامتی خیر و برکت اور خوشیوں بھرا سال ثابت ہو آمین۔

ایک بار پھر حنا کی محفل میں حاضر ہوں۔

۱۔ الحمدللہ اچھا ہی گزرا، کچھ تکلیفیں، کچھ دکھ، کچھ خوشیاں، شاید اسی کا نام زندگی ہے تو بس انہی احساسات کے ساتھ ہی گزرا گزشتہ سال، دوسری بار اللہ نے مجھے ماں جیسے افضل ترین رتبے سے نوازا اور میری پیاری سی دوسری بیٹی ہانیا کی پیدائش ہوئی، میرے شوہر بلال میرے پاس نہیں تھے جاب کے سلسلے میں بیرون ملک تھے ان کے بغیر تنہا اس مشکل اور نہایت تکلیف دے مرحلے سے گزرنا میرے لئے انتہائی تکلیف دے تھا، پھر ہانیا کی پیدائش کے چار ماہ بعد میں مسلسل بیماری کی حالت میں بیڈ پہ رہی، بیماری کی حالت میں بے بسی کی جو کیفیت رہی، پانچ سالہ بڑی بیٹی وانیا کا وہ رونا کہ مما آپ بستر پہ کیوں ہیں؟ اس کا ضد کرنا میں نے میڈ کے ہاتھ کا بنا ہوا لنچ نہیں کھانا مجھے آپ خود بنا کر دیں، اپنی بے بسی اور اپنی بیٹی کی فرمائش پوری نہ کر پانے پہ میرا وہ رونا اور اللہ سے تندرستی مانگنا، بیماری میں کئی اپنوں اور پیاروں کو پرایا ہوتا دیکھنا، یہ سب بہت

تکلیف دے تھا میرے لئے، لیکن پھر بھی شکر الحمدللہ اس کٹھن اور مشکل وقت کو میرے اللہ نے پھر سے آسان بنایا، گزشتہ سال نیا احساس میرے لئے میری بیٹی ہانیا ہی تھی، باقی اپنے ملک کے حالات دیکھ کر تو دل خون کے آنسو ہی روتا ہے۔

۲۔ خوشگوار واقعہ میرے لئے میری گود میں ہانیا کا آنا تھا، 2016ء میں اور ایک ماہنامے میں میری ایک تحریر قسط وار چھپی جس کا بہت اچھا رسپانس ملا، پھر فوزیہ سے بات ہونا، ادارہ حنا ڈائجسٹ کا مجھے عزت دینا اور حنا میں میرا ناول "تو میری ضرورت ہے" لگنا اور بلال (ہزبینڈ) کا دو سال بعد بیرون ملک سے واپس آنا، یہ سب میرے لئے بہت خوشگوار رہا، الحمدللہ۔

۳۔ فوزیہ الحمدللہ 2016ء کے تخلیقی سفر میں بہت کچھ پایا قارئین کی محبتوں میں مزید اضافہ دیکھا، کچھ ایسے کردار تخلیق ہوئے جن میں میری بہت Involment رہی، حنا سمیت دو ایسے اداروں سے رابطہ ہوا جنہوں نے مجھے بہت محبت اور عزت سے نوازا، لہٰذا تخلیق کے لحاظ سے گزشتہ سال میرے لئے بہت کامیاب رہا۔

۴۔ آف کورس بلال (میرے ہزبینڈ) مجھے ضرور وش کرتے ہیں اور رات بارہ بج کر چند سیکنڈ پہ سب سے پہلے وش کرتے ہیں دوسرے نمبر پہ میری اکلوتی میری دنیا کی سب سے اچھی اور آئیڈیل دوست نما بہن، صدف مجھے وش ضرور کرتی ہے اور مجھے ان دونوں ہستیوں کی وش کا انتظار رہتا ہے اور یہ دونوں مجھے گفٹس ضرور دیتے ہیں، ان دو ہستیوں کا میری زندگی میں بہت خاص مقام ہے، اللہ ان کو سلامت رکھے آمین۔

۵۔ ایسے بہت سے کردار اور واقعات ہیں جن پہ لکھنا چاہتی ہوں، ہانیا چونکہ ابھی بہت چھوٹی ہے اسے میری بھرپور توجہ کی اشد ضرورت ہے، ایسے میں ہانیا کے ساتھ لکھنے کے لئے وقت نکالنا ازحد مشکل ہے، میں اپنے قارئین کے لئے بہت زیادہ لکھنا چاہتی ہوں اور اچھا لکھنا چاہتی ہوں، آج کل ہمارے ملک میں بچوں کے ساتھ جو جنسی استحصال ہو رہا ہے جو زیادتی جیسے مظالم ہو رہے ہیں میں اس موضوع پہ لکھنا چاہتی تھی جو فی الحال بے پناہ مصروفیت کی بنا پہ اس حساس موضوع پہ باوجود کوشش کے لکھ نہیں پا رہی ہوں، جونہی وقت ملا انشاءاللہ ضرور لکھوں گی۔

آخیر میں حنا کے تمام قارئین کا ازحد شکریہ ادا کرنا چاہوں گی، جو میری تحریر کو پسند کر رہے ہیں، ڈیئر قارئین آپ کی تعریف و تنقید میرے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے میں آپ کی آراء کو بہت توجہ کے ساتھ پڑھتی ہوں، آپ سب کی پرخلوص محبتوں کی مقروض ہوں۔

اُم ایمان .... ڈیرہ غازی خان

السلام علیکم! اور ڈھیروں دعائیں، فوزیہ جی نے حسب معمول بہت محبت سے سال نو کے سروے میں شریک ہونے کو کہا ہے تو ان کے اس خوبصورت اصرار پر لبیک، سب سے پہلے ادارہ حنا کے لئے بہت سی دعائیں، قارئین جنہوں نے گزرے سال میں میری تحاریر کو پسند کیا ان کا بے حد شکریہ، جن کو کچھ گلہ رہا ان سے معذرت کے ساتھ وعدہ بھی کہ آئندہ مزید بہتری کی راہ پر چلتے ہوئے اچھی کاوشیں آپ کی نذر کرنے کی کوشش کروں گی۔

کہ عزت جتنی بھی دوسرے کو دو گے دوگنے منافع کے ساتھ پاؤ گے، آپ کی فطرت کا خاصا ہے کہ رائٹرز کو عزت کے ساتھ محبت کی

جس ڈور سے آپ نے باندھ رکھا ہے تو آپ کے حکم سے روگردانی ممکن نہیں آنے والا سال آپ کے لئے ڈھیروں خوشیاں لائے آمین۔

۱۔ ہر انسان کی زندگی ہی دکھ، سکھ سے عبارت ہے، کیونکہ زندگی نہ تو پھولوں کی سیج ہے نہ ہی کانٹوں بھری راہ گزر بس یہ ہے کہ خوشی کا وقت گزرنے پر ہمیں مختصر لگتا ہے اور غم کی جتنی شدت زیادہ ہو، وقت اتنا ہی طویل محسوس ہوتا ہے، گزرا سال بھی میرے لئے ایسے ہی ملے جلے حالات لئے رہا، قلمی سفر کے حساب سے دیکھوں تو اللہ کا خاص کرم رہا، مجھ پر بہت محبت اور کامیابی سمیٹی، پھر رواں سال میں ہی اکلوتے بھائی کے ہاں جڑواں بچوں کی پیدائش نے بے پایاں خوشی سے ہمکنار کیا، خاندان میں دو غیر متوقع ڈیتھ ایسی ہوئیں کہ دماغ ابھی تک یہ حقیقت ماننے سے قاصر ہے مگر یہی زندگی ہے اور یہی اس سے جڑی حقیقتیں پھر جاتے جاتے دسمبر ایک اور المناک واقعے کو جنم دے گیا، طیارے کا کریش جس میں صرف سینتالیس لوگ ہی نہیں سینتالیس خاندان اجڑے ہیں، اس سے پہلے کوئٹہ میں ہونے والے حوادث میں قیمتی جانوں کا ضیاع، بس اللہ تعالیٰ سے مرحومین کی مغفرت اور لواحقین کے لئے صبر کی دعا کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔

۲۔ میرے لئے تو میری کہانیوں کی اشاعت ہی خوشگوار رہی اور میری بڑی بیٹی نے قرآن پاک مکمل کیا (ماشاء اللہ)

۳۔ میرا تخلیقی عرصہ گزشتہ تین سال پر محیط ہے لیکن اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ ابھی تک پایا ہی ہے، کھونے کا تو نام ہی ڈرا دینے والا ہے، اللہ نہ کرے جو کبھی کچھ کھونا پڑے۔

۴۔ جی ہاں بے شمار کردار اور واقعات ایسے ہیں جن پر باوجود چاہنے کے نہیں لکھ پائی، کہیں پر کوئی سماجی مجبوری آڑے آئی تو کہیں قلم نے ہی بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا، دعا کیجئے گا کہ ان تمام کرداروں اور واقعات کو صفحہ پر اتار کر دل کا بوجھ ہلکا کر سکوں۔

۵۔ میرے والد مرحوم، اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، جب تک زندہ رہے، یاد رکھتے تھے، ان کے بعد اب شریک سفر وہ ہستی ہیں جن کو میری سالگرہ ہمیشہ یاد رہتی ہے، پہلے تو رات کے بارہ بجے ہی وش کر دیتے ہیں، نہیں تو اسی صبح گفٹ کے ساتھ وش کرتے ہیں، کیونکہ شہر سے باہر رہتے ہیں فون پر وش کر لیتے ہیں اور گفٹ بائے ڈاک بھیج دیتے ہیں۔

اس آخری سال کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ آنے والا سال آپ سب ہم سب ادارہ حنا اور ہمارے ملک کے لئے ڈھیروں خوشیاں لائے آمین۔

تحسین اختر .... فیصل آباد

سب سے پہلے تمام پڑھنے والوں، چاہنے والوں، محبت کرنے والوں اور محبت نبھانے والوں کو میرا بہت بہت سلام۔

قاری اور مصنف کا آپس میں رابطہ تحریروں کے ذریعے قائم رہتا ہے، کوئی ناول ہو، ناولٹ یا افسانہ، پڑھنے والا پڑھے گا تو لکھنے والا لکھے گا، لیکن اگر کبھی اس رابطے میں کوئی خلا آ جائے اس تسلسل میں کوئی خلل آ جائے تب فوزیہ آپی آپس کے روابط کی اس طرح کی حسین صورتیں نکالا کرتی ہیں اور جس میں ہزار پس و پیش اور محبتوں و تاویلوں کے ہوتے ہوئے بھی لازمی شرکت کرنا پڑتی ہے، اس طرح ان کی کاوشوں سے قاری اور

مصنف کا پُروقار رابطہ کسی نہ کسی طرح قائم رہتا ہے، یہ وہ محبت وہ پیار ہے جو کم نہیں ہوتا ایسے بڑھتا ہی رہتا ہے اور کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

وصال لمحے بہت خوشگوار آئے ہیں
برنگ بوئے گل نو بہار آئے ہیں
یہ آب و گل کا تموج یہ رنگ وبو کی بہار
ہم اختیار میں بے اختیار آئے ہیں

بس یہی سمجھ لیں اس محفل دلدار میں ہم اختیار میں بھی بے اختیار ہو کے آئے ہیں اور دل کی ساری باتیں کہنے آئے ہیں۔

۱۔ پچھلا سال عجیب احساس کے ساتھ گزرا، کچھ ایسے لوگ بہت اپنے لوگ جو اپنی زندگی کا قیمتی اثاثہ تھے اس سال زندگی کی راہ پر بچھڑ گئے اور یوں اچانک بچھڑے کہ زندگی سے ڈر لگنے لگا اور موت سے خوف آنے لگا، بے شک ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، کسی نے آگے اور کسی نے پیچھے چلے جانا ہے، مگر پھر بھی حساس دل اور حساس دماغ اس خوف کو اندر سے نکال نہیں پاتا کہ یہ کیا ہو گیا، اس سال میرا یہی خوف مجھے بیمار کر گیا، 2016ء تھا اور ہمارے ڈاکٹرز کے چکر تھے، جس ڈاکٹر کے پاس بھی گئے سب نے یہی کہا یہ بے چینی ہے یہ خوف ہے یہ خولیا ہے اور پھر میں نے بھی جان لیا کہ مجھے کوئی بیماری نہیں یہی کچھ ہے، سو دل میں ٹھان لی کہ اس خوف سے پیچھا چھڑانا ہے اور بڑی مشکل سے اس خوف سے چھٹکارا پایا۔

۲۔ میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ 2016ء میں کوئی خوش گوار واقعہ پیش نہیں آیا کیونکہ اس طرح کہہ دینا خدا کے شکر سے منہ موڑنے کے مترادف ہے، خدا پاک نے پورا سال عافیت سے گزارا، بچوں کو صحت وتندرستی میں رکھا، ان کی شرارتوں ان کے معصوم قہقہوں نے ہر صبح ہی خوشگوار رکھی اور ہر شام پرسکون رکھی، یہ کم نہیں ہے کھانے کو رزق کی فراوانی تھی اور پہننے کو من چاہے لباس، دل میں جو آیا وہ خریدا، ہاتھوں میں جتنا آیا وہ لٹایا، آپس میں محبتیں بانٹیں، دکھ سکھ بانٹے، میل ملاپ رکھا، یہ سب خوشگوار تھا اور خدا کرے ہمیشہ ایسا ہی رہے۔

۳۔ تخلیق کے سفر میں نہ کچھ پایا نہ کچھ کھویا کیونکہ 2016ء میں تخلیقی سفر نہ ہونے کے برابر تھا، بہت کچھ ذہن میں تھا، بہت سے الفاظ نوک زباں پہ صفحہ قرطاس پر بکھرنے کو مچل رہے تھے مگر طبیعت ہی ایسی عجیب سی رہی کہ کچھ لکھ نہ سکی، ایسے لگتا تھا جیسے دماغ کسی چیز نے جکڑ لیا ہے اور میں چاہتے ہوئے بھی اپنے دماغ کو چھڑا نہیں سکتی تھی شاید یہ میری Arniety ہی تھی، آپ لوگوں نے شاید میری کمی محسوس نہیں کی، مگر میرا رابطہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا، اب انشاء اللہ تعالیٰ حنا میں میرا ایک سلسلے وار ناول شائع ہوگا اور مجھے اس ناول سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں کہ میرا یہ ناول آپ کے دلوں میں ضرور اپنی جگہ بنائے گا۔

۴۔ بہت سارے کردار ایسے ہیں جن پر لکھنا چاہتی ہوں مگر ابھی تک لکھ نہیں پائی اور اسی طرح بہت سارے واقعات ایسے ہیں وقت کی کمی کے باعث جن پر قلم نہیں اٹھایا جاتا ورنہ ہمارے معاشرے میں ایسے ایسے کردار ہیں ہمارے اردگرد ایسے ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ جن کو صفحہ قرطاس پر بکھیرنا ضروری ہے لیکن ہائے ری قسمت اور ہائے رے وقت، جو بھاگتا جا رہا ہے اور ہماری بھی دوڑیں لگی ہوئی ہیں۔

۵۔ جب شادی ہو جاتی ہے تب تو بس شوہر نامدار کے علاوہ اور کون سی ایسی ہستی ہوتی

ہے جن کی وش چاہیے ہوتی ہے، میرے تو شوہر صاحب بھی بس ایسے ہی روکھے پھیکے سے تھے اور آپ لوگوں کو یہ تو پتہ ہی ہے کہ جو شاعر (ہاں شاعر بھی ہوں اس کا ثبوت میری کتاب ''کوئی خواب خریدیے'' آج بھی فوزیہ آپی کے ٹیبل پر پڑی ہوگی) اور منصف ہوتے ہیں وہ تو ویسے بھی بڑے حساس ہوتے ہیں اور رومانٹک بھی ہوتے ہیں اور ان کو ساتھی بھی اپنے مزاج کا چاہیے ہوتا ہے، بس پھر کیا تھا میں نے بھی شادی کے پانچ سالوں میں رفتہ رفتہ شوہر صاحب کو بھی احساس دلا ہی دیا کہ زندگی کے اہم اور خاص مواقع کس طرح سلیبریٹ کرنے چاہئیں، بے شک سرخ گلاب کی ادھ کھلی کلی ہی کیوں نہ ہو، کانچ کی کم قیمت مگر انمول چوڑیاں ہی کیوں نہ ہوں اور کوئی اچھی سی خوشبو کیوں نہ ہو، تحفہ بن کہے اور عین موقع پر ہونا چاہیے، کہہ کہہ کر اور پیچھے پڑ پڑ کے لیا تو کیا کیا خیر اب تو کچھ احساس انہیں بھی ہو گیا ہے اور وہ بھی ہر اہم موقع پر ساتھ دے دیتے ہیں، مجھے اپنی سالگرہ پر ان سے تحفہ لینا، باہر اچھا سا ڈنر کرنا اور گھومنا پھرنا بہت پسند ہے اور بے شک کہہ کے ہی سہی میں یہ سب اپنا حق سمجھ کر وصول بھی کر لیتی ہوں کیونکہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دل ہی دل میں کڑھتے رہتے ہیں اور اپنے تہوار خراب کرتے ہیں، میرے جو دل میں ہوتا ہے میں فوراً کہہ دیتی ہوں اور فوراً کروا بھی لیتی ہوں۔

سوالنامہ تو ختم ہوا اگر زندگی رہی تو آپ کا اور ہمارا ساتھ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اگر اس ساتھ کو احساس اور قرب کی ہوا چھوتی رہی تو ہمارے رابطوں پر کبھی خزاں نہیں چھائے گی، ان خوبصورت اشعار کے ساتھ آپ سے اجازت چاہوں گی۔

اے ربا کعبہ ہمیں دور تک رسائی دے
کہ جان و مال سے باہر بھی کچھ دکھائی دے
اندھیرا چھایا ہے ہر سو لہو لہو ہے سحر
دلوں کو امن و محبت سے آشنائی دے
گناہگار ہیں لیکن ہیں تیرے بندوں میں
کہ دھڑکنوں میں تیرا نام ہی سنائی دے
عطا ہو مولا ہمیں حوصلہ بھی عزم کے ساتھ
ہمیں تو اپنے ہی در کی فقط گدائی دے

قرۃ العین رائے .... شیخوپورہ

۱۔ اچھا گزرا بلکہ بہت اچھا گزرا نیا احساس بھی ملا ہاں البتہ تحریری طور پر میرا یہ سال یونہی گزر گیا مصروفیت اتنی زیادہ رہی کہ تخلیقی صلاحیت میری ازلی سستی میں ڈھل گئی لیکن اب خود کو اندر سے Motivate کر رہی ہوں کہ ناول اور افسانے لکھنے شروع کر دوں اور جو آپ لوگوں سے اتنا عرصہ دور رہی ہوں پھر سے وہ تعلق قائم کر سکوں۔

۲۔ ہوں ...... خوشگوار واقعہ ......؟ میری جاب کا تھا بہت مزہ آیا یہ جاب کر کے۔

۳۔ میرے خیال میں تو کھویا پایا بھی لیکن بہت کم لکھنے کی وجہ سے آپ سب سے دوری کا احساس پایا اور آپ کی گرم جوشی اور محبت کو بہت مس کیا۔

۴۔ ہائے فوزیہ جی، ہزاروں کردار ایسے ہزاروں واقعات ایسے انشاء اللہ ضرور ان سب پر لکھوں گی بس آپ کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔

۵۔ ہاں جی بالکل سب سے پہلے میاں صاحب پھر بیٹی اور پھر دوست ان سب کی وش کے بغیر تو سالگرہ ہو ہی نہیں سکتی اور یہ سب بہت محبت بہت مان اور بہت اچھے طریقے سے سلیبریٹ کرتے ہیں۔

آخر میں آپ سب کو نئے سال کی مبارک

باد اور سالگرہ کی بھی دعا ہے کہ یہ سال ہم سب کے لئے خوشیاں، سکون اور کامیابیاں لے کر آئے اللہ حافظ محبت اور دعاؤں میں یاد رکھیئے گا۔

سباس گل..............رحیم یار خان

السلام علیکم قارئین! سب سے پہلے تو آپ سب کو حنا کے تمام معزز ایڈیٹرز اور رائٹرز کو اہل پاکستان کو سال نو مبارک ہو، اللہ تعالیٰ یہ نیا سال ہم سب کے لئے ہمارے پیارے پاکستان کے لئے مبارک ثابت کریں آمین۔

حنا کی سالگرہ حنا کے مالکان و مدیران کو قاری اور لکھاری بہنوں کو بہت بہت مبارک ہو، ہماری دعا ہے کہ حنا اسی طرح ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور ہمارا تخلیقی سفر اس کے ہمراہ جاری رہے آمین۔

۱۔ 2016ء خاصا اداس تھکا تھکا سا بیمار سا اور بہت کچھ چھین کر جدا ہوا، دسمبر جاتے جاتے پھر ہاتھ دکھا گیا، ایئر کریش چترال سے اسلام آباد جانے والی فلائٹ محترم جنید جمشید سمیت 48 قیمتی جانوں کو نگل گیا، امجد صابری کا قتل ہوا، عبد الستار ایدی صاحب داغ مفارقت دے گئے، حادثوں، سانحوں، دکھوں کے احساس لئے 2016ء رخصت ہوا ہے اب دعا یہی ہے کہ 2017ء ہمارے لئے ہمارے ملک وقوم کے لئے خوشیوں کامیابیوں امن اور خوشحالی کا سال ثابت ہو آمین۔

۲۔ خوشگوار واقعہ بہت یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آ رہا کہ کوئی تھا ہی نہیں ہاں اس برس ہماری دو کتابیں مارکیٹ میں آئی ہیں "محرماں دلاں دیا" اور "اعتبار عشق" یہ دونوں ناول ہیں، ہمارے لئے تو ہماری کتابوں کا مارکیٹ میں آنا ہی خوشگوار واقعہ ہے، الحمد للہ ہماری گیارہ کتب شائع ہو کر مارکیٹ میں آچکی ہیں۔

۳۔ سب سے پہلے تو دن کا چین رات کی نیند کو کھویا کیونکہ یہ لکھنا بھی خفیہ عشق کی طرح ہوتا ہے جیسے عشق محبت میں انسان دن کا چین راتوں کی نیند گنوا بیٹھتا ہے اسی طرح ایک لکھاری بھی اپنے آرام اپنی نیندوں کی قربانی دے کر تخلیق کا فریضہ انجام دیتا ہے، ہم نے بھی نیند کا وقت ایسا کھویا کہ اب نیند اکثر ہم سے روٹھی ہی رہتی ہے، کیا پایا؟ الحمد للہ پڑھنے والوں کا پیار پایا، نام کمایا، پہچان دی اللہ پاک نے جس کا ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

۴۔ جی ہاں حقیقی زندگی میں ایک کردار ایسا ہے جسے ہم ناول میں ڈھالنا چاہتے ہیں ہم نے اس کہانی کے پلاٹ پر بھی کافی کام کیا ہے لیکن اس کردار کے اتنے پہلو ہیں کہ ہمیں سمجھ ہی نہیں آتی کے ہم کہاں سے شروع کریں کہاں یہ ختم کریں؟ اس کردار کے کسی پہلو کو اجاگر کریں کس کو رہنے دیں، ہم جب بھی اس کردار سے بات کرتے ہیں ایک نیا انکشاف ہی ہوتا ہے ایسا مثبت با اخلاق اور انوکھا کردار ہے کہ آپ کو اپنے سحر میں جکڑ لے آپ چاہ کر بھی اس کی کسی بات کی نفی نہ کر سکیں۔

واقعہ تو واقعہ کربلا ہے جس پر ہم بہت خواہش کے باوجود لکھ نہیں پائے، یہ ایسا واقعہ ہے کہ اس پر لکھنے کے لئے بہت حوصلہ جرأت اور علم حکمت پر عبور چاہیے، شاید ہم بھی کچھ لکھ سکیں واقعہ کربلا کے حوالے سے شاید کبھی ایسا ہو جائے۔

۵۔ آہم، بھئی فوزیہ آپی یہ تو ٹاپ سیکرٹ ہے سب سے پہلے تو آپ ہی ہمیں وش کرتی ہیں، جو ہمیں بہت خوشی کا احساس دلاتا ہے اور ہماری اسکول کے زمانے کی سہیلیاں

فردوس، ثوبیہ اور مہرین ہمیں ہمیشہ وش کرتی ہیں اور...... اور...... اور بھی ان کی وش بھی ہوتی ہے انتظار تو ہمیں رہتا ہے کہ وہ کب ہمیں "ہیپی برتھ ڈے" کی کال یا ٹیکسٹ کر کے ہمیں خوشی کا احساس دیں ادھر انہوں نے وش کیا ادھر ہماری برتھ ڈے سلیبریٹ ہو گئی، ہے نا انٹرسٹنگ؟ آخر میں نئے سال اور سالگرہ کے حوالے سے تازہ نظم آپ کی نذر۔

"سال نو مبارک ہو"

سال نو مبارک ہو
اب کرے کہ یہ برس
خوشی کا علمبردار ہو
میرے وطن کا ہر شہری
سکون سے ہمکنار ہو
ہر طرف بہار ہو
اس قوم میں ایسا پیار ہو
کہ عدو لرز اٹھے
نہ کوئی اس سے ٹکرائے
نہ اس پہ کوئی وار ہو
وطن کا ہر پیرو جواں
اس پہ یوں نثار ہو
عمل سے جس کے ہر گھڑی
چھلکتا صرف پیار ہو
سال نو کی آمد پر
ہر چہرے پر نکھار ہو
ہر طرف بہار ہو
بہار ہی بہار ہو

سعدیہ عابد............ کراچی

۱۔ پچھلا سال الحمدللہ بہت اچھا گزرا، کئی احساسات بالکل نئے بھی محسوس کیے کہ جب تک سانس رواں ہے احساسات اور جزیات تو چلتے رہیں گے، اس لئے یہ ہر گز نہیں کہوں گی کہ سال یونہی گزر گیا، جاتا ہوا سال کئی خوشگوار یادیں اور کچھ تکلیف دہ احساس چھوڑ گیا۔

۲۔ میرا سب سے خوشگوار واقع کتب کی اشاعت سے وابسطہ ہے کہ الحمدللہ اس سال میری دوست پلکوں پر چمکتے آنسو اور "منوں عشق کی روٹھی رت" ہوئیں، اس لحاظ سے یہ کامیابی کا سال تھا، خوشگوار یادیں، ذہن و دل کے آئینے میں ٹھہر گئیں لیکن یہ سال صحت لحاظ سے کافی افسردہ تھا، اس لئے آپ سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

۳۔ تخلیق کا سفر الحمدللہ سبک روی کی طرح رواں دواں رہا، 2016ء میں تین کتابوں کی مصنفہ کا اعزاز سونپا گیا جس کے لئے میں باری تعالیٰ کی شکر گزار ہوں میری ہر کامیابی اللہ کی توسط سے ہے اور میری والدہ جنہوں نے ہمیشہ میری راہنمائی کی اور ساتھ دیا۔

اور جہاں تک کھونے کی بات ہے کافی کھویا بھی جس کا سوچ کر تکلیف ہوتی ہے، بس اتنا ہی کہہ پاؤں گی کہ ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھاتی ہے، جب کامیابی اللہ کی طرف سے لکھ دی جاتی ہے تو حاسدوں کی ایک فوج تیار ہو جاتی ہے اللہ سب کو حاسدوں کے شر سے محفوظ رکھے اور غرور و تکبر سے دور کرے عاجزی اور انکساری عنایت کریں آمین۔

۴۔ کافی طویل عرصے ایک موضوع پر لکھنے کی شدید خواہش ہے جو تا حال ادھورے پن کا شکار ہے، مگر امید واثق ہے با شرط زندگی تو اس موضوع کو کامیابی سے اس موضوع کو قلم بند کروں گی۔

۵۔ الحمدللہ میری فیملی ہمیشہ میرے ساتھ ہوتی ہے اور ان کی دعائیں شامل حال رہتی ہیں

بقیہ صفحہ نمبر 253

ام مریم

بارہویں قسط کا خلاصہ

غانیہ کے ہاں بیٹی کی پیدائش پر منیب کا رویہ عجیب سا تھا نہ خوشی نہ غمی، فضہ، غانیہ کی بہن اپنے بیٹے کے لئے غانیہ کی بیٹی حرم کا رشتہ مانگتی ہے جسے منیب ریجیکٹ کر دیتا ہے، غانیہ کے احتجاج کرنے پر وہ اسے طلاق کی دھمکی دیتا ہے اور پھر اگلے ہی دن اپنی بیٹی کا رشتہ اپنے بڑے بھائی کے بیٹے اویس سے طے کر دیتا ہے، غانیہ ایک بار پھر احتجاج کرتی ہے تو منیب کسی کمزور لمحے کی زد میں آ کر وعدہ کر لیتا ہے کہ اگر اویس کسی قابل نہ بنا تو وہ اس رشتے کو ختم کر دے گا، غانیہ یہ بات سن کر اطمینان کا سانس لیتی ہے۔

خولہ کو ہجر کا دکھ کسی پل سکون نہیں لینے دیتا، وہ دوبارہ پاکستان آتی ہے ایک دن سلمان کی بڑی بہن سے ملنے پہنچ جاتی ہے جہاں وہ اسے دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ ایک نادانی نے پھولوں جیسی لڑکی کا کیا حال کر دیا ہے کہ وہ عجیب سی دیوانی نظر آنے لگی تھی۔

خود سلمان کی بیٹی اس سے اپنی والدہ کے بارے میں پوچھتی ہے کہ کیا اس کی مما مر گئیں ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیئے

تیرویں قسط

در قفس سے جب جب صبا گزرتی ہے
کسے خبر کہ اسیروں پہ کیا گزرتی ہے
تعلقات کبھی اس قدر نہ ٹوٹے تھے
کہ تیری یاد بھی ہو کے خفا گزرتی ہے
یہ اہل ہجر کی بستی ہے احتیاط سے چل
مصیبتوں کی یہاں انتہا گزرتی ہے
نہ پوچھ اپنی انا کی بغاوتیں محسن
در قبولیت سے بچ کر دعا گزرتی ہے

یہ گلابی جاڑے کا اداس دن تھا، اس اداس دن کے دامن کو خاموش بارش کی پھوار نے بھگو ڈالا، بارش جو اونچے ٹنڈ منڈ درختوں، ننھے پودوں خالی کیاریوں کو چھوتی سبز گھاس میں گم ہو رہی تھی، پختہ فرش پہ موتیوں کی صورت برس کر اپنا وجود کھو رہی تھی، بارش جو کمرے کی کھڑکیوں سے دھیمے سروں میں سر تال بجا کر بہہ رہی تھی، وہ کمرے میں کرسی پہ بیٹھی اپنی ٹانگوں پہ اپنی گلابی گرم شال پھیلائے بہت دیر سے بارش کا خاموش منظر دیکھ رہی تھی، نم آنکھوں سے ہونٹ کچلنے لگی، بارش کے ساتھ اس کا رشتہ ہمیشہ عجیب رہا تھا، اس نے ہمیشہ اس کی جھولی میں وحشت خوف اور تنہائی ڈالی تھی، اداسی ڈالی تھی، آج بھی بہت سی اداسی اس کے اندر جذب ہونے لگی، سالہا سال کی جاں کاہی مشقت وفا داری کا حاصل وصول کچھ بھی نہ تھا، حالات ویسے کے ویسے تھے، حرم کے بعد وہ حجاب کی بھی ماں بن گئی، دوسری بچی بھی تین سال کی ہونے کو آگئی، مگر ابھی تک اس کا اسکول میں داخلہ نہیں ہو سکا تھا، وہ روز منیب سے کہتی۔

"بچیوں کو اسکول میں داخل ہونا چاہیے۔"

اس کا انداز گریزاں ہوتا، منیب کسی نہ کسی فائل میں الجھا ہوتا لمحہ بھر کو کبھی متوجہ ہوتا کبھی وہ بھی نہیں اور ہوں ہاں کی جو خیرات سوال کو کبھی نصیب ہوتی اس سے بھی مایوسی حصے میں آتی، کبھی کبھار تو غانیہ کو لگتا وہ جذبات میں بہت گھاٹے کا سودہ کر چکی ہے، انتہائی گھاٹے کا۔

منیب کی توجہ سیاست کی طرف ہو چکی تھی، پچھلے سال کونسلر کا الیکشن بھاری اکثریت سے جیت چکا تھا، اب تو مصروفیت کا عالم ہی انوکھا ہو گیا جن لوگوں نے ووٹ دیئے تھے، گلے میں ہار ڈال کر اپنا نمائندہ منتخب کیا تھا وہ آدھی رات کو بھی دھڑلے سے آ کر دروازہ بجانے لگتے، ہر کسی کا الگ مسئلہ ہوتا اور منیب صاحب جی جان سے حاضر، غانیہ سب کچھ دیکھتی سہتی اور کڑھتی تھی، بیٹھک میں ہر وقت مجمع لگا ہوتا، کوئی آ رہا ہے، کوئی جا رہا ہے، دن میں جانے کتنی مرتبہ چائے بنا کر وہاں بھجوانی پڑتی، یہ سلسلہ رات کے بھی کسی پہر بلا امتیاز شروع ہو سکتا تھا، وہ صحیح معنوں میں عوام کا نمائندہ عوام کا خادم ثابت ہو رہا تھا، لوگ جبھی بہت خوش تھے، حلقے کے ترقیاتی کام بھی منیب کے زیر سرپرستی میں تیزی سے تکمیل پانے لگے، ایک نہیں ہو رہا تھا تو غانیہ کا کوئی کام۔

"مما...... حرم زیادہ پیاری ہے کہ حجاب...... حجاب حرم سے زیادہ کیوٹ ہے سب کہتے ہیں۔"

دونوں بچیاں بھاگتی ہوئی آ کر ایک ٹائم میں اس کی گود میں سمانے کی کوشش کرنے لڑنے لگیں، حرم جتنی کم گو صابر وشاکر اور راضی بارضا تھی، حجاب اسی قدر تیز لڑاکا اور شوخ حجاب کو ہر کام میں آگے ہونے کی عادت تھی، نمایاں ہونے کی عادت تھی، حرم اسی حد تک عدم اعتماد عدم تحفظ کا شکار نظر آیا کرتی، ڈری سہمی سی، غانیہ کو اس کی بہت فکر رہتی۔

وہ چار سال کی ہو گئی تھی مگر اسکول میں ایڈمیشن نہیں ہو سکا تھا، غانیہ گھر پہ ہی انہیں قرآن پاک کی تعلیم دے رہی تھی، ٹیوشن بھی خود پڑھاتی، بچوں پہ اس کا پورا کنٹرول تھا، مگر اس شخص کے پاس بیٹیوں کے لئے اتنا ٹائم نہیں تھا، شاید...... غانیہ کو اس سے شکایتوں میں اضافہ ہی ہوا تھا مگر وہاں پرواہ کسے تھی، غانیہ کو لگتا زبردستی اس شخص کی زندگی میں شامل ہو کر اس نے ہر لحاظ سے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔

''دونوں ہی بہت کیوٹ ہیں میری بیٹیاں اور یہ بات کس نے کہی؟'' غانیہ نے باری باری دونوں کے گال چومے، حرم اس سے لپٹ گئی، حجاب کھلکھلانے لگی۔

''اویس بھائی کہتے ہیں، تاؤ نے بھی کہا، مما کیا حرم کی شادی اویس بھائی سے ہونی ہے؟'' حجاب ایکدم کچھ یاد آنے پر اچھل کر بولی، غانیہ زور سے چونکی، متفکر نظر آنے لگی۔

''آپ کیوں پوچھ رہی ہو؟'' اس کا انداز خود بخود کڑا ہوا، خفگی آمیز ہو گیا۔

''اویس بھائی نے خود...... کہا ان کی شادی حرم سے ہونی ہے۔'' وہ سر کھجاتے ہوئے معصومیت سے جواب دے رہی تھی، غانیہ دھک سے رہ گئی، اندر داخل ہوتے اس شخص نے چونک کر پہلے دونوں بچیوں کو پھر اسے دیکھا اور اگلے لمحے نظر چرا گیا، حرم مزید سہمی ہوئی نظر آنے لگی مگر اس جانب کسی کا بھی دھیان نہیں جا سکا تھا۔

''بکواس کرتا ہے وہ، ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' غانیہ کو جانے کیا ہوا، وہ ایکدم چیخ پڑی تھی، آنکھیں یکا یک آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں، اس شخص نے ٹھٹک کر اسے دیکھا، نگاہ میں ناگواری تھی، ہونٹ باہم بھینچے ہوئے۔

''بیٹے آپ لوگ اپنے کمرے میں جاؤ، جو گیم بھائی آپ کے لئے لائے تھے اس سے کھیلو شاباش۔'' اس شخص نے غانیہ کو گھورتے ہوئے بچیوں کو اشارہ کیا، دونوں اٹھ گئیں، کمرے سے چلی گئیں، باپ سے بچے خائف رہتے تھے، انکار کی جرأت نہیں رکھتے تھے، غانیہ اب باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی، منیب اسے سرد نظروں سے دیکھتا قریب آ گیا۔

''اس عمر میں پہنچ گئیں، مگر اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا نہ آ سکا تمہیں۔'' اس کا انداز ملامتی تھا، غانیہ کو دھچکا سا لگا، وہ شخص کبھی بھی اس کے دل کا خیال کر کے نہیں بولتا تھا، ہمیشہ اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچا کر تسکین محسوس کرتا تھا، پتا نہیں واقعی ایسے ہی تھا یا اسے محسوس ہوتا۔

''تف ہے آپ پہ بھی منیب صاحب! دنیا بھر کے مسیحا بنے پھرتے تو ہیں آپ مگر اپنوں کے زخموں کی رفوگری تو دور ان کے زخم تک نظر نہیں آتے آپ کو۔'' ضبط چھلکا تھا، وہ پھٹ پڑی، ایک لمحے کو تو وہ شخص بھونچکا رہ گیا، اگلے پل سراپا طیش ہی طیش تھا۔

''بکو مت، بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری۔'' وہ پھنکارنے لگی، اس کی نظروں میں دکھ ہی دکھ

تھا۔

''آپ کو کچھ نظر کیوں نہیں آتا؟ اس روز وہ بچی کو زبردستی گھسیٹ رہا تھا کہ میرے ساتھ کھیلو، اگر تمہیں بعد میں میری بیوی بن کر میری ہر بات ماننی ہے تو آج کیوں نہیں مان سکتی، میں نے آپ کو یہ بات بتائی تھی، آپ کو پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑا، میری بیٹی بے سمجھ ہے، معصوم ہے، مگر وہ لڑکا نہ بے سمجھ ہے نہ ہی معصوم، منیب آپ......''

''تم نے کب بتائی یہ بات مجھے؟'' وہ ایک دم شاکڈ نظر آنے لگا، غانیہ نے شاکی کسی حد تک غصیلی نظروں سے اسے دیکھا، سرد آہ بھری۔

''میں تو بہت کچھ بتاتی ہوں مگر آپ کی توجہ ہو تو سنے، سمجھ آئے، پتا چلے۔'' وہ تھکے ہوئے انداز میں بولنے لگی، منیب ایک دم بیٹھے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''اگر یہ سب تم محض ان لوگوں سے بدگمان کرنے کے لئے کر رہی ہو غانیہ تو یہ تمہارے اپنے حق میں بہت غلط ہوگا۔'' وہ ایکا ایکی غضبناک نظر آنے لگا، غانیہ کو تاسف نے گھیر لیا، وہ جیسے مزید تھک گئی تھی اس بدگمانی کے مظاہرے پہ۔

''منیب صاحب!'' اس کا لہجہ تیکھا پن اور گہرا طنز سمیٹ لایا۔

''اگر میں بدگمان کرنے والی ہوتی اور ہونے والے ہوتے تو اول تو حالات یہ نہ ہوتے جو ہیں، نہ میری یہ بے بسی ہوتی، آپ کی غلطی یہ بھی ہے کہ آپ کی نزدیک کی نظر ہمیشہ کمزور رہی ہے، آپ کو گھر سے باہر ہونے والا سب کچھ تو نظر آ جاتا ہے، اپنے گھر کے حالات سے آپ ناواقف ہی رہے ہیں ہمیشہ۔'' منیب ایک دم گم صم ہو گیا، یہ خاموشی بہت گہری تھی، وہ کسی فیصلے پہ پہنچنے کی تگ و دو میں تھا، جب اس نے اویس کی بدتمیزی کا مظاہرہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور طیش سے بے حال ہوتے اویس کو زناٹے کا تھپڑ دے مارا تھا۔

تیرا سال کا وہ نوجوانی کی پہلی سرحد پہ کھڑا سرکش نظر آتا لڑکا، منیب کو پہلی بار اپنی بیٹی کے لئے خطرے کی علامت محسوس ہوا تو اگلے دن وہ دونوں بچیوں کو ہاسٹل میں داخل کرانے کا فیصلہ کر چکا تھا، اس فیصلے میں عمل درآمد پہ بھی اسے چند دن لگے تھے، غانیہ کو اس فیصلے نے بالکل توڑ کر رکھ دیا، وہ تو حمدان کی اس دوری سے اب تک سمجھوتہ نہیں کر سکی تھی، کجا دونوں بیٹیوں کو بھی خود سے اتنا فاصلے پہ کر دینا۔

''یہ ضروری ہے منیب؟''

وہ رو رہی تھی، وہ اکثر روتی تھی، جب سے شادی ہوئی تھی، اس نے سب سے زیادہ جو کام کیا تھا وہ رونے کا تھا، منیب جتنا بھی چڑتا، وہ اس رونے کی عادت سے چھٹکارا نہ پا سکی، دکھ درد کا آنسوؤں سے ساتھ گہرا ہے، بہت گہرا تعلق، اس نے تو جس سے بھی تعلق جوڑا تھا، بہت گہرا جوڑا تھا، بڑی وفا نبھائی تھی، آنسوؤں سے تعلق بھی نہ ٹوٹتا تھا۔

''ابھی بھی مجھ سے پوچھتی ہو جاہل عورت کہ یہ ضروری ہے، جو کچھ ہو رہا ہے تمہاری آنکھیں بند ہیں۔'' وہ بھڑک بھڑک جاتا تھا آج کل، اپنی غلطیوں کے اعتراف کا حوصلہ نہ ہو تو انسان یونہی دوسروں پر چڑھائی کرتا ہے، منیب بھی نیا کب کر رہا تھا، بہر حال وہ بھی ایک روایتی سوچ رکھنے والا

روایتی مرد تھا، جسے اپنی انا اتنی عزیز تھی کہ اس کے آگے اپنی غلطیاں بھی نظر نہیں آتی تھیں۔
''میرا مطلب ہے...... ہم شہر چلتے ہیں، بچوں کو اپنے پاس رکھیں گے جیسے کہ......''
''بس بس ایک لفظ آگے نہیں۔''
ہاتھ حتمی دوٹوک انداز میں اٹھا کر وہ یکا یک غرایا، آنکھیں لہو ٹپکانے لگیں۔
''آ گئی مقصد کی بات زبان پہ، تم تو ازل سے یہی چاہتی تھیں، مگر کان کھول کر سن لو، میں تمہاری خاطر اپنے اصل سے نہیں کٹ سکتا، یہ بات تم جان گئی ہوگی۔''
غانیہ صدمہ زدہ سی اسے دیکھتی رہ گئی، کیا جابر بے حس سفاک شخص تھا، اس کے دل کو کبھی نہیں سمجھتا تھا، ہمیشہ جبر کر کے خوش ہوا۔
''میں...... بچوں کے بغیر کیسے رہوں گی منیب؟'' وہ جیسے کرلا اٹھی، کیسے سمجھاتی، اس کی زندگی کا مقصد ہی کیا رہ جاتا ان دو بچیوں کے بغیر۔
''کیا بچیوں کو نہیں پڑھانا؟''
منیب کا بس نہیں چلتا تھا، اس کی زبان کھینچ کر ہمیشہ کے لئے اس کی آواز بند کر دے۔
''میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' غانیہ منمنا ہی سکی، دل چاہا سر پیٹ لے۔
''اور کیا مطلب ہے اس بکواس کا؟'' منیب ہتھے سے اکھڑنے لگا، اسے یہ بحث یہ تکرار یہ احتجاج طیش میں مبتلا کر رہا تھا۔
''میں ہمیشہ کے لئے جانے کو نہیں کہہ رہی، بچوں کی تعلیم مکمل ہو گی تو واپس یہاں آ جائیں گے۔'' وہ ڈر ڈر کر اپنا مدعا بیان کر رہی تھی، منیب کی گھورتی نظروں نے مزید کچھ کہنے کا حوصلہ نہ دیا۔
''تم اپنے یہ نادر مشورے اپنے پاس رکھو، مجھے قطعی ان کی ضرورت نہیں۔'' پھنکار زدہ انداز میں کہتا وہ وہاں سے اٹھ گیا اور ایک ہفتے کے اندر اندر دونوں بچیاں ہاسٹل منتقل ہو چکی تھیں، غانیہ کے شکستہ اعصاب مزید شکستہ ہو گئے، بچیوں کا سسکنا، ٹانگوں سے لپٹ لپٹ کر فریاد کرنا۔
''مما ہمیں مت بھیجیں، ہمیں آپ کے پاس رہنا ہے۔''
اسے خون رلاتا رہا، مگر اس شخص کو پہلے اس پہ کبھی رحم آیا تھا جو اب آ جاتا، وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ بھی نہیں سرکا تھا، اگلے دن جب یارمن معمول کے مطابق پندرہ دنوں بعد ویک اینڈ پہ آیا تو غم سے نڈھال غانیہ اس سے لپٹ کر حال سے بے حال ہونے لگی تھی۔
''میں بہت بے بس ہو گئی ہوں یارمن، بہت بے بس۔''
حمدان بارہ سال کا تھا، اپنی عمر سے اپنے قد کے لحاظ سے بڑا نظر آنے والا بے حد خوبصورت نوعمر لڑکا، کچھ کہے بغیر اس نے ماں کو بازوؤں میں بھر لیا تھا۔
''پپا کا یہ فیصلہ اتنا غلط نہیں ہے مما! پلیز جذباتی ہوئے بغیر سوچیں، حجاب اور حرم کی ایجوکیشن ویسی ہی ہونی چاہیے تھی جیسی میری ہو رہی ہے، آپ اس بات کو تو سمجھیں۔''
وہ کتنے تدبر سے سمجھا رہا تھا، وہ بات جو اس کا باپ نہیں سمجھا سکا، اس نے کتنے سہل انداز میں سمجھا ڈالی، غانیہ نے آنسوؤں سے جل تھل نظریں اٹھائیں، کچھ دیر اسے دیکھتی رہی، پھر آنسوؤں

کے بیچ مسکرانے لگی، اسے گلے لگالیا۔

''میرا بیٹا! میری جان! میرا مان!'' وہ آبدیدہ ہوگئی تھی۔

''لیکن میں ان کے بغیر کیسے رہوں؟'' اسے سمجھ نہیں آتی تھی، اپنا دکھ کیسے کیونکر بیان کرے۔

''جیسے میرے بغیر رہتی ہیں، آتا ہوں نا آپ سے ملنے، وہ دونوں بھی آجایا کریں گی۔'' وہ اس کا چہرا ہاتھوں میں تھامے نرمی سے کہہ رہا تھا، غانیہ نے گہرا سانس بھرا اور سر جھکا لیا، طے پایا تھا، زندگی صرف سمجھوتہ تھی، دل مارنا تھا اور برداشت کرنا تھا، وہ یہ سب کر رہی تھی، اسے یہ سب کرنا تھا، زندگی کے سفر میں کہیں نہ کہیں کامیابی ضرور ہمسفر ہو ہی جاتی اب یہی سوچ ڈھارس بند جاتی تھی۔

☆☆☆

صبح سے نکلا ہوا ہے گھر سے
رات بھی بیت چلی ہے اب تو
جانے کس بیتے ہوئے وصل کے کملائے ہوئے
در پہ پڑا ہوگا کہیں
جانے کس الجھے ہوئے ہجر کے زانو پہ ذرا ٹیک کے سر
چین سے سویا ہوگا
دل ابھی لوٹا نہیں
صبح کا نکلا ہوا ہے گھر سے
آگیا ہوگا کسی درد کے بہلاوے میں
اور کسی راہ کے ویران کنارے پہ
خواب بلکتا ہوگا
آتے جاتے ہر ایک مسافر کی طرف
ایک سہمی ہوئی امید سے تکتا ہوگا
سوچتا ہوگا جدائی کا کوئی انت نہیں

باہر برف باری شروع ہو چکی تھی، موسم کی پہلی برف باری انہوں نے دھنکی ہوئی روئی کی طرح آہستہ روی سے گرتی نرم برف کو دیکھا، پھر اسے...... وہ بالکل چپ کسی بت کی طرح ایستادہ تھی گویا کسی نے مجسمے کی مانند کھڑکی میں فٹ کر دیا ہو۔

غم سے نڈھال خود سے خفا دکھ کی انتہاؤں کو چھوتی اس لڑکی کو اس نے تب بھی دیکھا تھا جب اس خوش رو شخص کو پا کر وہ پہلی بار اس سے ملنے آئی، وہ خوش تھی، بے حد خوش اور یہ خوشی اس کے چہرے کے اک اک نقش سے چھلکتی تھی، اس نے جو چاہا تھا سو پا لیا تھا، وہ گویا ہواؤں میں اڑتی تھی، وہ آ گئی تھی، وہ اسے جانے کا کیسے کہتیں؟ جبکہ اس نے ایسے پڑاؤ ڈال دیا تھا گویا یہ آخری منزل ہو۔

''کھانا کھاؤ گی؟'' انہوں نے نرمی سے پوچھا، اس نے سر نفی میں ہلا دیا، ہر بار ایسے سوال پہ

ایسا ہی جواب ملا کرتا تھا، وہ زبردستی اس کے منہ میں کچھ نہ کچھ ڈالتی رہتیں، یہ زندگی بھی کوئی زندگی تھی، انہیں ملال ختم نہ ہوتا، خولہ کی آس مندانہ نظریں دروازے سے نہ ہٹتی تھیں، آنے والا آ کر نہ دیتا تھا، یہ آس ٹوٹتی تھی نہ انتظار ختم ہوتا تھا، زندگی آس اور انتظار کے نام ہوئی، ایک یاد نے ہولے سے پھر دامن تھام لیا۔

''ایک تو اتنی طبیعت خراب ہے اوپر سے یہاں کے پاگل لوگ مبارک بادیں دینے آ جاتے ہیں، آخر کیسی مبارک باد؟''

وہ پہلی بار امید سے ہوئی تو بات بے بات گھبرا کر رونے لگتی، ایسی ہی نازک مزاج تھی تب وہ، اپنی خوش بختی کا صحیح طور اندازہ جو نہ کر پاتی تھی، سلیمان اس کی جھنجھلاہٹ سے حظ اٹھایا کرتا، ہنسے جاتا، جبکہ وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ پھیلتے اپنے وجود کو دیکھ کر ہراساں ہونے لگتی۔

''صاحب!'' وہ سہمی آواز میں پکارتی۔

''میں بہت بھدی ہو رہی ہوں۔'' وہ روہانسی نظر آتی، بالکل رونے کو تیار، سلیمان نے جواباً اسے بازوؤں میں بھر لیا، ناز اٹھانے لگا۔

''تم پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی ہو، پہلے سے زیادہ حسین۔''

''نہیں۔'' وہ سرخی میں ہلاتی آئینے میں خود کو دیکھتی آنسو پینے لگتی۔

''ایسا ہی ہے میری جان! میں بتاؤں تم کیا ہو، تم بہار کی اولین ساعت ہو، جو مشام جاں کو مہکا کر رکھ دیتی ہے، دسمبر کی نرم دھوپ ہو جو تھکے ہوئے اعصاب کو سکون اور حدت دیتی ہے، رات کے پچھلے پہر چٹکی ہوئی چاندنی کا عکس ہو۔'' وہ بے اختیار سسکنے لگی، وہ اس خوش بختی سے اب کی بدبختی کی خود ذمہ دار تھی، صاحب تو ابر رحمت تھا، برسنے پہ آیا تھا تو روح کو سیراب کر گیا، اس کی مخمور سرگوشیاں اب بھی سماعتوں میں رس گھولتی تھیں، ماضی کا لمحہ ابھی بھی دامن پکڑے تھا، سنہرے پن کا عکس بکھیرتا ہوا، جب یار نے اس کو اس کے وجود کو انمول کیا تھا، اپنے لمس سے اپنی آواز کے جادو سے۔

''تم زندگی کا حسین نغمہ ہو، صحرائے زیست میں اترا بادل کا نرم ٹکڑا ہو، کچی کلیوں کی مہکا ہو، چلچلاتی دھوپ میں سائے کا احساس ہو، تمہاری یہ اماوس کی رات سی گھور آنکھیں، یہ یاقوتی ہونٹ، یہ سانچے میں ڈھلا وجود، کہاں سانچے میں ڈھلا؟'' وہ تڑپ اٹھتی، شدید اختلاف سے۔

''اتنی بے تکی، بے ڈھب ہو رہی ہوں۔'' وہ ٹوکتی، بے بسی سے پیر پٹختی۔

''کچھ ماہ کی بات ہے، ٹھیک ہو جاؤ گی۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر کہتا، پھر مزید گوہر افشانی ہونے لگتی۔

''اب تو ہر سال ایسی ہی ہوا کرو گی، ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں، چار بہنوں کا واحد بھائی، سب کو میرے بہت سے بچے چاہئیں، ٹھیک ہے؟''

نوخیز جوانی اور خوب صورتی کا مرقع، وہ بے اختیار اس کے بوسے لیا کرتا۔

اس کے آنسو خاموشی سے بہے جا رہے تھے، وہ پاکستان سے واپس آ گئی، مگر آنسو خشک نہ ہوئے، غم نہیں ڈھلا، اجڑی کیاریاں خشک پتوں سے اٹی ہوئیں، خشک لڑھکتے گملے، دھول مٹی، ہوا

کے سنگ اڑتے پتے، دروازہ ہوا سے کھلا تو روشنی کی لکیر نیم تاریک کمرے میں خاموشی سے در آئی، وکٹورین طرز کے فرنیچر سے آراستہ کمرہ بے حد آرام دہ تھا، چھت سے لٹکتے فانوس میں لگے قیمتی پتھر اور بلوریں شیشے کی آب تاب کچھ اور فروزاں ہوئی، اس کا ایک لباس ایک جوتا بھی لاکھوں کی مالیت کا ہوا کرتا، وہ کھڑے کھڑے کسی بھی چلتے کاروبار کی منہ بولی قیمت لگا کر خریدنے کی ہمت رکھتی تھی، مگر وہ ایک بے حد قیمتی شخص کو پالینے میں بری طرح ناکام نامراد ہو گئی تھی، اس سے بڑی بے بسی اور کیا ہو سکتی تھی، اس سے زیادہ دکھ بھی کوئی اور اٹھا سکتا تھا، نہیں۔

میں نے اک عرصے سے تجھے ورد میں رکھا ہے
میرے ہونٹوں پہ تیرے نام کے چھالے ہیں بہت

☆☆☆

وہ جو اک خواب دل آویز تھا کیسے گزرا
اب جو دیکھیں تو بہت صاف نظر آتے ہیں
سارے منظر بھی پس منظر بھی
لیکن اس دیر خیالی کا صلہ کیا ہو گا
یہ تو سب بعد کی باتیں ہیں مری جان انہیں
دیکھتے سوچتے رہنے سے بھلا کیا ہو گا
وہ جو ہونا تھا ہوا ہو بھی چکا
وقت کی لوح پہ لکھی ہوئی تحریر کے حرف
خط تنسیخ سے واقف ہی نہیں
بخت مکتب کے رجسٹر کی طرح ہوتا ہے
اپنے نمبر پہ جو لبیک نہیں کہہ پاتے
ان کا کچھ عذر نہیں کوئی بھی فریاد نہیں
یہ وہ سائل ہیں جنہیں کوئی صدا یاد نہیں
لائنیں الجھی رہیں لفظ بدلنے کے سبب
کوئی تحریر مسلسل نہیں ہونے پائی
حاصل عمر ہی چند ادھورے خاکے
کوئی تصویر مکمل نہیں ہونے پائی

کنیز بڑے عرصے کے بعد دبئی سے لوٹی تو ایک انوکھی فرمائش بھی کر دی، حمدان کے ساتھ اپنی بیٹی شانزے کی منسوبی کی فرمائش اور وہ شخص وہ تھا جسے اپنے رشتوں کے مان توڑنا قطعی پسند نہیں تھا، مان سلامت رہ گیا مگر غانیہ کے دل کا بوجھ ضرور بڑھا گیا، یہ نہیں تھا کہ اسے شانزے پسند نہیں آئی تھی، یہ بھی نہ تھا کہ وہ ایسا نہیں چاہتی تھی، ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ بچپن میں بچوں کے رشتوں کی قائل نہ تھی، یہ بھی تھا کہ وہ شخص جنید کے لئے بہت سختی سے انکار بھی کر چکا تھا، جنید جو دل سے عزیز تھا اسے، گزرے وقت نے جس سے والدین کا سایہ چھین کر یتیم کر دیا تھا، جو گھر، گھر والوں

سے کٹ کر بالکل بے آسرا مما کے در پہ آ گیا تھا، جب تک مما حیات رہیں، جنید کے حال اتنے خراب نہ ہوئے تھے، اب پپا کے ساتھ جنید بھی تنہائی اور مایوسی کا شکار تھا، اس پہ پولیو کے اٹیک نے اس سے تندرستی چھین کر معذوری کو ایسا مسلط کیا تھا کہ ہنستا کھیلتا بچہ مایوسی دکھ اور قسمت کے اندھیروں کی نذر ہو کر رہ گیا۔

غانیہ نے اتنے سارے دکھ اک ساتھ کیسے سہے تھے یہ صرف وہی جانتی تھی، فضہ اور مما کی موت کا صدمہ جنید کی یہ بیماری، وہ تو ہل کر رہ گئی تھی، ایسے میں زندگی سے دور ہوتا ہوا جنید، اس کے آنسو نہیں تھمتے تھے، اس نے پوری جان لڑا دی علاج میں، پیسہ پانی کی طرح بہا ڈالا، دعا میں سر رکھتی تو ہچکیاں بندھ جاتیں، اسے مانگنے کا سلیقہ ہی اب آیا تھا، اسے رب سے جنید پہلے جیسا واپس چاہیے تھا، جنید پہلے جیسا رب نے لوٹا دیا، وہ پھر سے چلنے لگا، مگر اس کا مزاج اس کی مایوسی ختم نہ ہوئی، وہ دکھ کی اتھاہ سے نہ نکل سکا، پڑھائی میں دلچسپی پہلے جیسی نہ رہی۔

غانیہ پھر بھی خوش ہوگئی، جنید کی معذوری ختم ہو گئی تھی، یہ بہت بڑا معجزہ تھا، اس روز ایک بار پھر اس نے اس شخص کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا تھا۔

"جنید کو قبول کر لیں منیب! حرم نہ سہی، حجاب سہی، مجھے یہ مان یہ خوشی دے دیں پلیز۔" وہ ملتجی تھی، اس شخص نے بجائے مان بڑھانے کے جھڑک کر رکھ دیا، اس نے پہلے کب مان بڑھایا تھا جو اب بڑھاتا، وہ کتنی ہرٹ ہوئی مگر چپ ہو گئی، کبھی کچھ نہ مانگنے کو چپ ہو گئی، اس شخص نے کہا تھا، وہ اسے کبھی سکون نہیں لینے دے گا، اس نے اپنا کہا پورا کر دیا، اس نے کہا تھا کہ وہ کبھی اسے خوشی نہیں دے گا، وہ اس کو کبھی کوئی خوشی نہیں دے رہا تھا، وہ محبت کی سزا بھگت رہی تھی، اسے اور پتا نہیں کتنی دیر سزا بھگتنی تھی، اس شخص کو اس پہ رحم نہیں آتا تھا۔

"تمہیں شانزے اس حوالے سے کیسی لگی غانیہ! دیر کا یہ فیصلہ تمہیں پسند آیا؟"

اس شخص کی آمادگی بلکہ رضا مندی حاصل کر لینے کے بعد کنیز نے اس سے سوال کیا تھا، وہ کچن میں کھڑی تھی، کنیز کی آمد کی خوشی میں منیب نے بچوں کو ویک اینڈ پہ گھر بلایا تھا، وہ اس وقت بچوں کے لئے دودھ کے گلاس ہی تیار کر رہی تھی، اس سوال پہ اس کے اندر عجیب سا دکھ اتر آیا، آنکھیں بھیگ گئیں۔

"شانزے پیاری بچی ہے، اللہ ان بچوں کے نصیب اچھے کرے۔" وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"ہمارا ارادہ انگلینڈ سیٹل ہونے کا ہے، شانزے کے لئے وہاں کا ماحول بالکل ٹھیک نہیں، اس کے پپا نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ ہم شانزے کو ادھر آپ کے پاس چھوڑ دیں گے، تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے نا؟" کنیز سوال کر رہی تھی، سوال کرتی ہوئی کنیز اسے بالکل بھی وہ کنیز نہ لگی جو اس کی شادی سے پہلے کی کنیز تھی، یہ ایک بزنس مین کی نخریلی لاڈلی بیوی تھی، جو اپنے فیصلوں میں آزاد تھی، اس کی طرح بے بس نہیں تھی، زندگی اس کے لئے رنگ بدل چکی تھی، زندگی کے سب رنگ وہی غانیہ کے لئے تھے، کنیز کے لئے نہیں۔

"یہ تمہارے دیر کا گھر ہے کنیز! یعنی تمہارا اپنا گھر، اس پر تمہیں اور تمہارے بچوں کا پورا حق

ہے، مجھے ہرگز اعتراض نہیں ہے۔" وہ بامشکل مسکرائی تھی، کنیز نے کاندھے اچکا دیئے، اسی رات جب وہ دودھ کا گلاس حمدان کے کمرے میں لے کر آئی تو معمول کے مطابق اسٹڈی کرنے کے بجائے وہ اسے کھڑکی میں کھڑا نظر آیا، آہٹ پر پلٹ کر دیکھا مگر مسکرایا نہیں۔

"آپ بہت تھک گئی ہیں مما!" اس کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لے کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھتا، آج وہ کتنا سنجیدہ تھا۔

"نہیں، ماں اپنے بچوں کے کام سے کبھی نہیں تھکتی اور مجھے تو یہ سعادت بھی دعاؤں کے طفیل ملتی ہیں، میرے بچے مجھ سے بہت دور رہتے ہیں ان کی صورت کو ترستی ہوں ہر وقت۔" وہ جانے کیوں آبدیدہ ہو گئی۔

"آپ اداس ہیں مما! میں جانتا ہوں۔" حمدان نے اس کے ہاتھ تھام لئے تھے، غانیہ کے آنسو بہنے کو مچل پڑے، اسے خود پہ قابو پانا دشوار ہوا تھا۔

"نہیں، میں خوش ہوں، میرے بیٹے کی کل انگیج منٹ ہے نا اس لئے۔" وہ زبردستی مسکرانے لگی، حمدان کے ہونٹوں پہ ذرا سا بھی تبسم نہ لہرایا۔

"پپا ایسا کیوں کر رہے ہیں مما!" وہ عجیب سے تناؤ کا شکار ہوتا بولا۔

"یہ آپ کی پپو کی خواہش ہے، انہیں شانزے کو ادھر چھوڑ کے جانا ہے نا اس لئے۔" اس نے نرمی سے کہتے پیار سے اس کا گال سہلایا۔

"وہ شانزے کو ایسے بھی چھوڑ کر جا سکتی ہیں، وہ ہماری کزن اور پپا کی بھانجی تو ہے نا، پھر اس نئے تعلق کی کیا ضرورت ہے۔" حمدان یکدم کتنا جھنجلا گیا تھا، غانیہ نے بے ساختہ چونک کر اسے بغور دیکھا۔

"کیا شانزے آپ کو اچھی نہیں لگی؟" اس نے مبہم بیٹے کی صورت دیکھی، جہاں جھنجلاہٹ اور بے زاری کے سوا کچھ نظر نہیں آ سکا۔

"بات پسند ناپسند کی نہیں، اتنی چھوٹی عمر میں رشتے کیوں کر رہے ہیں پپا۔" وہ اکھڑ کر بول رہا تھا، غانیہ نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"ہمارے خاندان میں ایسے ہی جلدی رشتے طے کر دیئے جاتے ہیں بیٹے، جیسے حرم اور آپ کا جیسے میرا بھی بچپن میں آپ کے پپا سے طے ہو گیا تھا۔" اس نے بات کو ہلکا پھلکا رنگ دینا چاہا، وہ بچے کے ذہن پہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

"آپ خوش تھیں تب اس رشتے سے؟" وہ کتنا بڑا سوال کر رہا تھا، غانیہ ساکن ہو گئی، معاً خود کو سنبھال کر دانستہ مسکرائی۔

"خوش تھی، بہت خوش تھی۔"

"اب خوش ہیں؟"

وہ نو عمر لڑکا صرف سوال بڑے نہیں کر رہا تھا، بہت دھیان سے اس کے تاثرات کا بھی جائزہ لے رہا تھا، غانیہ کو خود کو سنبھالنا دشوار ہوا، اسے لگا اب کے وہ اس کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکے گی، اگر بولے گی تو وہ اس کا جھوٹ لازماً پکڑے گا، وہ ہچکچائی، کچھ بھی کہنے سے ہچکچائی، اتنا چھوٹا

سا لڑکا اتنے اعتماد سے اس کا اعتماد زائل کر چکا تھا، اس کا اعتماد چھین چکا تھا۔

''مما...... بتائیں۔''

وہ نہ صرف ٹوک رہا تھا، بلکہ مسکرا بھی رہا تھا، غانیہ کو بھی مسکرانا پڑا، مگر انداز بہت پھیکا تھا، بہت بے دل تھا، بہت بے رنگ تھا۔

''ہاں بیٹے، خوش ہوں تمہارے پپا جیسے بندے کے ساتھ کو فخر سمجھا جاتا ہے، آپ جانتے ہیں یہ بات۔''

وہ اپنا اعتماد بحال کر چکی تھی، حمدان نے جانے خاموش رہ کر اس کا بھرم رکھا، اپنا یا پھر اپنے باپ کا، ورنہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس کے ہر دکھ سے آگاہ تھا، اس کے ہر راز سے از خود واقف ہو گیا تھا۔

''میں پپا کو منع کرنا چاہتا ہوں مما، وہ ایسا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، ضرور کریں مگر مناسب وقت پہ، یعنی جب ہم بڑے ہو جائیں، خاص کر شانزے، ایسے فیصلے دونوں فریقین کی باہم رضا مندی سے طے پانے چاہئیں۔'' وہ کتنے تدبر سے کہہ رہا تھا، جو اس کی عمر میں لڑکوں میں نہیں آتا، نہیں ہوتا۔

''آپ چپ رہیں بیٹے، پلیز ان سے اختلاف نہیں کرنا آپ ورنہ......''

''ورنہ کیا...... کیا ورنہ مما......'' وہ اپنی بات ادھوری چھوڑتی یوں ہونٹ دبا گئی گویا منہ سے غلط الفاظ پھسل جانے پہ نادم ہو کر حمدان کے ٹوکنے پہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ورنہ پپا یہ سمجھیں گے کہ آپ نے مجھے اکسایا ہے ایسا کہنے پہ؟'' حمدان کے لبوں پہ عجیب سا پر اضمحلال تبسم اتر آیا تھا، غانیہ کو پھر احساس ہوا، وہ لڑکا اپنی سوچ کے لحاظ سے عمر سے بہت آگے ہے، شاید اس کی وجہ تنہائی اور اکیلا پن ہو جو اسے ہمیشہ ملا، رشتوں سے دوری رشتوں کی کمی توجہ کی کمی بچوں کی ذات کے اندر خلا ضرور چھوڑ جایا کرتی ہے، یا تو وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر غلط راہوں پہ جا نکلتے ہیں نہیں تو حمدان کی طرح اپنی عمر سے یکدم بہت آگے نکل جاتے ہیں، بچپن سے جوانی میں قدم رکھنے کے بجائے ذہنی اعتبار سے ڈیئر ایکٹ بڑھاپے کا شکار ہو جاتے ہیں، غانیہ کو عجیب سے دکھ نے گھیر لیا، عجیب سے احساس زیاں نے آنکھیں نم کر ڈالیں، اسے یاد تھا، اسے بھول ہی نہ سکتا تھا، اس نے اس شخص کی کتنی منت سماجت کی تھی کہ بچے کو یوں کالے پانیوں کی سزا نہ دے مگر وہ اپنے سوا کسی کی سنتا ہی کب تھا، خود کو راست سمجھتا تھا ہر معاملے میں، یہاں تک کہ نقصان ہو جانے کے بعد بھی غلطی تسلیم نہ کرنا ہی اس کا طرہ امتیاز تھا، غانیہ کو اب صحیح معنوں میں بچیوں کی فکر لاحق ہوئی، حمدان تو پھر لڑکا تھا، صد شکر کہ وہ کسی اخلاقی برائی کا شکار نہیں ہوا تھا مگر دونوں لڑکیاں...... وہ کھڑے سے یکدم بیٹھ گئی، ایسے گویا ٹانگوں نے جسم کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا ہو، اس کی رنگت ہر گزرتے لمحے زرد تر ہوتی جا رہی تھی جب حمدان نے اس کے ہاتھ پہ نرمی سے اپنا ہاتھ رکھا۔

''جن معاملوں میں انسان اپنی تمام تر تدبر کے باوجود مکمل طور پہ ناکام اور بے بس ہو جائے انہیں رب تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے مما، اور دعا کرنی چاہیے کہ ہر نقصان ہر ضرر سے اللہ محفوظ

رکھے۔"

وہ اسی رسان سے کہہ رہا تھا، جس کو شدت غانیہ نے آج پہلی بار ہی محسوس کیا تھا، اس نے چونک کر حمدان کو دیکھا اور جیسے سر سے کسی بوجھ کو اترتے محسوس کر کے آہستگی سے نرمی سے مسکرا دی۔

"ماشاء اللہ میرا بیٹا تو بہت ذہین وفطین ہے، اللہ نظر بد سے محفوظ رکھے آمین۔" وہ اس کا گھنے بالوں سے سجا سر بے حد محبت سے چوم کر بولی تو حمدان اس دوران پہلی بار کھل کر مسکرایا۔

"کہاں سے سیکھی ہیں ایسی پیاری باتیں؟" غانیہ کے انداز میں بے پناہ محبت اور مٹھاس تھی، حمدان جھینپ سا گیا۔

"تنہائی کا شکار ہوا تو کتابوں سے دوستی ہو گئی، مما میں نے اسلامی ہی نہیں ہر مذہب پہ مطالعہ کیا ہے۔"

"اس نسبت سے خوش ہو؟" غانیہ پتا نہیں کیا کھوجنا چاہتی تھی۔

"ابھی تو کوئی فیلنگ نہیں ہے مما، ہو سکتا ہے بڑا ہو کر کچھ تبدیلی آ جائے۔" وہ پھر سنجیدہ ہو گیا۔

"میں دعا کروں گی تمہیں ضرور شانزے سے محبت ہو جائے۔"

"ایسا غضب نہ کیجئے گا مامی، محبت تو از خود ہو جائے تب بھی سہل نہیں، اگر دعا سے مانگ لی جائے تو......" وہ شریر ہوا تھا، غانیہ نے خجل ہوتے اسے ایک جھانپڑ لگا دی۔

"نان سنس۔"

یارمن اب کے کچھ نہیں بولا بس ہنستا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ ہولے ہولے کھانستی ہوئیں اندر داخل ہوئیں، ایک ہاتھ کمر پہ رکھا ہوا تھا، دوسرے سے دروازہ دھکیلا، اے سی چل رہا تھا، کمرہ نیم تاریک، انہوں نے آگے بڑھ کر کھڑکی سے پردہ کھینچ دیا، سورج کی روشنی نے کمرے میں گھس کر نیم تاریکی کا گلا گھونٹ دیا، انہوں نے ایک نظر باہر دیکھا، لان کا منظر واضح تھا، سوئمنگ پول کے اوپر پھیلی شہتوت کی شاخوں سے ٹوٹ کر پانی میں ٹپ ٹپ گرتے کالے شہتوت انہیں بہت پسند تھے، کچھ دیر تک وہ یونہی سوئمنگ پول کو دیکھتی رہیں، کوٹھی کی دیواروں کے پار درختوں میں گھری نہر تھی، جس کے چوڑے پاٹ کو عبور کرنے کے لئے مقامی لوگوں کو کشتی کا سہارا لینا پڑتا، کنارے پھیلی گھاس کے ساتھ بوسیدہ و پرانی سی کشتی رسی کی مدد سے بندھی نظر آ رہی تھی، جس کا بوڑھا ملاح چہرے پہ کپڑا ڈالے اونگھ رہا تھا، سورج کی بنفشی کرنیں درختوں سے چھن چھن کر نہر کے مٹیالے پانیوں میں رنگ گھول رہی تھیں۔

"اماں۔" جنید کی پکار پہ وہ چونک کر مڑیں، وہ جاگ چکا تھا، انہوں نے لپک کر اسے سہارا دیا، جھک کر جوتے بیڈ کے نیچے سے نکالے۔

"ابھی خود سے زیادہ نہ چلا کر پتر؟"

"میں ٹھیک ہوں اب، خواہ مخواہ فکر مند رہتی ہیں۔" وہ نرمی سے ٹوک رہا تھا، انہوں نے جیسے

دھیان نہ دیا، یونہی سہارا دیئے واش روم تک چھوڑا وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر آیا تو اماں تولیہ لئے منتظر تھیں۔

''ابھی گرما گرم پراٹھا اتارتی ہوں اپنے پتر سوہنے کے لئے۔'' وہ تیزی سے پلٹ گئیں، جنید وہیں بیٹھ گیا، انگیٹھی میں تازہ انگارے تھے، وہ دونوں ہاتھ پھیلائے آگ سینکنے لگا، پاس ہی پلیٹ میں مونگ پھلیوں کے چھلکوں کی چھوٹی سی ڈھیری تھی، جو رات اس نے سونے سے پہلے کھائی تھی۔

''صبح پھر تیری خالہ کا فون آیا تھا جنید، تجھے بلا رہی ہے اپنے پاس۔'' دیسی گھی کا پراٹھا بے حد خستہ سنہرے رنگ کا گھی سے تر بتر، خوش ذائقہ مہکتا ہوا آم کا اچار، دودھ پتی کا بڑا مگ ساتھ میں ابلا ہوا انڈا، وہ بہت رغبت سے ناشتہ کر رہا تھا، اس بات پہ چونکا، البتہ کچھ بولا نہیں۔

''میں وہاں نہیں جانا چاہتا، آپ جانتی ہیں۔'' اس نے پانی کا گلاس اٹھا لیا تھا۔

''ہمیشہ کے لئے نہیں، بس ملنے کی خاطر۔'' انہوں نے نرمی سے سمجھایا۔

''وہ خود آ کر مل جائیں۔'' وہ روٹھا ہوا نظر آنے لگا، اماں مسکرا دیں۔

''ایسے ہی کہہ دوں تیری خالہ سے؟'' ان کی آنکھوں میں شرارت اتر آئی، جانتی تھیں وہ غانیہ سے کتنی محبت کرتا ہے، کتنا احترام کرتا ہے۔

''کہہ دیں۔'' اس کا انداز نروٹھا ہوا یعنی اس بار خفگی کچھ زیادہ ہی گہری تھی۔

''بری بات ہے پتر، یہی تو اک رشتہ بچا ہے تیرا، اس سے بھی منہ پھیر رہا ہے۔'' اماں بی نے سمجھایا تھا مگر وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''تو کیوں بچا ہے؟ یہ بھی ختم ہو جائے گا تو مر نہیں جاؤں گا اکیلا۔'' وہ چیخا، اماں متاسف نظر آنے لگیں۔

''چچ...... چچ...... اتنا غصہ کیوں کر رہا ہے پتر۔'' انہوں نے اٹھ کر پیار سے سر سہلایا، گال پہ تھپکی دی، جنید نے ہونٹ بھینچ لئے، یوں جیسے خود پہ ضبط کر رہا ہو۔

''تیری ماسی بہت چنگی کڑی ہے، بہت رحمدل، پر نمانی مجبور لگتی ہے اپنے گھر والے کے سامنے، میں تو یہی سمجھ سکی ہوں۔'' ان کا انداز خود کلامی کا سا تھا، جنید کی آنکھیں جلنے لگیں، مما بھی خالہ کے متعلق ایسی ہی باتیں کرتی تھیں، شاید یہی سچ تھا، تلخ سچ، اس کی نم آنکھوں کی سطح پہ پانی تیرنے لگا، دیکھا جاتا تو یہ احسان بھلے نانو کا تھا اس پہ مگر دیکھ بھال کر ذمہ تو غانیہ نے ہی لیا تھا، یہ بوڑھی عورت جو بے حد خدا ترس اور نرم دل تھی، غانیہ نے ہی اس کے لئے اس آیا کا انتظام کیا تھا، ورنہ وہ اکیلا وحشت سے ہی مر جاتا۔

''کیوں بلا رہی ہیں خالہ؟'' اب کے وہ بولا تو لہجہ نرم تھا، سبھاؤ لئے ہوئے، اماں نے بے ساختہ اس تبدیلی پہ سکھ کا سانس لیا۔

''اسی ہفتے، مطلب کہ دو دن بعد، اس کے پتر کی منگنی ہے نا اسی لئے۔'' اماں کے جواب نے جنید کو حق دق کر ڈالا۔

''کون سے بیٹے کی، یار من؟'' وہ بھونچکا سا ان کی شکل دیکھنے لگا۔

"ایک ہی تو پتر ہے اس کا۔" اماں نے خاصا برا منایا تھا اس سوال پہ۔

"مگر وہ تو...... وہ تو میرے جتنا ہی ہوگا نا اماں، اتنی جلدی منگنی۔" وہ ہنوز حیرت زدہ تھا، متحیر سا ششدر نظر آتا ہوا۔

"ہاں تو پھر کیا ہوا؟ منگنی ہی کر رہی ہے، نوں کی ڈولی تو نہیں ابھی لا رہی جو تو اتنا حیران ہو رہا ہے۔" وہ ہنسنے لگیں، جنید کھسیا سا گیا۔

"گھر صاف کر لوں تو جوڑے استری کروں گی اپنے اور تیرے نئے والے۔" گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے وہ پھر خود کلامی کر رہی تھیں، جنید کا دھیان اب کے ناشتے کی طرف ہی رہا، اسے یہ سوچ کر ہنسی آ رہی تھی، حمدان کی ابھی سے منگنی ہو رہی ہے، اس کی حمدان سے زیادہ بے تکلفی نہ تھی۔

ورنہ اسے اس حوالے سے چھیڑ کر تنگ کر کے خاصا لطف اٹھا سکتا تھا وہ۔

☆☆☆

گاؤں سے آنے والی سڑک پہ کھڑے بس کا انتظار کرتے انہیں ایک گھنٹہ ہونے کو آیا تھا، جب وہ لوگ منہ اندھیرے گھر سے نکلے تو سڑک کے اختتام پر چوک سے بائیں ہاتھ جاتی ہوئی گلی کے آخر میں مسجد کے میناروں اور گنبد کا ہلکا سا خاکہ تاریکی میں نظر آ رہا تھا، یہاں تک آتے وہ تو نہیں البتہ یارمن اور ابا ضرور بہت تھک جاتے، آخری بار جب وہ اس کے ساتھ آئے تو پیدل مسلسل چلنے سے ہانپنے لگے تھے، اوپر سے بوندا باندی بھی شروع ہو گئی، جو گھر تک پہنچتے تیز بارش میں بدل گئی، گاؤں کی کچی گلیوں کی سوندھی خوشبو ہوا میں رچنے لگی تھی۔

"پتر تو ہن سکوٹر لے لے۔" انہوں نے کتنی محبت سے کہا تھا، وہ اس سے بہت محبت کرتے تھے، اپنی سب اولاد سے زیادہ، جیسے اسے خود سب سے زیادہ محبت یارمن سے تھی۔

"پپا بس آ رہی ہے۔" یارمن نے خوشی سے نعرہ لگایا، وہ چونک سا گیا، گہرا سانس بھرا، بس آئی اور ساتھ ہی دھول مٹی کا ایک طوفان بھی اٹھ کر انہیں بھوت بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ چکا تھا۔

"ہوشیار باش، آ جاؤ جوانوں۔" ڈرائیور نے پوری طرح بس بھی نہیں روکی، کنڈیکٹر زور سے آواز لگاتا ایک طرح سے انہیں خود ہی اوپر گھسیٹ چکا تھا، طاقت ور انجن کی پھنکار پکی سڑک پہ دھول کا غبار اٹھاتی تیزی سے بڑھنے لگی، یارمن نے سیٹ کی پشت دبوچ کر خود کو سنبھالا۔

"پپا پلیز، اب آپ گاڑی لے ہی لیں۔"

منیب بے دھیان سا پیچھے دیکھ رہا تھا، خاموش اور نیم تاریک نظر آتے گاؤں کو یارمن کی اس احتجاجی اصلاح پہ دھیما سا مسکرا دیا، صبح کے اجیالے میں تاحد نظر سنہری کرنیں اور خاک کے ان گنت روپہلی ذرے نیلگوں آسمان کی وسعتوں میں دھمک رہے تھے، مدہم خنکی مائل تھا، دھوپ کی نرماہٹ بے حد بھلی لگ رہی تھی، شہر آ کر اسٹیشن سے ٹرین پکڑی تو یارمن حیران حیران سا باپ کو دیکھنے لگا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں پپا؟"

''آج میں اپنے بیٹے کو اپنے فیورٹ ہیرو سے ملوانے لے جا رہا ہوں، آئی وش کہ وہ مجھے اپنی پارٹی کے لئے ایکسیپٹ کر لیں، اگر ایسا ہو گیا نا بیٹے، تو میرا بہت بڑا خواب پورا ہو جائے گا۔''

یارمن نے چونک کر باپ کی صورت دیکھی، جس کا چہرہ تمتما رہا تھا، اس نے اپنے باپ کو زندگی میں کبھی اتنا ایکسائیٹڈ نہیں دیکھا تھا، وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔

''وہ کون ہیں پپا؟''

''سلیمان خان، پاکستانی کی سب سے مقبول سیاسی پارٹی کے چیرمین، ایک دنیا ان کی دیانت شجاعت اور خوبروئی کی مداح ہے، بہت اعلیٰ پائے کی شخصیت ہیں، اگر وہ مجھے ٹکٹ دے دیں تو میرے لئے ہرگز کسی اعزاز سے کم نہ ہوگا۔''

منیب چوہدری کا یہ رنگ ڈھنگ اک نیا روپ تھا یارمن کے لئے، وہ پوری آنکھیں کھولے انہیں دیکھتا رہا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''ڈونٹ یو وری پپا، جو آپ چاہتے ہیں انشاء اللہ ویسا ضرور ہوگا۔'' اس نے پر یقین لہجے میں کہا تھا، منیب چوہدری پہلی بار کھل کر مسکرایا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

یارِ من
عرشیہ راجپوت

ہستی کو زمانے میں فنا کون کرے گا
یہ فرض زمانے میں ادا کون کرے گا
ہاتھوں کی لکیروں کو ذرا دیکھ نجومی
یہ دیکھ میرے ساتھ وفا کون کرے گا......!!!

''تم یہ اسے اچھی طرح سمجھا دو خدیجہ کہ جیسا وہ چاہ رہی ہے ویسا کسی قیمت پر نہیں ہو سکتا، جتنا اس نے پڑھنا تھا اتنا پڑھ لیا اور اگر مزید خواہش رکھتی ہے تو گھر بیٹھ کر یہ شوق پورا کرے۔'' وہ اپنے بارعب اور پرجلال انداز میں انہیں مطلع کر رہے تھے جو بیڈ پر بیٹھی بے بسی کی زندہ تصویر معلوم ہو رہی تھی۔

''دیکھئے پڑھائی کا شوق رکھنا کوئی غلط بات تو نہیں ہے نا اور وہ خواتین کالج میں داخلہ لے گی تو وہاں صرف لڑکیاں ہی ہوں گی آپ......'' انہوں نے پست آواز میں ایک آخری کوشش کرنے کی ہمت کی تھی مگر وہ ان کی بات درمیان میں کاٹ گئے تھے۔

''بہت خوب صرف لڑکیاں، خدیجہ بیگم یہ لڑکیاں ہی لڑکیوں کو خراب کرتی ہیں، پتہ نہیں کس کس خاندان سے ان کا تعلق ہوتا ہے اور کس کس ماحول کی نہ جانے یہ پروردہ ہوتی ہیں، مجھے کالجوں یونیورسٹیوں میں پڑھا کر اس سے نوکری نہیں کروانی، بس گھر داری سیکھے اور نماز روزہ کرے، میرے لئے اتنا ہی کافی ہے، تم بے جا وکالت کر کے اسے مزید شہہ نہ دو۔'' وہ انہیں کڑی نگاہوں سے گھورتے نماز کے لئے مسجد چلے گئے، وہ بے بس سی بیٹھیں رہ گئیں، ابھی تو انہیں اس کا سامنا کرنا تھا اور وہ پتہ نہیں کتنا واویلا کرتی، مگر جس کا سامنا انہوں نے کرنا تھا وہ خود کو ان کے سامنے کے لئے تیار کر چکی تھی ان کے کمرے اور کچن کے درمیان فاصلہ ہرگز بھی اتنا زیادہ نہیں تھا کہ ان کی آواز اس تک نہ پہنچ سکتی

مکمل ناول

اور نہ ہی وہ کمرہ ساؤنڈ پروف تھا کہ ان کی اس پر جلال آواز کو اپنے اندر دبالیتا، آنکھوں میں آنسو محض ایک پل کو جگہ بنا پائے تھے مگر اس کے بعد اس کی آنکھیں صحرا کی مانند بالکل خشک تھیں، برتن دھو کر وہ خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی تھی، یہ پہلی دفعہ تو ہرگز بھی نہیں تھا پھر کیونکر وہ ماتم کرتی، جب قسمت ہی خراب تھی تو وہ کیا بار بار ماتم کر کے اسے بدل سکتی تھی؟ اس نے تلخی سے سوچا اور نخوت سے سر جھٹک کر رہ گئی۔

☆☆☆

''عیشال میری بات سننا۔'' وہ ابھی پھپھو کے پورشن سے واپس آئی تھی ان کی آواز سن کر اپنے کمرے کی طرف بڑھتی وہ رکی تھی اور پھر ان کے کمرے میں داخل ہو گئی تھی، وہ نماز پڑھ چکی تھیں مگر دوپٹہ اسی انداز میں باندھے بیڈ پر مغموم سی بیٹھی تھیں۔

''جی امی کوئی کام تھا؟'' وہ ان کے پاس ہی ٹک گئی۔

''میں نے تمہارے ابو سے بات کی تھی مگر تم جانتی تو ہو کہ وہ ایسی اجازت کبھی بھی نہیں دے سکتے، میں نے اسے نہیں بتایا ابھی تک ان کا جواب، مجھ میں اب اتنی سکت نہیں ہے کہ اس کے آنسو بھی دیکھوں اور اسے جھوٹی تسلیاں بھی دوں، تم اسے اپنے طریقے سے سنبھال لو۔'' ان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلی تھی، وہ محض سر ہلا کر وہاں سے اٹھ کر اپنے اور اس کے مشترکہ کمرے میں آئی تھی، اس کی پشت دروازے کی طرف تھی الماری میں نہ جانے وہ کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

''زونائش!'' وہ ہمیشہ اسے اسی نام سے پکارتی تھی۔

''ہوں۔'' وہ بغیر متوجہ ہوئے اپنا کام کرتی رہتی۔

''وہ ابو نے......'' وہ سخت مشکل میں تھی، وہ زونائشہ سے بڑی تھی مگر اس کے غصے سے وہ بہت ڈرتی تھی، وہ لمحوں میں جلال میں آتی تھی۔

''میں جانتی ہوں، تم ہلکان نہ ہو، مجھے یہ انفارمیشن دینے کے لئے۔'' وہ سپاٹ انداز میں بولی، اب اس نے اپنا رخ اس کی طرف موڑا وہ حد درجہ حیران ہوئی اس کی آنکھوں میں کہیں بھی آنسو نہیں تھے ہاں مگر چہرے پر قدرے تناؤ تھا۔

''دیکھو زونائش وہ ہمارے ابو ہیں، وہ ہمارے لئے اچھا ہی سوچیں گے نا، شاید یہ تمہارے لئے بہتر نہ ہو۔'' اس سے نظریں چرائی وہ اس کا دل باپ کی طرف سے صاف کر رہی تھی، ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کو چھو گئی۔

''بہت خوب اور جو لاکھوں لڑکیاں کالجوں، یونیورسیٹوں میں پڑھ رہی ہیں کیا ان کے باپ نہیں ہیں یا ان کا کوئی خاندان نہیں ہے یا پھر ان کے سروں پر کوئی ان کی فکر کرنے والا موجود نہیں ہے، تم مجھے یہ جھوٹی فکریں اور پریشانیاں نہ بتاؤ، میں نہ تو بچی ہوں اور نہ نا سمجھ۔'' اس کی آواز میں تلخی ہی تلخی گھلی تھی، عیشال حیرت سے اسے دیکھ کر رہ گئی جو اپنے کپڑے اٹھا کر اب واش روم میں بند ہو چکی تھی، وہ اسی حیرانگی کے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی، اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا، زونائشہ کے اتنے سپاٹ ردعمل پر، ایک سال پہلے کا منظر اس کی نظروں میں گھوم گیا تھا، جب زونائشہ خدیجہ کے ساتھ بازار گئی تھی اور واپسی پر اپنے کمرے میں بند ہو کر وہ ایسے دھواں دھار روئی تھی کہ عیشال اور خدیجہ کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے، ہوا بس اتنا تھا کہ زونائشہ فراک کے نیچے جینز لینا چاہتی تھی مگر خدیجہ نے اسے یہ کہہ کر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

منع کر دیا تھا کہ تمہارے ابو اس لباس کو تمہارے لئے پسند نہیں کرتے، وہاں سے تو وہ خاموشی سے گھر واپس آ گئی تھی مگر واپس آ کر جو اس نے ردعمل دکھایا تھا وہ ان دونوں کو پریشان کرنے کے لئے کافی تھا۔

"زوناکش کیا ہوا میری جان، صرف جینز ہی تو تھی، فراک کے نیچے تو پاجامہ زیادہ اچھا لگتا ہے۔" وہ بڑی مشکل سے اسے بہلانے کی کوشش کر رہی تھی، جو زار و قطار رو رہی تھی۔

"بات جینز کی نہیں ہے عیشال، بات ان پابندیوں کی ہے جو ہم پر لگائی جاتی ہیں، آخر ہم بھی انسان ہیں، ہماری بھی خواہشات ہوتی ہیں، ہم بھی تو زندوں میں ہی شمار ہوتے ہیں، کتنی ہی خواہشات کو میں اپنے دل میں ہی دفنا دیتی ہوں کہ ابو کو یہ اچھا نہیں لگے گا ابو کو وہ اچھا نہیں لگے گا، مگر کب تک عیشال، ابو بھی تو ہمارے بارے میں کچھ سوچیں، جینز میں صرف گھر میں ہی پہنتی نا، گھر سے باہر تو پہن کر نہیں نا جا رہی تھی، کہ اچھا نہ لگتا مگر نہیں ہمیں تو صرف گھٹ گھٹ کر ہی جینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بولتی خدیجہ کا دل چیرتی جا رہی تھی، عیشال نے بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکا ہوا تھا۔

پھر اس نے بڑی جدوجہد سے اسے بہلایا تھا، اب بھی اس کے اور خدیجہ کے شعور میں اس کا وہی ردعمل تھا، مگر اب اس کا یہ ردعمل دیکھ کر وہ خوش ہونے کے بجائے مزید پریشان ہو گئی تھی، پہلے وہ آنسوؤں اور غصے کے ذریعے کم از کم اپنا دل تو ہلکا کر لیتی تھی، اب تو بس یہ غصہ اندر ہی اندر جمع ہوتا جائے گا، اس نے اپنے دکھتے سر کو کنپٹیوں سے دبایا۔

☆☆☆

فاروق سلطان اور ظفر سلطان دونوں بھائی ریٹائرڈ فوجی تھے، گاؤں کی حدود میں ان کا وسیع گھر دو کنال کے رقبہ پر پھیلا ہوا تھا، گھر کے پچھلی طرف اتنی ہی بڑی جگہ خالی تھی جس کے اردگرد باؤنڈری والز بنا کر اسے باڑے کی شکل دی گئی تھی، وہاں ایک طرف بھینسوں کا باڑہ تھا جبکہ ایک طرف خالی جگہ پر سبزیاں لگائی گئی تھیں، فاروق سلطان کے تین بچے حیدر، شاہد اور رخسانہ تھے جبکہ ظفر سلطان کے بھی تین ہی بچے صوفیہ، حاجرہ اور تیمور تھے، ان دونوں کے بچوں میں آرمی میں جانے کا شوق صرف تیمور کو ہی تھا جنہوں نے اپنے اس شوق کو پایہ تکمیل تک بھی پہنچایا تھا، حیدر اور شاہد نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی اور پھر ان زمینوں کو سنبھال لیا تھا جن کو اب تک ان کے والد اور چچا نے سنبھال رکھا تھا، حیدر کی شادی اپنی ماموں زاد ماہ ناز سے ہوئی تھی اور شاہد کی شادی فاروق سلطان نے اپنے خالہ زاد بھائی کی بیٹی خدیجہ سے کی تھی، رخسانہ کو تیمور کے عقد میں دیا گیا تھا اور صوفیہ اور حاجرہ دونوں کی شادی اپنی خالہ کے گھر ہوئی تھی، جوں جوں ان کے خاندان بڑھتے گئے گھر کو تین پورشنز میں تبدیل کر دیا گیا تھا، وقت بڑی تیزی سے گزرتا گیا، بہت سے نئے چہرے دنیا میں آئے اور بہت سے چہرے دنیا سے منہ موڑ گئے تھے، مگر اس خاندان کی روایات جو کل تھیں وہی آج تھیں ان میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل رونما نہیں ہوا تھا، اس خاندان کے مردان رسوم و روایات کے معاملے میں بے حس تھے اور ہمیشہ بے حس ہی رہنا چاہتے تھے۔

☆☆☆

اگلی صبح اس نے بڑی خاموشی سے اذلان سے فارم منگوایا اور اسے فل کر کے اسے جمع کرانے کے لئے دے آئی تھی، مطلب وہ اس

بات پر سمجھوتہ کر چکی تھی کہ اب آگے کی تعلیم اس نے پرائیویٹ ہی حاصل کرنی ہے، مگر یہ بات صرف عیشال جانتی تھی کہ یہ سمجھوتہ نہیں ہے یہ لاوا ہے جو اندر ہی اندر پک رہا ہے اور جس کے نتائج ہرگز بھی اچھے نہیں ہوں گے، جس نے پھٹنا ہے تو بے تحاشا تباہی ہی مچانی ہے، عیشال کے علاوہ اس کے اس پرسکون ردعمل پر حیران خدیجہ تھیں، وہ بڑی اچھی طرح اپنی بیٹی کی فطرت سے واقف تھیں، وہ اس خاندان کی دوسری لڑکیوں کی طرح ہرگز بھی نہیں تھیں جو بڑوں کا کہنا آمنا صدقنا کہہ کر مان لیتی تھیں، وہ زونائشہ حیدر تھی بات بات پر نکتہ چینی کرنا وہ اپنا حق سمجھتی تھی، کتنے ہی جوابوں سے وہ سوال نکالتی تھی اور ایسے نکالتی تھی کہ جواب دینے والا پچھتا تا رہ جائے کہ وہ زونائشہ حیدر کے سامنے بولا ہی کیوں، وہ بات بات پر سوال کرتی تھی، اعتراض کرتی ہے اور وہ اسے جواب دے دے کر مطمئن کر کر کے عاجز آ جاتی تھیں مگر پھر خود کو اس کے اگلے سوالوں کے لئے تیار کرنا شروع کر دیتی تھیں، بہلا لیتی تھیں اسے کسی نہ کسی طرح اور اسے مطمئن رکھنے میں عیشال ان کے شانہ بشانہ رہی تھی وہ بھی کوئی اتنی بڑی نہ تھی اس سے محض پانچ چھ سال ہی بڑی تھی مگر اسے سنبھال لیتی تھی مگر اب پچھلے دو تین سالوں سے وہ الجھتی جا رہی تھی، بات بات پر غصہ میں آ جاتی تھی، جیسے ہر چیز برداشت سے باہر ہو اور اب جب اس کی سب سے بڑی خواہش رد ہوئی تھی، جس پر اسے سب سے زیادہ چیخ و پکار کرنا چاہیے تھا اس پر وہ بالکل خاموش تھی اتنی خاموش اور بے تاثر کہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ وہ فکرمند بھی ہوئی تھیں، مگر یہ فکر دن بدن اس کی بڑھتی تلخی کو دیکھ کر اندیشوں میں بدلتی جا رہی تھی، خوش مزاج تو وہ کبھی بھی نہیں رہی تھی مگر آج کل تو اس کا مزاج بد سے بدتر ہوتا جا رہا تھا، کبھی موڈ میں ہوتی تو ہنس کر بھی بات کر لیتی ورنہ تو کاٹ کھانے کو ہی دوڑتی تھی۔

☆☆☆

ہم عجیب طرز کے لوگ ہیں
ہمارے الگ ہی روگ ہیں

آج صبح کی دھوپ بڑی نکھری نکھری تھی، وہ چاروں لان میں کرسیوں پر بیٹھیں درمیانی میز پر مالٹوں کی ٹوکری رکھے، مالٹے کھانے کے ساتھ ساتھ دھوپ بھی سینک رہی تھیں۔

''تم لوگوں کو پتا ہے؟'' عائزہ نے کچھ یاد آنے پر ڈرامائی انداز میں بولی۔

''نہیں ہمیں کچھ نہیں پتا اور نہ ہی پتا کرنا چاہتے ہیں۔'' ہمیشہ کی تجسس کی ماری صدف منہ بسور کر بولی، عائزہ کا ہمیشہ کا کام تھا، سسپنس پھیلانا اور تجسس کی ماری صدف بیچاری اس کی سو منتیں ترلے کر کے اس سے وہ بات جان پاتی تھی، مگر آخر میں ہوتا وہی تھا کھودا پہاڑ نکلا چوہا والا معاملہ اور اب تو اس نے اس کے اس ڈرامائی انداز سے متاثر ہی ہونا چھوڑ دیا تھا۔

''افوہ یار قسم لے لو بڑی پتے کی بات ہے۔'' اس نے جیسے دہائی دی۔

''اچھا بتاؤ کیا بات ہے؟'' ان سب کو مالٹے چھیل کر دیتی عیشال پر اس کی دہائی کام کر گئی تھی۔

''یہ اپنی صاحبہ ہے نا؟'' وہ آگے ہو کر راز داری سے بولی۔

''کیوں کیا ہوا اسے؟'' منہ میں مالٹے کی قاش رکھتی صدف چونکی تھی۔

''شادی ہے اس کی اگلے ہفتے اور کیا ہونا ہے اسے۔'' زونائشہ نے بیزار سی نظر عائزہ پر ڈال کر اس سسپنس کو ختم کیا تھا، صدف نے کہا

جانے والی نظروں سے عائزہ کو دیکھا تھا۔

''یہ بات تھی جس کے لئے اتنا ڈرامہ رچایا۔''

''ارے ہاں لیکن میری پوری بات تو سنو۔'' وہ بات بتانے کے لئے بے تاب تھی۔

''کیا بات سنیں تم تو ایسے بات کر رہی ہو جیسے تم نے اس کی مہندی پر لڈیاں ڈالنی ہو جا کر یا پھر نیگ وصول کرنے ہو اس کے دولہے سے۔'' زونائشہ کی بے زاری جوں کی توں تھی۔

''اُفوہ پاگلوں ہم وہاں جا نہیں سکتے مگر اس کے دولہے کو دیکھ تو سکتے ہیں نا۔'' وہ خوش ہو کر اپنی بات کا مین پوائنٹ انہیں بتا رہی تھی، ان تینوں نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو۔

''ارے میں بالکل اپنے ہوش وحواس میں ہوں۔''

''ہمیں تو نہیں لگ رہی۔'' عیشال کو سچ میں شک ہوا۔

''دیکھو، بارات آئے گی ڈیڑھ بجے، بڑے سب ایک سے دو بجے کے درمیان عموماً مسجد میں ہوتے ہیں یا پھر کہیں باہر، اذلان اور روحان بھائی فیکٹری میں، پیچھے کون بچا ہماری والدہ صاحبان جو کہ یقیناً ہمیں اتنی عیاشی کی اجازت تو یقیناً دے ہی دیں گی کیوں؟'' وہ اب خوش خوش ان تینوں کے چہرے دیکھ رہی تھی، جو ابھی بھی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''تم واقعی ہوش وحواس میں نہیں ہو ورنہ ایسا آئیڈیا تمہارے پاس سے کبھی نہ ملتا۔'' صدف اسے چھیڑنا نہیں بھولی تھی، ان دونوں میں ہمیشہ ٹھنی رہتی تھی۔

''تم تو اپنا منہ بند ہی رکھو۔'' وہ اسے زبان چڑاتی، مالٹا کھانے میں مشغول ہوگئی۔

☆☆☆

یہ زعم تھا کہ کون و مکاں دسترس میں ہیں
آنکھیں کھلیں تو ذات کی منزل بھی دور تھی

''زونائشہ بیٹا ایک کپ چائے کا بنا کر مجھے دے جاؤ۔'' کچن کے دروازے میں کھڑے ہو اسے چائے کے لئے بول کر واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئے تھے، جبکہ کچن میں موجود کام کرتیں خدیجہ اور عیشال نے لمحوں میں اس کے چہرے پر سنجیدگی پھیلتی دیکھی تھی۔

''عیشال میں کمرے میں جا رہی ہوں، میرے سر میں درد ہے، پلیز مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔'' وہ بغیر ان دونوں کو دیکھتی کچن سے باہر نکل گئی تھی، وہ دونوں بس ایک دوسرے کو بے بس سی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

''میں بنا کر دے آتی ہوں، اس کے سر میں واقعی درد ہی ہوگا۔'' ان سے نظریں چراتی عیشال چائے کے لئے پانی رکھتے ہوئے بولی، وہ بغیر کچھ کہے تیزی چائے بنانے کی طرف متوجہ رہیں، چائے بنا کر سر پر دوپٹہ اچھے سے جما کر، دروازہ ناک کر کے وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی۔

''ابو چائے۔'' بیڈ کی سائیڈ پر چائے رکھ کر وہ باہر نکلنے لگی تھی، جب ان نے پوچھا۔

''زونائشہ کدھر ہے؟'' وہ ایک لمحہ کو گڑبڑا کر رہ گئی۔

''وہ ابو اس کے سر میں درد ہے، اس لئے۔'' وہ جلدی سے بول کر باہر نکل گئی، وہ بغیر کوئی تبصرہ کیے ہاتھ میں پکڑی کتاب کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، کچن میں آ کر اس نے باقی ماندہ کام نمٹائے اور پھر کمرے میں آ گئی مگر کمرا تو بالکل اس کے وجود سے خالی تھا، واش روم کا دروازہ بھی کھلا تھا، وہ اس تنگ گلی کی طرف بڑھ گئی جو ان کے کمرے سے آگے تھی اور جس کے

آخر میں دروازہ باہر کی طرف کھلتا تھا، اس کے سامنے ایک چھوٹی سی روش تھی جو چچا کے پورشن تک جا کر ختم ہو جاتی تھی، وہ جانتی تھی وہ اس وقت چھت پر نہیں ہو سکتی تھی ابو کی موجودگی میں وہ دونوں بھی چھت پر نہیں گئی تھیں کیونکہ وہ لڑکیوں کا چھتوں پر گھومنا یا بیٹھنا بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔

دروازہ اپنے پیچھے بند کر کے وہ اوپر والے اسٹیپ پر ہی بیٹھ گئی تھی، اس سے نچلے والے اسٹیپ پر وہ گھٹنوں پہ سر رکھے بیٹھی تھی۔

''یہاں کیوں بیٹھی ہو زونائش؟'' اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''بس ایسے ہی۔'' وہ بغیر گھٹنوں سے سر اٹھائے بولی۔

''یہ تم نے کیا حرکت کی کچن میں؟'' اسے واقعی میں برا لگا تھا۔

''کیوں کون سا گناہ کر دیا میں نے۔'' وہ تڑخی تھی۔

''وہ ہمارے ابو ہیں زونائش مگر تمہارا ان کے ساتھ رویہ دن بدن بگڑتا جا رہا ہے، ابھی تو وہ اس چیز کو محسوس نہیں کر رہے جس دن کریں گے، سوچو انہیں کتنی تکلیف ہوگی۔'' اس کا انداز ناصح تھا۔

''پلیز عیشال میں اس وقت کسی لیکچر کو سننے کے موڈ میں ہرگز بھی، سو پلیز تم کوئی اور بات کر سکتی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ چپ کر کے بیٹھ جاؤ۔'' وہ بیزاری سے بولی۔

''امی کو بھی تمہارے اس رویے سے تکلیف پہنچی ہے۔'' اس نے بتانا لازمی سمجھا۔

''امی کو اس وقت تکلیف کیوں نہیں پہنچتی جب مجھے تکلیف ہوتی ہے۔'' وہ انتہائی رخ انداز میں بولی تھی۔

''تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے زونائش، اتنی تلخی۔'' وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''پاگل ہوتی جا رہی ہوں، سنا تم نے اور آئندہ کے بعد مجھے نصیحت کرنے مت آنا، میں نے ٹھیکہ نہیں اٹھا رکھا تم لوگوں کی نصیحتیں سننے کا۔'' وہ تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی، عیشال پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی تھی، بھلا یہ کب سوچا تھا اس نے کہ زونائشہ اس سے اس طرح بھی بات کر سکتی ہے، آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کرتی وہ بھی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

رات کو امی ابو کے کمرے میں دودھ کے گلاس رکھ کر دروازے اچھی طرح سے لاک کر کے وہ کمرے میں آئی تو زونائشہ کتاب گود میں رکھے پڑھنے میں مصروف تھی، کپڑے تبدیل کر کے لوشن ہاتھ پاؤں اور چہرے پر لگانے کے بعد اپنے بستر پر آ کر وہ اس کی طرف کروٹ بدل لیٹ گئی تھی، کافی دیر بعد زونائشہ نے کتاب بند کی اور اس کی طرف دیکھا جو شاید سو چکی تھی۔

''عیشال!'' اس نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا، عیشال جاگ رہی تھی مگر بغیر کچھ جواب دیئے لیٹی رہی۔

''میں جانتی ہوں، تم جاگ رہی ہو، پلیز عیشال ایسے تو مت کرو۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''اب کیا ہے؟ جو کہنا تھا وہ کہہ تو دیا تم نے، اب مزید کیا کہنا چاہتی ہو۔'' بغیر رخ موڑے اس نے جواب دیا۔

''او کے ایم سوری یار، پتہ نہیں کیوں میں زیادہ ہی بول گئی۔''

''ٹھیک ہے اب سو جاؤ۔'' وہ اسی انداز

میں لیٹی رہی۔

''تم جب تک مجھے معاف نہیں کرو گی، میں نہیں سوؤں گی۔'' اس کے کندھے پر سر رکھ کر وہ اس سے لپٹ کر لیٹ گئی۔

''اف پاگل نہیں ہوں میں ناراض تم سے، بہت برا انداز ہے تمہارا یہ منانے کا۔'' اس سے اپنا آپ چھڑاتی وہ مصنوعی خفگی سے بولی تھی۔

''پہلے بولو کہ اب تم مجھ سے واقعی میں ناراض نہیں ہو۔'' وہ مزید اس سے لپٹتے ہوئے بولی، وہ ہمیشہ ہی اسے ایسے ہی مناتی تھی جس سے وہ بہت چڑتی تھی۔

''ارے میری ماں نہیں ہوں ناراض میں اب، میری سو بار توبہ جو تم سے ناراض ہوں۔'' اسے پیچھے ہٹاتے وہ اب اسے گھور رہی تھی جو مسلسل ہنسے جا رہی تھی۔

''سخت چڑ ہے مجھے تمہاری اس حرکت سے۔''

''اسی لیے تو کرتی ہوں ایسی حرکت۔''

اسے زبان چڑاتی وہ اب سونے کے لیے لیٹ گئی تھی، عیشال مصنوعی خفگی سے اسے گھورتی خود بھی لیٹ گئی تھی۔

☆☆☆

بہت حفاظت سے رکھا ہے ان چراغوں کو
بجھتے بجھتے بھی ہواؤں سے الجھ پڑتے ہیں
دیکھ فرعون کے لہجے میں بات نہ کر
ہم تو پاگل ہیں خداؤں سے بھی الجھ پڑتے ہیں

''یا اللہ جی پلیز بارات ابھی نہ آئے، یا اللہ جی پلیز۔'' ٹی وی کے سامنے بیٹھی دونوں ہاتھوں کو دعا کے انداز میں پھیلائے وہ صوفے پر آلتی پالتی مارے ہل ہل کر دعا مانگنے میں مشغول تھی، اندر آتی ہوئی صدف نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں، کیوں پاگل ہوتی جا رہی ہو؟''

''دعا کرو بارات ابھی نہ آئے۔'' اس کا انداز انتہا درجے کا التجائیہ تھا۔

''مگر کیوں؟'' صدف کے ماتھے پر اس کی بے تکی باتوں پر بل پڑے۔

''ابھی تک ہمارے ابا صاحبان گھر سے نکلے نہیں نا، اس لیے۔'' عائزہ نے اصل مسئلہ اسے بتایا۔

''افوہ تمہارا تو دماغ ہی گھاس چرنے گیا ہے بے وقوف عورت، اتنا انتظار صاحبہ کو نہیں ہوگا جتنی شدت سے تم منتظر ہو اس کی۔'' خفگی سے اسے گھورتی وہ اب باہر کی طرف بڑھی تھی جبکہ وہ اس کے عورت کہنے پر دل برداشتہ سی منہ کھولے بیٹھی رہ گئی۔

''تمہیں کیا ہوا ہے ایسے کیوں منہ کھولے بیٹھی ہو۔'' اپنے دھیان میں اندر آتی عیشال اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔

''اس سے پوچھو اس نے کس زمرے میں مجھے عورت بولا ہے۔'' وہ کھا جانے والی نظروں سے عیشال کے پیچھے اندر آتی صدف کو دیکھ رہی تھی، صدف نے اپنا سر پیٹ لیا، بھلا وہ کیوں بھول گئی تھی کہ عائزہ بلا کی ایج کانشس تھی۔

''ارے سوری یار، میں بھول گئی تھی تم تو ابھی بچوں میں شمار ہوتی ہو۔'' اس نے دانت کچکچائے، عیشال نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ روکی۔

''ابو لوگ چلے گئے؟'' مسجدوں سے ظہر کی اذان کی آواز آئی تو اسے ایک دفعہ پھر صاحبہ کا دولہا یاد آیا تھا۔

''ہاں چلے گئے۔'' عیشال نے اسے بتانے کے ساتھ ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کیا۔

''تو چلو بارات بھی آنے والی ہو گی۔''
پاؤں میں چپلیں اڑستی وہ باہر کی طرف بھاگی، اس کی اتنی بے تابی پر وہ دونوں بس ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں تھیں، صاحبہ عائزہ کی دوست تھی مگر چچا کی طرف سے اسے اس کی شادی میں جانے کی اجازت نہیں ملی تھی، دل برداشتہ تو وہ بہت ہوئی تھی مگر صرف وقتی طور پر پھر سب بھول بھال کر اس کی بارات کا انتظار کرنے لگی تھی کہ کم از کم اس کے ہونے والے شوہر نامدار کو ہی دیکھ لے، وہ تینوں جلد ہی اس دل برداشتگیوں کو بھول بھال جاتی تھیں سوائے زونائشہ کے، وہ دیر تک کڑھتی رہتی تھی یہ ایک ایک چیز اس کے دل پر پڑے بوجھ کو بڑھاتی جا رہی تھی اور کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ جس دن اس کا دل اس بوجھ کو سہارنے سے انکاری ہو جائے گا تو پھر کیا ہو گا۔

''تم چلو میں زونائشہ کو بلا کر لاتی ہوں۔''
باہر سے ڈھول کی آوازوں پر وہ صدف کو بھیجتی اس کو بلانے کے لئے اپنے پورشن کی طرف بڑھی تھی، اس کے ساتھ وہ جب بیرونی دروازے کی طرف آئی تو دونوں تھوڑا سا گیٹ کھولے سوراخ سے دیکھنے کی کوششوں میں ہلکان تھی، کیونکہ برارت ابھی تھوڑی پیچھے تھی۔

''ایسے کیسے نظر آئے گا جس طرح تم دونوں دیکھ رہی ہو؟'' زونائشہ نے چھوٹے سے سوراخ کی طرف اشارہ کیا۔

''آ جائے گا اب کیا سارا گیٹ کھول دیں، ابھی زندہ رہنے کا ارادہ ہے ہمارا۔'' اپنا سارا دھیان باہر کی طرف رکھے صدف نے اسے جواب دیا، وہ کندھے اچکا کر باہر کی طرف بڑھ گئی، وہ تینوں اس کی اس دلیری پر پریشان ہوئیں۔

''تم پاگل ہو گئی ہو، اگر یہاں سے کوئی آ گیا تو؟'' عیشال نے اسے اندر کرنا چاہا تو جواب دروازہ کھولے کھڑی تھی۔

''کوئی نہیں آتا اس وقت، تم جاؤ ان کے ساتھ کھڑی ہو کر دیکھو، ہارٹ نہ فیل کروا لینا اپنا۔'' نخوت سے سر جھٹکتی وہ اب بارات کی طرف متوجہ تھی جو اس کے سامنے سے ہی گزر رہی تھی، اسے ویسے تو کوئی خاص شوق نہیں تھا دیکھنے کا مگر اب آ گئی تھی تو وہ صحیح طرح سے دیکھنا چاہتی تھی۔

دولہے کو دیکھنے کے بعد صدف زونائشہ کو اندر کرنے کے لئے دروازے کے عقب سے باہر نکلی تو سامنے سے آتے شخص کو دیکھ کر اس کے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے ہی رہ گیا، بغیر کوئی آواز پیدا کیے وہ دوبارہ دروازے کے عقب میں ہوئی اور ان دونوں کو بھی چپ رہنے کا اشارہ کیا، ان دونوں نے اسے ناسمجھی سے دیکھا کیونکہ وہ دونوں اس کی گھر میں موجودگی سے انجان تھی، شرٹ کے کف موڑتا موبائل ٹراؤزر کی جیب میں اڑستا اس نے ایک پل کو حیرانگی سے کھلے دروازے کو دیکھا اس طرح بلاوجہ تو کبھی بھی دروازہ کھلا ہوا نہیں ہوتا تھا، وہ ابھی دروازے کو بند کرنے کے لئے آگے بڑھا ہی تھا جب اسے باہر کھڑے دیکھ کر وہ چونکا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' وہ جو بڑے انہماک سے باہر دیکھ رہی تھی اس کی آواز پر اچھلی تھی۔

''تم سے مطلب؟'' اسے گھورتی وہ اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگی، جب اس نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو پکڑ کر اسے روکا تھا۔

''کیا کہا تم نے مجھ سے مطلب؟ آئندہ کے بعد مجھے اس طرح یہاں منڈلاتی نظر آئی تو

ٹانگیں توڑ دوں گا تمہاری۔'' وہ لمحوں میں جلال میں آیا تھا۔

''اور میں منہ توڑ دوں گی تمہارا، جو آئندہ تم نے مجھ سے اس طرح بات کی تو، یہ حکم کسی اور پر چلانا جا کر، زر خرید غلام نہیں ہوں میں تمہاری، آئے مجھے بڑے حکم دینے والے۔'' ایک جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنا بازو آزاد کرواتی وہ نخوت سے پیر پٹختی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی، اس کی پشت کو گھورتا مٹھیاں بھینچتا اذان ضبط کی آخری حدوں پر تھا، دروازے کو ٹھوکر مارتا وہ دہلیز پار کر گیا تھا اور وہ تینوں بالکل ساکت ہکا بکا کھڑی تھیں۔

☆☆☆

''تمہیں اس سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی زونائشہ، اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو اسی طرح ہی کہتا، تمہیں بھی کیا ضرورت تھی، دروازے سے باہر نکلنے کی۔'' عیشال سے برداشت نہیں ہوئی تھی اس کی بدتمیزی۔

''میں اندر ہوں یا باہر جاؤں، وہ ہوتا کون ہے مجھ پر حکم چلانے والا، آخر سمجھتا کیا ہے وہ خود کو، ملکیت نہیں ہوں میں اس کی۔'' وہ غصے سے بھری بیٹھی تھی۔

''زونائشہ یہ کس طرح سے بات کر رہی ہو تم۔'' عیشال کو صدف کی موجودگی میں شرمندگی محسوس ہوئی تھی اس کی باتوں پر۔

''نہیں عیشال! غلطی میری ہے، مجھے بتانا چاہیے تھا، ان کی موجودگی کا، پتا نہیں کیسے میرے دماغ میں سے نکل گیا۔'' وہ خود بے طرح شرمندہ تھی۔

''مگر اذان آیا کب تھا گھر؟'' عائزہ کے علاوہ وہ دونوں بھی اس کی موجودگی سے بے خبر ہی تھیں۔

''رات کو، دراصل وہ دیر سے آئے تھے اس لئے مجھے تو یہی تھا کہ ابھی تو وہ ہرگز نہیں اٹھیں گے مگر...... ایم سوری زونائشہ۔'' سر جھکائے معافی مانگتی وہ زونائشہ کا غصہ قدرے کم کر گئی تھی۔

''اس میں تمہاری تو کوئی غلطی نہیں نا، میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔'' گہری سانس لیتی وہ ان تینوں کے سامنے سے اٹھ گئی، ان تینوں نے ہی سکھ کا سانس لیا تھا، اب کسی نا کسی طرح وہ خود کو ٹھنڈا کر ہی لیتی۔

☆☆☆

''امی اذان بھائی کو اس طرح سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی اس سے، بھلا اس طرح بھی کوئی کہتا، کتنا برا لگا ہوگا اسے۔'' کچن میں ماں کے ساتھ کام کرواتی وہ انہیں آج کے واقعہ سے باخبر بھی کر رہی تھی۔

''کرنی تو نہیں چاہیے تھی، مگر خیر زونائشہ نے بھی کسر پوری کر دی تھی، دونوں ایک ہی جیسے ہیں، کوئی کسی سے کم نہیں۔'' وہ کباب فرائی کرتے ہوئے بولیں۔

''وہ تو ہے، ویسے امی آج کل زونائشہ کچھ زیادہ تلخ نہیں ہوتی جا رہی۔'' اس کی بات پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں، بات اس کی سچ تھی مگر ان کے دل کو بوجھل کر گئی تھی۔

''تم جاؤ اذلان کے کپڑے استری کر دو، اس کے کمرے میں پڑے ہیں۔'' اسے موضوع سے ہٹاتیں وہ خود کبابوں کی طرف متوجہ ہوئیں، اسی وقت اذان کچن میں داخل ہوا تھا، شیلف سے ٹیک لگائے وہ ان کے سنجیدہ چہرے پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔

''کیا ہوا؟ تم نے زونائشہ سے ایسے بات کیوں کی؟'' وہ کڑی نظروں سے اسے گھورتیں بولی تھیں۔

"تو خبر پہنچ گئی آپ تک۔" اس کے ماتھے پر بل پڑے تھے، انہوں نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"اپنی حد میں رہو اذلان، اتنے بڑے نہ بنو تم۔"

"اگر آئندہ بھی وہ مجھے ایسی حرکتیں کرتی نظر آئی نا، تو میں اسی طرح اس سے بات کروں گا اور بات کرنے کی تمیز تو اس میں نہیں ہے، زبان چلاتی ہے آگے سے مجھ سے۔" وہ انتہائی غصے میں بولتا تن فن کرتا وہاں سے نکل گیا، وہ اپنا سر پکڑ کر وہ گئیں اس کے انداز پر۔

☆☆☆

مجھے حیرت ہے میرے پاس کچھ نہیں بچتا میں اپنی ذات سے جب بھی تمہیں تفریق کرتا ہوں

وہ صدف کے کمرے کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی جب اسی طرف آتے اذلان سے بری طرح ٹکرائی، وہ اپنے موبائل فون میں اس بری طرح مگن تھا کہ اسے دیکھ ہی نہیں سکا تھا۔

"ایم سوری۔" اسے بازوؤں سے پکڑ کر گرنے سے بچاتے ہوئے وہ آہستہ سا بولا۔

"نہیں میری بھی غلطی تھی، میں بھی بغیر آگے پیچھے دیکھتی ہی چلی آ رہی تھی، آپ کا موبائل۔" اس نے اس کے موبائل کی طرف اشارہ کیا جو اس زبردست تصادم پر نیچے گر گیا تھا۔

"اونہہ، اٹس اوکے۔" اسے اٹھانے کے لئے جھکتے ہوئے دیکھ کر اس نے سرعت سے موبائل اٹھا کر اسے روکا تھا، وہ دھیرے سے قدم آگے بڑھا گئی۔

"سنو۔" وہ کتنے دنوں سے اس کے گریز کو نوٹ کر رہا تھا۔

"جی!" وہ ایک گہری سانس اندر اتارتی اس کی طرف رخ موڑ گئی تھی۔

"تم مجھ سے کترا کیوں رہی ہو؟"

"میں آپ سے بھلا کیوں کتراؤں گی۔" وہ بظاہر بالکل نارمل تھی۔

"مجھے لگتا ہے تمہیں بالکل ہمارے رشتے کے بارے میں معلوم نہیں ہونا چاہیے تھا، فی الحال ابھی تو بالکل بھی نہیں۔" وہ نپے تلے قدم اٹھاتا اس تک آیا۔

"کیوں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"کم از کم اس سے پہلے تم سے کوئی بات تو کر ہی لیتی تھی، اب تو بالکل انجان سی بن گئی ہو۔" وہ بالکل خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"میں اسے صرف اس رشتے کی نزاکت سے ہی منسوب کروں نا۔" وہ تھوڑا جھجکا تھا مگر اپنی الجھن اس پر ظاہر کر گیا تھا۔

"اگر اس کے علاوہ بھی کچھ ہو تو اس سے پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اذلان تیمور۔" وہ سر جھکا کر سپاٹ انداز میں بولی تھی، وہ ایک پل کو ساکت، آج تک یہ تلخی صرف زونائشہ کے انداز میں ہی ملی تھی یہ پہلی دفعہ تھا جب عیشال نے اس رویے کا اظہار کیا تھا، اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"میں کم از کم اتنا بے حس نہیں ہوں عیشال حیدر، اتنا تو تم بھی جانتی ہو اور اگر کوئی دوسری بات ہوتی تو اذلان تیمور کا ظرف اتنا بھی کم نہیں کہ ایک کمزور سی لڑکی پر حکومت کرتا، تم چاہے مجھ سے کتنی بھی بے خبر رہو، میں تم سے ہر پل باخبر ہی رہتا ہوں، جانتا ہوں کہ تم زونائشہ کی وجہ سے ڈسٹرب ہو مگر تم شاید نہیں جانتی کہ تمہارا یہ اجنبی رویہ مجھے کتنا تنہا کر دیتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا، اپنی آنکھوں میں ابھرتی نمی کو ہتھیلیوں سے

اچھی طرح رگڑتی عیشال صدف کے کمرے میں داخل ہوگئی تھی۔

☆☆☆

منحصر اہل ستم پر ہی نہیں ہے محسن
لوگ اپنوں کی عنایت سے بھی مر جاتے ہیں

''امی میں رخی کی طرف جارہی ہوں، اس سے نوٹس بھی لینے تھے اور کچھ پوائنٹس بھی ڈسکس کرنے تھے۔''

سر پر چادر لیے کتاب کھولے وہ کچھ مصروف سے انداز میں لاؤنج میں آکر انہیں اطلاع دے رہی تھی۔

''اچھا مگر جلدی آجانا۔'' وہ اسے چاہ کر بھی یہ نہیں کہہ سکی تھیں ''کہ اپنے ابو کے آنے سے پہلے'' ورنہ پتا نہیں پھر وہ جاتی بھی یا نہیں، منٹوں میں ہی اس کا موڈ خراب ہوتا تھا، وہ اثبات میں سر ہلاتی داخلی دروازے سے باہر نکل گئی، رخسار اس کے بچپن کی دوست تھی، دونوں نے گاؤں کے ہی پرائیویٹ اسکول سے ایف اے کیا تھا، رخسار نے شہر میں بی اے میں ایڈمیشن لے لیا تھا، جبکہ وہ اجازت نہ ملنے کی وجہ سے پرائیویٹ تعلیم کو جاری رکھے ہوئی تھی، ان دونوں کے مضامین ایک جیسے ہی تھے، اسی لئے اکثر وہ اس سے نوٹس لیتی تھی یا سمجھ میں نہ آنے والے پوائنٹس ڈسکس کر لیتی تھی، رخسار خود بھی اپنے نوٹس کے ساتھ ساتھ اس کے لئے بھی نوٹس فوٹو کاپی کروا لیتی تھی، اس کا گھر بس ایک گلی چھوڑ کر کچھ آگے ہی تھا۔

''ویسے میں سوچتی ہوں اگر تمہیں نوٹس کا لالچ نہ ہوتا تو تم کبھی بھی میرے گھر نہ آتی۔'' وہ دونوں رخسار کے کمرے میں بیٹھی تھیں، جب اس نے شکوہ کیا تھا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے رخسار بی بی تمہیں تو بس شکوؤں کی پٹاری کھولنے کا موقع ملنا چاہیے۔'' وہ نوٹس سمیٹتی اب جانے کے لئے چادر کو اچھی طرح سے اوڑھ رہی تھی۔

''اب یہ دیکھو بدتمیز لڑکی، ابھی آئی ہو اور ابھی اٹھ کر چلنے بھی لگی۔

''اور پھر مجھے کہتی ہے میں شکوے کرتی ہوں۔'' اس نے منہ لٹکا لیا۔

''گھڑی دیکھو اچھی طرح، دو گھنٹے ہو گئے مجھے یہاں آئے ہوئے، اب تو شام کی اذان بھی ہونے والی ہے۔'' اس نے گھور کر اس کے لٹکے چہرے کو دیکھا تھا۔

''ہاں تو ان دو گھنٹوں میں تم مسلسل بس ان کتابوں میں ہی گم رہی اپنی کوئی بات نہیں کی۔'' اس کی بات پر وہ پھیکا سا مسکرائی۔

''اچھا، تم بعد میں یہ گلے شکوے کر لینا، اب ذرا احسان کو بولو، مجھے گھر چھوڑ آئے۔'' وہ اس کے کمرے سے باہر نکلی تو وہ اثبات میں سر ہلاتی احسان کو بلانے چلی گئی، احسان رخسار کا چھوٹا بھائی تھا، وہ ان دونوں سے پانچ سال چھوٹا تھا مگر اپنے قد کاٹھ کی وجہ سے ان دونوں سے ہی بڑا دکھتا تھا، وہ اسی اسکول میں پڑھتا تھا جس میں ان دونوں نے تعلیم حاصل کی تھی اسی لئے ان دونوں کے ساتھ ہی آتا جاتا تھا، زونائشہ اپنے اکثر کام اسی سے کرواتی تھی۔

''آپ مجھ سے اپنے ڈائجسٹ کیوں نہیں منگواتیں۔'' اس سے ایک قدم پیچھے چلتا وہ کچھ جھجک کر بولا۔

''اس لئے کہ اب رخسار خود لے آتی ہے اس کے کالج کے ساتھ ہی تو ہے شاپ۔'' وہ ہلکا سا سر ہلاتے سامنے دیکھنے لگا۔

''تمہاری اسٹڈی کیسی جارہی ہے؟''

''زبردست، مجھے یاد ہے مجھے آرمی جوائن

کرنی ہے۔'' زونائشہ کو جھٹکا سا لگا۔

''تمہیں یاد ہے ابھی تک۔'' وہ رخ موڑ کر اب اس کی طرف حیرانگی سے کھڑی تھی۔

اس کے پیچھے دروازے سے باہر نکلتا اذان وہیں رک گیا تھا۔

''بالکل مجھے یاد ہے کہ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا، میں آرمی میں جاؤں گا۔'' وہ پرشوق نظروں سے اسے دیکھ رہا ہے۔

''میں انتظار کروں گی اس دن کا جس دن تم آرمی یونیفارم میں آؤ گے۔''

''انشاء اللہ۔'' ہلکے سے کہتے وہ جانے کے لئے مڑ گیا تھا، زونائشہ نے بھی اپنا رخ گھر کی طرف موڑا، مگر اسے دروازے میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی، مگر پھر اسے نظرانداز کر کے آگے بڑھ گئی۔

''کہاں سے آ رہی ہو تم؟'' کڑی نگاہیں اس پر جمائے وہ مٹھیاں بھینچے کھڑا تھا، گہری سانس کھینچتی وہ اس کی طرف مڑی تھی۔

''میں پہلے بھی تم سے کہہ چکی ہوں کہ تم میرے باپ نہیں ہو جسے میں جواب دیتی پھروں۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ چبا چبا کر الفاظ ادا کر رہی تھی۔

''اتنی بے غیرتی میرے خیال سے صرف تمہارے والد صاحب ہی برداشت کر سکتے ہیں؟'' اس کی بات پر تو وہ سلگ ہی اٹھی تھی۔

''انسان جتنا خود گندا ہوتا ہے، اتنی ہی گندگی اسے دوسروں کی ذات میں بھی نظر آتی ہے، قصور تمہارا نہیں تمہاری گندی سوچ کا ہے۔'' حقارت سے اسے دیکھتی وہ جانے کے لئے پلٹ گئی تھی، اسے اس کی سوچ پر افسوس ہوا تھا احسان اس کے لئے چھوٹے بھائیوں جیسا تھا، وہ اذان کے اس طرح سوچنے پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی تھی، وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو اپنے کمرے سے مسجد کے لئے نکلتے حیدر نے سخت نظروں سے اسے دیکھا۔

''کہاں سے آ رہی ہو؟'' بڑی مشکل سے اس نے خود کو کوئی بھی سخت بات کہنے سے روکا تھا، وہ جانتی تھی خدیجہ سے وہ جان چکے تھے۔

''رخسار کے گھر سے۔'' وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

''کس کے ساتھ؟'' وہ اب مکمل تفتیش کے موڈ میں تھے۔

''احسان کے ساتھ۔'' انہیں جواب دیتی وہ تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، انہوں نے اس پر سے نظریں ہٹا کر اپنے پیچھے کھڑی خدیجہ کو کڑی نظروں سے دیکھا۔

''تم اسے اپنے لفظوں میں سمجھاؤ گی کہ میرے سمجھانے کا انتظار کر رہی ہو۔'' ان کے الفاظ ان کی نظروں سے زیادہ سخت تھے، خدیجہ کا جھکا سر مزید جھک گیا، وہ کافی دنوں سے رونائشہ کا اپنے ساتھ بے تاثر انداز اور دوٹوک رویہ دیکھ رہے تھے، اس کا سرکش رویہ انہیں سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ وہ کس طوفان کی زد میں آنے والے ہیں اور اس طوفان پر کیسے بند باندھنے ہیں وہ اچھی طرح سے جانتے تھے۔

☆☆☆

زندگی کیسے بسر ہو گی کہ ہم کو تابش
صبر آتا ہے نہ آشفتہ سری آتی ہے!!!

''جاب کب شروع کر رہے ہو؟'' لاؤنج میں اس وقت وہ ٹی وی پر میچ دیکھ رہا تھا، سنگل صوفے پر رخسانہ بیٹھیں اپنی قمیض کی ترپائی کر رہی تھیں، جب وہ اس کے پاس بیٹھتے سرسری انداز میں بولے۔

''اگلے ماہ سے۔'' اس کا دھیان ٹی وی کی

طرف ہی تھا۔

"اگر تم آرمی جوائن کر لیتے تو زیادہ اچھا تھا۔" ایک دفعہ پھر انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا، اس نے اب تک کی تعلیم ملٹری اداروں سے ہی حاصل کی تھی، وہ ایک ٹیکنیکل انجینئر تھا اور حال ہی میں اس نے اپنی تعلیم مکمل کی تھی، وہ وقتاً فوقتاً اس سے اپنی خواہش کا اظہار کرتے رہتے تھے، جو وہ نظر انداز کر دیتا تھا۔

"مجھے آرمی میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔" اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا، لاؤنج میں داخل ہوتی زونا ئشہ ایک پل کو رکی تھی، مگر پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ آئی، جانتی تھی یہ صاف اسے ہی سنایا گیا تھا۔

"پھپھو اذلان بھائی گھر پر ہیں؟" ہاتھ میں کتاب پکڑے وہ مکمل سنجیدگی سے رخسانہ کی طرف متوجہ تھی۔

"نہیں وہ تو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی باہر گیا ہے، کیوں کام تھا تمہیں؟"

"جی کچھ ٹاپک ڈسکس کرنے تھے، جب وہ گھر آئیں تو پلیز انہیں بھیجئے گا۔" وہ ان سے کہتی وہیں سے واپس مڑنے لگی تھی، جب تیمور اس سے مخاطب ہوئے۔

"بیٹا تم اذان سے ڈسکس کر لو، اذلان پتا نہیں کب آئے۔" وہ بھرپور شفقت سے بولے تھے، اس نے ایک نظر اسے دیکھا جو اسے مکمل نظر انداز کیے ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔

"نہیں میں اذلان بھائی کا ویٹ کر لیتی ہوں، ان کے ساتھ ہی اچھے سے ڈسکس کر لوں گی۔" وہ سنجیدہ چہرہ لئے وہاں سے پلٹ گئی تھی، اذان نے سلگتی نگاہ سے اس کی پشت کو گھورا تھا، پھر سر جھٹک کر سامنے دیکھنے لگا۔

"ارے تم اتنی جلدی واپس آگئی۔" لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھتی عیشال اس کی اتنی جلدی واپسی پر حیران ہوئی۔

"ہاں وہ اذلان بھائی گھر پر نہیں ہیں۔" وہ اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"اذان سے سمجھ لیتی۔" اپنی بات کہہ کر اس نے جلدی سے زبان دانتوں تلے دبائی اور پر سکون انداز میں سامنے ٹی وی کی طرف دیکھتی زونا ئشہ کا موڈ غارت ہو گیا۔

"اپنے مفید مشورے اپنے پاس رکھا کرو۔" اسے خشمگیں نظروں سے گھورتی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھ گئی، عیشال بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

خود سے بھی ان دنوں ربط نہیں کوئی
تجھ سے تعلقات کی تجدید کیا کروں

آج کل وہ اداسی کی سخت قید میں مقید تھی، اپنے سے عزیز رشتوں کے لئے وہ حد سے زیادہ حساس تھی اور ان رشتوں میں سب سے عزیز ہستی زونا ئشہ حیدر کی تھی، جس کی آنکھوں میں ذرا سی نمی اس کے دل کو گھنٹوں بے چین رکھتی تھی، اس کی اپنی فطرت میں نہیں تھا شکایت کرنا، مگر اس کے لئے وہ ہر ایک چیز کو بدل دینا چاہتی تھی، اپنے آس پاس لوگوں کی سوچ کو بدل دینا چاہتی تھی، مگر یہ اس کے بس کا کام نہیں تھا اور جس کے قبضہ قدرت میں یہ سب تھا اس سے وہ صرف دعا ہی کر سکتی تھی، اس دن کے بعد سے اس کی اذلان سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی، کچھ وہ خود بھی اس سے کترا رہی تھی، پتا نہیں کیوں مگر جب وہ خود اداس ہوتی تھی تو سب سے پہلے نظر انداز وہ اسی کو کرتی تھی، جس کی کسی جگہ نہیں بھی کوئی غلطی نہیں ہوتی تھی۔

"کیا ہوا عیشال خیریت؟" مصروف سے

انداز میں زونائشہ کمرے میں آئی تھی، مگر عیشال کو یک ٹک باہر کی طرف دیکھتے پا کر وہ اس کے پاس کھڑکی کے قریب آ کر کھڑی ہوگئی، باہر لان میں اذلان اور روحان کوئی فائل کھولے ڈسکشن کر رہے تھے۔

"یہاں کھڑی ہو کر کیوں دیکھ رہی ہو، حق رکھتی ہو ان کے سامنے جا کر دیکھ لو انہیں۔" زونائشہ نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا، مگر وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

"کیا ہوا؟" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے وہ پریشانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں۔" گہرا سانس خارج کرتی وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی۔

"تو پھر اتنی اداس کیوں ہو، اذلان بھائی سے ناراضگی چل رہی ہے؟"

"نہیں میری اذلان سے بات نہیں ہوئی تو ناراضگی کیوں چلنے لگی۔"

"دیکھو عیشال میری وجہ سے خود کو پریشان مت کیا کرو اور نہ ہی اداس ہوا کرو۔" اس کا انداز بالکل سپاٹ تھا، عیشال نے شکایتی نگاہ اس پر ڈالی۔

"اُفوہ یار میں جانتی ہوں، تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو، میرے لئے پریشان بھی ہوتی ہو، مگر عیشال اس سب میں تم اس انسان کو بہت دکھ دیتی ہو، جسے تمہاری بہت فکر ہے، بہت محبت ہے تم سے اور سچ میں کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں اذلان بھائی مجھے کتنا برا بھلا کہتے ہونگے کہ میں نے تمہاری توجہ اکیلے سمیٹے ہوئی ہے۔"

"نہیں زونائش ہر انسان کا مقام الگ ہوتا ہے، اذلان کا مقام الگ ہے اور تمہارا الگ، جہاں تم ہو وہاں تو کوئی نہیں۔" زونائشہ ہلکا سا مسکرا دی، اسے اپنی اس بہن کی محبت پر کوئی شک نہیں تھا جو اس سے اتنی بڑی تو نہیں تھی مگر اسے بالکل چھوٹی بچی ہی سمجھتی تھی۔

"چلو اب اٹھو نا یار میرا چائے پینے کا بہت دل کر رہا ہے اور تم ہو بھی ویسے کتنی سنگدل منگیتر، یہاں کھڑی ٹکٹکی باندھ کر دیکھتی رہوگی، مگر یہ نہیں کرو گی کہ ایک کپ چائے ہی دے دو انہیں۔" اس نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"تو سالی اتنی مہربان ہو جائے نا کہ اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر پلا آئے۔" وہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولی۔

"تم جانتی تو ہو میں دوسروں کے حق پر ڈاکا نہیں ڈالتی، ورنہ اذلان بھائی نظر انداز کرنے والی چیز تو ہرگز نہیں ہیں۔" جتنی تیزی سے عیشال اس کی بات پر جارحانہ تیوروں سے واپس پلٹی تھی اس نے اس سے زیادہ تیزی سے دروازے کو بند کیا تھا۔

"تم ایک دفعہ باہر نکلو پھر تمہیں بتاتی ہوں کون نظر انداز کرنے والی چیز ہے اور کون نہیں۔" خشمگیں نظروں سے دروازے کو گھور کر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

اس کے امتحان کیا شروع ہوئے وہ ہر ایک چیز کو جیسے بھول ہی گئی تھی، پیپر دے کر آتی تو دوبارہ کمرے میں بند ہو جاتی پھر اگلی صبح ہی سب کو اس کی شکل دکھتی، اس کی ڈسٹربنس کی وجہ سے عیشال امتحانوں کے دنوں میں دوسرے کمرے میں اپنا بستر لگا لیتی تھی، وہ اتنی مگن تھی کہ اسے اردگرد کا کوئی ہوش ہی نہیں تھا گھر میں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں وہ اس سب سے بالکل بے خبر تھی، اس کے امتحانات ختم ہوئے تو ایک چونکا دینے والی خبر نے اس کے ہوش اڑا دیئے۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو پاگل تو نہیں ہو؟"

عائزہ کو گھورتی وہ آپے سے باہر ہوئی۔
"لو اب تمہیں ہی دنیا و مافیہا سے بے خبر رہنے کی عادت ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔" عائزہ بھی برا مان گئی۔
"لیکن مجھے کسی نے بتایا کیوں نہیں عیشال کی شادی طے پا گئی ہے۔" اس کے ماتھے کی تیوریوں میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔
"تمہاری ڈسٹربنس کی وجہ سے تمہارا دھیان بٹ جاتا اسی لئے۔" عیشال نے رسان سے اسے بتایا۔
"تو اب ایک ہفتہ رہ گیا تمہاری شادی کو میں کیا کروں اب۔" اس کی پریشانی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔
"ہاں تو ایک ہفتے میں تم اپنی تیاری کر لو، تمہارے ڈریسز بھی ہم ہی لے لیتے مگر محترمہ آپ کو کسی کی لائی ہوئی چیز ہرگز بھی پسند نہیں آتی، اسی لئے ہم نے تمہارے لئے کچھ نہیں لیا۔" صدف اپنے ڈریسز دوبارہ الماری میں ہینگ کرنے لگی، جو ابھی اس نے زونائشہ کو دکھانے کے لئے نکالے تھے۔
"لیکن مجھے یہ ایک ہفتے بازاروں میں گھمائے گا کون، تم لوگ تو اپنی اپنی شاپنگ پوری کر بھی چکی ہو۔" اس نے منہ بسورا، اسے حقیقت میں ان سب کی بے مروتی پر دکھ ہوا تھا، کیا تھا شادی ہی آگے کر لیتے۔
"لیکن یہ الٹی میٹم دیا کس نے، کسے آگ لگی ہوئی تھی۔" اس کی خفگی بھرپور تھی، ان تینوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"ویسے جن کا تم سمجھ رہی ہو، انہیں تو ہرگز بھی نہیں لگی ہوئی تھی، ہاں مگر ان کے چھوٹے بھائی صاحب کو کچھ زیادہ ہی جلدی محسوس ہو رہی ہے۔"
"وہ تو......" وہ دانت کچکچا کر رہ گئی، پھر نخوت سے سر جھٹکتی باہر نکل گئی ابھی اسے بس اپنی شاپنگ کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

☆☆☆

وہ ابھی کچھ دیر پہلے شاپنگ سے واپس آئی تھی، شادی میں اب بس تین دن باقی تھے، سارا گھر بقعہ نور بنا ہوا تھا، اس کی شاپنگ کی ساری ذمہ داری روحان نے اپنے ذمہ لی تھی، حالانکہ وہ خود بھی بزی تھا، مگر اسے شاپنگ پر وہی لے کر جا رہا تھا، وہ لاؤنج میں ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھی تھی، عیشال اندر کمرے میں تھی جبکہ بڑے سے لان میں کرسیوں پر براجمان تھے، جبھی عائزہ لاؤنج میں داخل ہوئی، وہ اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔
"کیا کیا شاپنگ کی آج؟"
"جب جانتی ہو میں نہیں دکھاؤں گی تو پوچھ کیوں رہی ہو۔"
"عادت سے مجبور ہوں نا یار، خیر چھوڑو یہ بتاؤ تم جانتی ہو پچھلی حویلی میں انتظامات کیوں کیے جا رہے ہیں؟" وہ آلتی پالتی مار کر تھوڑی آہستہ آواز میں بولی۔
"ظاہری بات ہے لڑکوں کی وجہ سے، اب اذلان بھائی کے دوست گھر کے اندر تو نہیں نہ آئیں گے اور نہ باقی سب کے۔"
"ہاں مگر تم جانتی ہو صرف یہی وجہ نہیں ہے؟" وہ اب اس کے تجسس کو ابھار رہی تھی۔
"جو بات کرنی ہے نا وہ سیدھے سیدھے بولو ایویں سسپنس کری ایٹ مت کرو۔" وہ بیزار ہوئی۔
"وہی تو بتا رہی ہوں ان لوگوں نے اپنے لئے علیحدہ انتظام کیا ہے۔" وہ اب تھوڑا مزید اس کے نزدیک ہوئی۔

''کیسا انتظام؟'' زونائشہ اس کے انداز پر مشکوک ہوئی۔

''ان سب لڑکوں اور ان کے دوستوں نے۔'' وہ اس کے تجسس کو ہوا دے رہی تھی، عادت سے مجبور تھی سسپنس پھیلائے بغیر رہ بھی نہیں سکتی تھی۔

''اب بک بھی چکو، اب کیا اگلے جہان جانے کا انتظار کر رہی ہو۔'' زونائشہ نے اسے کڑے تیوروں کے ساتھ گھورا۔

''تمہیں پتا ہے ان لوگوں کا ڈانسرز کو بلوانے کا پروگرام ہے۔'' وہ بالکل اس کے کان میں بولی تھی اور وہ ہکا بکا اسے دیکھ رہی تھی۔

''اور بڑوں نے انہیں روکا نہیں؟'' وہ الجھی۔

''کیا تم نہیں جانتی، یہ روک ٹوک صرف ہمارے لئے ہے، انہیں تو کھلی چھوٹ ہے اور ویسے بھی خوشی کا موقع ہے کون کس کی سنے گا۔''

زونائشہ کی نفرت میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

''عیشال کدھر ہے؟'' زونائشہ نے کمرے کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی سر جھٹکتی اس کے ساتھ ہی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

وہ لاؤنج سے باہر نکل رہی تھی، جب اپنے دھیان میں اندر آتا روحان اسے دیکھ کر بری طرح چونکا، آج تو اس کی چھب ہی نرالی تھی، غیر محسوس طور پر وہ اس کا راستہ روک گیا تھا جو اسے دیکھ کر بزل ہوئی۔

دراز پلکیں ، وشال آنکھیں
مصوری کا کمال آنکھیں
ہزاروں ہی ان سے قتل ہونگے
خدا کے بندے سنبھال آنکھیں

گمبھیر آواز میں وہ اس کی دھڑکن روک گیا تھا، خود کو سنبھالتے اس نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا مگر اس کی وارفتہ نگاہوں میں ایک پل سے زیادہ نہیں دیکھ سکی تھی۔

''مجھے جانا ہے روحان امی بلا رہی ہیں۔'' نظر جھکا کر وہ آہستہ آواز میں بولی۔

''مجھے ابھی تک کوئی آواز نہیں آئی۔'' وہ آج اسے چھوڑنے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھا۔

''میرا مطلب ہے کچھ دیر پہلے انہوں نے مجھے بلایا تھا۔''

''ہاں تو جب تک اب دوبارہ نہ بلا لیں کھڑی رہو چپ چاپ۔''

''افوہ روحان کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا پلیز آپ جانے دیں۔'' وہ جھنجھلاسی گئی اب۔

''یہی سوچے گا کہ اب ان کی بھی شادی کر دینی چاہیے جلدی۔'' وہ دل کی بات زبان پر لے آیا تھا۔

''ابھی تو سوچیئے گا بھی مت۔'' اس نے زبان چڑائی۔

''قسم لے لو اب تو۔'' اس کی تنبیہی نظروں پر وہ آدھی بات منہ میں ہی دبا گیا تھا، کچھ حیاء اور کچھ خفگی سے اس کا چہرہ سرخ انار کی طرح دہکا تھا، روحان نے بمشکل اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹائیں۔

''چلی جاؤ یار یہ نہ ہو میرا ضبط آج جواب دے جائے۔'' اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی بے چارگی تھی، مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دباتی وہ آگ کی طرح تپتے چہرے کے ساتھ اس کے پہلو سے نکلی تھی، بمشکل اپنی نگاہیں اس کی پشت پر بکھرے ریشمی آبشار سے ہٹا کر وہ اندر کی طرف بڑھا تھا۔

☆☆☆

تم جیسی آنکھوں والے جب ساحل کنارے آتے ہیں

لہریں تب شور مچاتی ہیں لو آج سمندر ڈوب گیا
زرتار دوپٹے کی چھاؤں میں عیشال سہج سہج کر قدم اٹھاتی اسٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی، اس کے ساتھ چلتی زونائشہ بھی بالکل اسی جیسے کپڑوں میں ملبوس تھی، اذلان کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھا اذان ایک پل کے لئے اسے دیکھ کر ٹھٹکا تھا، دل نے بڑی شدت سے دہائی دی تھی مگر اگلے ہی پل وہ اس کے سراپے سے نظر چراتا اسٹیج سے اتر گیا تھا، وہ بلا کا سلیف کنٹرولڈ انسان تھا، وہ اسٹیج سے کچھ فاصلے پر ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا، نگاہوں کو بڑی مشکل سے اس نے بھٹکنے سے رک رکھا تھا، ضبط تھا اور کمال کا تھا۔

رات کافی دیر میں مہندی کا فنکشن ختم ہوا تھا، اذلان لڑکوں کے ساتھ پچھلی حویلی کی طرف چلا گیا تھا، عیشال کو وہ سب اندر اس کے کمرے میں لے آئی تھیں، صدف کمرے میں اسے مہندی لگا رہی تھی، زونائشہ کچن میں چائے بنا رہی تھی، جب عائزہ کچن میں داخل ہوئی۔

''کب جانا ہے؟'' وہ ہلکی آواز میں بولتی بالکل اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔

''یہ چائے تم دے آؤ سب کو، میں سیڑھیوں کے پاس کھڑی ہوں۔'' اسے ٹرے پکڑاتی وہ اس کے ساتھ ہی کچن سے باہر نکلی، دو منٹ بعد ہی عائزہ واپس آ گئی تھی، لاؤنج کی لائٹ آف کر کے وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔

''ان دونوں کو کیا بتا کر آئی ہو؟'' زونائشہ کی آہستہ سی آواز ابھری۔

''میں نے کہا کہ ہم دونوں باہر لان میں جا رہی ہیں، ان نے کون سا باہر دیکھنا ہے، مہندی لگنے میں ابھی کافی ٹائم لگے گا۔'' جواباً اس کی آواز بھی سرگوشی سے زیادہ اونچی نہیں تھی، چھت کی لائٹ وہ پہلے ہی آف کر چکی تھی، چھت پر پہنچ کر وہ دونوں نیچے بیٹھ گئیں۔

''اگر کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟'' عائزہ کا دل ڈوبنے لگا، زونائشہ نے کوفت بھری نظروں سے اسے گھورا۔

''میں یہیں سے تمہیں نیچے پھینک دوں گی اگر اب کوئی بکواس کی۔'' وہ آہستہ آواز میں غرائی، باؤنڈری سے اس پار محفل عروج پر تھی، اس نے تھوڑا سا سر اونچا کر کے دیکھا تھا جب عائزہ نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

''کیا تکلیف ہے؟''

''کسی کی نظر پڑ گئی تو؟'' اس کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی تھی۔

''بے وقوف کہاں سے دیکھے گا کوئی، اتنا تو اندھیرا ہے یہاں، کچھ نظر نہیں آئے گا اور اگر زیادہ خوف محسوس ہو رہا ہے تو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ آہستہ آواز میں شدید غصیلی آواز میں بولی تھی، جواباً اس نے زور زور سے نفی میں گردن ہلائی، عائزہ اس کے ساتھ ہی باؤنڈری وال سے دوسری طرف دیکھ رہی تھی، جہاں ان کے دیگر کزنز شہر سے آئی ڈانسر کے ساتھ ڈانس کر رہے تھے، ان کے لباس اتنے معیوب تھے کہ بے ساختہ ہی ان دونوں کے ہونٹوں سے استغفار نکلا، جبکہ لڑکے دانت نکوسے ڈانس کرنے میں مشغول تھے۔

''کتنے بے ہودہ ہیں یہ سب لڑکے قسم سے، اللہ معاف کرے، کم از کم یہ لباس تو صحیح پہن کر آتیں، اتنے ڈیپ گلے اف۔'' عائزہ کے منہ سے بے ساختہ ہی تبصرہ نکلا، جبکہ وہ سلگتی نظروں سے اس طرف دیکھ رہی تھی، جہاں اذان کے کزن اور دوست اسے ڈانس کے لئے اٹھا رہے تھے، وہ مسلسل انہیں منع کر رہا تھا، جب ایک ڈانسر بال جھٹکتی اس کا ہاتھ پکڑ کر اب اسے

درمیان میں لے آئی تھی، اذان کی کمر کے گرد بازو لپیٹے وہ اس سے پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا کہ اس کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، اس پر پیسے گراتا اذان اس کے بازوؤں کو ہٹا کر مڑنے لگا جب اس نے اس کی قمیض پیچھے سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا، سیٹوں کی آواز ایک دم سے ہی بلند ہوئی تھی۔

''اللہ معاف کرے، اذان کو دیکھو کس طرح دانت نکال رہا ہے اور اس لڑکی کو دیکھو ذرا شرم نہیں ہے کس طرح اس کی کمر کے گرد بازوؤں کا حصار باندھے ناچ رہی ہے۔'' عائزہ پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

زونائشہ نے الجھے انداز میں سامنے دیکھا، جہاں اب اذان واپس چلا گیا تھا، اس ڈانسر کے اردگرد اب دو تین لڑکے اس کے ساتھ ڈانس کر رہے تھے، زونائشہ بے زار ہو کر واپس نیچے آ گئی تھی، عائزہ صدف سے مہندی لگوانے لگی تو وہ اٹھ کر باہر لان میں چلی آئی، حویلی میں شور اسی رفتار سے برپا تھا، میوزک اور سیٹیوں کی آوازیں اس سرد رات میں دور تک جا رہی تھیں، وہ بغیر کسی گرم کپڑے کے ننگے پیر گھاس پر چل رہی تھی، اس کے اندر آگ دہک رہی تھی، اس کا دل کر رہا تھا وہ ہر ایک چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دے۔

☆☆☆

بارات کا انتظام بھی گھر میں ہی کیا گیا تھا، شام کے وقت رخصتی ہوئی تو عیشال ایک حصے سے اٹھ کر دوسرے حصے میں آ گئی، وہ سب کزنز اندر عیشال کے پاس بیٹھیں تھیں، اذلان کے دوست اسے ڈرائننگ روم میں گھیرے بیٹھے تھے، باقی سب لڑکے باہر لاؤنج میں بیٹھے شور و غل مچائے ہوئے تھے، رخسانہ زونائشہ کو دودھ گرم کرنے کا کہہ کر خود بھی حیدر کے پورشن کی طرف بڑھ گئیں جہاں سب بڑے بیٹھے تھے، وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی، فریج سے دودھ نکال کر اس نے چولہے پر رکھا جب ہارون اس کا پھپھو زاد کچن میں داخل ہوا، اسے کچن میں دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوا تھا، دیوار سے کمر ٹکا کر وہ کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا، زونائشہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''خیریت، کچھ چاہیے تھا؟'' دوپٹہ ٹھیک کرتی وہ اس سے مخاطب ہوئی۔

''ہاں باہر سب نے چائے کے لئے شور ڈالا ہوا ہے اس لئے میں......''

''تم نے سوچا تم خود آ کر ان کی فرمائش پوری کر دو۔'' درمیان میں اس کی بات کاٹتے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی جو پرشوق نظروں سے اسے دیکھ رہا ہے، اس کی بات پر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''نہیں جناب میں ہرگز بھی اتنا مہربان نہیں ہوں۔'' اس کے ہونٹوں پر اب بھی خوبصورت سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی، کچن میں داخل ہوتا اذان ان دونوں کو دیکھ کر ٹھٹک کر رکا تھا۔

''تمہیں کچن میں کچھ چاہیے تھا؟'' وہ دیکھ زونائشہ کو رہا تھا مگر اس کا مخاطب ہارون تھا، جو اسی انداز میں پرسکون کھڑا تھا۔

''ہاں چائے کے لئے کہنے آیا تھا۔'' وہ آہستہ آہستہ چلتا زونائشہ کے سر پر آ کر کھڑا ہو گیا، اس نے ایک ناگوار نظر زونائشہ پر ڈالی، جس کے لمبے بال پشت پر کھلے ہوئے تھے، دوپٹہ گلے میں ڈالے وہ اس چیز سے بے نیاز کھڑی تھی کہ سامنے کھڑے لڑکے کی آنکھوں میں اس کے لئے کیسے کیسے جذبات امڈ رہے ہیں، اذان نے بڑی مشکل سے ہارون کی نظروں کو اس

کے چہرے کے گرد طواف باندھتے برداشت کیا تھا۔

''تم دودھ لے کر جاؤ، میں ملازمہ کو بولتا ہوں وہ چائے بنا دے گی۔'' اس کا لہجہ بلا کا سخت تھا، زونائشہ نے بڑی مشکل سے اس کا یہ انداز برداشت کیا تھا اس وقت وہ ہارون کے سامنے اس کے منہ لگ کر کوئی تماشا نہیں لگانا چاہتی تھی اسی لئے خاموشی سے دودھ گلاسوں میں ڈال کر کچن سے نکل گئی تھی، اس کے جاتے ہی اذان بھی وہاں ایک پل رکے بغیر چلا گیا تھا، ہارون کندھے اچکاتا فریج کھول کر کچھ کھانے کے لئے ڈھونڈنے لگا۔

☆☆☆

گرداب کی مانند ہے زندگی
چلوں تجھی سے پہنچوں تجھی تک

رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی، باہر اب ہر سو خاموشی پھیلی تھی، اندر وہ سرخ گلابوں کے درمیان بیڈ پر سکڑی سمٹی بیٹھی تھی، آہستہ سے اپنے پیچھے دروازہ لاک کر کے وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا، عیشال کی گردن مزید جھک گئی تھی، وہ حد درجہ نروس تھی، خاموشی طویل ہونے لگی تو عیشال نے جھجک کر دراز پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا جو محویت سے اس کے جھکے چہرے کو دیکھ رہا تھا، اس کی خمار آلود آنکھیں عیشال کی ہتھیلیوں کو پسینے میں بھگونے کے لئے کافی تھیں، اس کی نظریں اپنے چہرے سے نہ ہٹتی دیکھ کر اس نے ہتھیلی اس کی آنکھوں پر رکھ دی، اذلان کا دلکش قہقہہ کمرے میں گونجا، اس کا ہاتھ نرمی سے اپنی آنکھوں سے ہٹا کر اس نے اپنے دہکتے ہونٹ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیئے تھے، رات کا فسوں بڑھتا جا رہا تھا، کمرے کی پر حدت فضا کے برعکس باہر خون کو منجمد کر دینے والی ٹھنڈ تھی، جو ڈھلتی رات کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

آسمان پر ستاروں کی چادر تنی تھی، چاند کی مدھم مدھم روشنی نے خوابناک ماحول بنا رکھا تھا، گاؤں میں ویسے بھی شام کے بعد سکوت سا طاری ہو جاتا ہے، ہر طرف خاموشی کا سا سماں تھا، ولیمہ کی تقریب بھی گھر میں ہی منعقد کی گئی تھی، کھانے کا انتظام پچھلی حویلی میں تھا، اس وقت سب تھکن سے چور اپنے اپنے کمروں میں بند تھے، وہ لان میں پڑی کرسی پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں آسمان پر نظریں ٹکائے بیٹھی تھی۔

''میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' اپنے پیچھے کھڑے ہارون کی آواز پر اس نے چونک کر پیچھے گردن گھما کر دیکھا اور پھر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''پھپھو لوگ تو آج واپس چلے گئے ہیں نا۔'' سپاٹ انداز میں اس کی طرف دیکھتی وہ اسے ایک پل کو چونکا گئی تھی۔

''ہاں میں بھی کل چلا جاؤں گا۔'' دلچسپ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی تھی جسے وہ نظر انداز کرتی بے نیازی سے سر ہلا کر سامنے دیکھنے لگی تھی۔

''دراصل میری پوسٹنگ راولپنڈی میں ہو گئی ہے، اذان بھی کل اسلام آباد جا رہا ہے، تو میں نے سوچا اسی کے ساتھ ہی سے چلا جاؤں گا۔'' تفصیل بتاتا وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، زونائشہ کے ماتھے پر ہلکا سا بل نمودار ہوا، اسے اس لڑکے کی ان نظروں سے سخت چڑ محسوس ہوتی تھی۔

''تم کیا کر رہی ہو آج کل؟''، مسلسل وہی بولے جا رہا تھا اور مسلسل اسی ڈھٹائی پر قائم تھا۔

''میرے خیال سے اتنے بے خبر آپ ہرگز

بھی نہیں ہیں۔" جتنی بے تاثر اس کی آواز تھی اتنی ہی بے تاثر نگاہوں سے وہ سامنے کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں چہرے پر شدید تناؤ لئے اذان اسی طرف آرہا تھا۔

"ہارون تمہیں اندر بلا رہے ہیں۔" ہارون سر ہلاتا اٹھ کر چلا گیا تھا، وہ سخت نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا جو چہرے پر بے نیازی سجائے بیٹھی تھی۔

"ایسی بھی کیا اہم باتیں تھیں جو تمہیں اس کے ساتھ اکیلے میں ہی بیٹھ کر کرنی تھیں۔" اس کی آواز آہستہ مگر سخت تھی۔

"میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں، جو خود جتنا گھٹیا ہوتا ہے اس کی سوچ بھی اتنی ہی گھٹیا ہوتی ہے۔" انداز میں ہنوز بے نیازی تھی، وہ کھول اٹھا تھا اس کی بات پر۔

"اچھا بے غیرتی کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہو تم؟" سینے پر دونوں بازو باندھے وہ چبھتی نظروں سے اسے دکھ رہا تھا۔

"ویل اس کے بارے میں بھی میں وہی رائے رکھتی ہوں جو خود اعلیٰ درجے کا بے غیرت ہو اسی کو دنیا بے غیرت نظر آتی ہے۔" پورے اعتماد سے اس کے سامنے کھڑی ہوتی وہ دو بدو بولی، اذان کا دماغ پل میں گھوما تھا۔

"مجھے مجبور نہ کرو زونائشہ حیدر کہ میں تمہیں اپنی بے غیرتی کا شوفکیٹ دوں۔" جبڑے بھینچتے وہ غرایا تھا، زونائشہ کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیلی۔

"میں بہت اچھی طرح سے تمہاری بے غیرتی کے بارے میں جانتی ہوں، اذان تیمور، شوفکیٹ کیا دو گے تم، دوسروں کو غیرت دلانے والے کی غیرت تو بہت اچھی طرح سے میں پرسوں رات کو دیکھ چکی ہوں، ویسے ہجڑوں کے ساتھ ناچنے سے کیا انسان غیرت مند بن جاتا ہے، یہ تو میں جانتی ہی نہیں تھی۔" اس کے ہونٹوں پر مسلسل استہزائیہ مسکراہٹ پھیلی تھی، اذان کا چہرہ مزید تن گیا تھا۔

"ویسے اذان تیمور مردانگی کے بارے میں تم نے رائے نہیں پوچھی، جب اتنے سارے ٹوپک پر جان چکے ہو تو اس بارے میں بھی جان لیتے مگر خیر جو چیز انسان کے اندر ہو ہی نہ اس کے بارے میں کیا پوچھنا، ویسے لڑکیوں کے ساتھ ناچتے تو میں پھر بھی مان لیتی کہ تم مرد ہی ہو مگر ہجڑوں کے ساتھ ناچ کر تم نے تو خود کو مشکوک بنا دیا۔" تمسخرانہ نگاہوں سے اس کی شعلہ بار آنکھوں میں دیکھتی وہ اس سے اپنے اگلے پچھلے سارے حساب برابر کر گئی تھی، ایک جھٹکے سے مڑ کر وہ اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی، سختی سے مٹھیاں بھینچے اپنے اشتعال کو دباتا وہ شعلہ بار نظروں سے اس کی پشت کو گھور رہا تھا۔

"زونائشہ حیدر ان لفظوں پر تم سسک سسک کر مجھ سے معافی مانگو گی۔" کرسی کو ٹھوکر مارتا وہ تن فن کرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

☆☆☆

اس سے اگلے دن اذان اور ہارون اسلام آباد چلے گئے تھے، شادی کے ہنگامے سرد پڑ گئے تھے اور زندگی کے معمولات اپنی اپنی روٹین پر آتے چلے گئے، اس کے وہی معمول تھے جن میں نہ کبھی فرق آیا تھا نہ کبھی آنا تھا، ابو سے چوری چھپ کر ڈائجسٹ پڑھنا ان کے گھر سے نکلتے ہی چھت پر چکر لگانا سب بڑوں کی غیر موجودگی میں کبھی اذلان اور کبھی روحان کا کمپیوٹر استعمال کرنا، مگر اب عیشال کی وجہ سے وہ صرف اذلان کا کمپیوٹر ہی استعمال کرتی تھی، عیشال بس اسے گھور ہی سکتی تھی اسے سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا اس

نے کون سا سمجھ جانا تھا، عیشال بس سر جھٹک کر رہ جاتی تھی۔

☆☆☆

گرمیاں شروع ہو چکی تھیں، دن بھر سورج اگر تنگ بھی کرتا تو رات اپنی ٹھنڈی چاندنی کے ساتھ آ کر اس تپش کو تھوڑا بہت کم کر ہی دیتی تھی اور موسم چاہے سردی کا ہو یا گرمی کا ننگے پیر لان کا حدود اربعہ ناپنا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا اور اس میں کبھی کبھی اس کے ساتھ وہ تینوں بھی شامل ہو جاتی تھیں اور کبھی کبھی وہ اکیلے ہی چکر کاٹتے کاٹتے پر اذیت سوچوں کے دروازے وا کرتی جاتی تھی۔

''تم اتنی کرپٹ کیوں ہو زونائشہ؟'' اس کے ساتھ چلتی عائزہ آج بھی اسے لتاڑے بغیر نہ رہ سکی۔

''یہ تم ان سے پوچھو جو مجھے اس طرح کی کرپشن کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔'' سپاٹ چہرے کی طرح لہجہ بھی سپاٹ ہی تھا۔

''میں تو اس چیز پر حیران ہوتی ہوں کہ اذلان بھائی کو یہ معلوم کیوں نہیں ہوتا کہ تم ان کی غیر موجودگی کے دوران کوئی ان کا کمپیوٹر استعمال کرتا ہے۔'' صدف بھی ان دونوں کے پاس ہی آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''کیونکہ یہ محترمہ ساری ہسٹری ڈیلیٹ کیے بغیر کمپیوٹر جو بند کرنا گناہ سمجھتی ہیں۔''

''ویسے کتنی غلط بات ہے زونائشہ وہ اتنا یقین رکھتے ہیں کہ ان کی غیر موجودگی میں کوئی کمپیوٹر استعمال نہیں کرتا بلکہ ان کے نزدیک تو ہم چاروں میں سے کسی کو کمپیوٹر استعمال نہیں کرنے کا پتا بھی نہیں ہے اسی لئے تو انہوں نے پاس ورڈ بھی نہیں لگایا اور تم......'' وہ ہونٹوں میں مسکراہٹ دبائے اسے گھور رہی تھی۔

''ہاں تو نہ مجبور کریں مجھے یہ سب کرنے پر صحیح طریقے سے مجھے اجازت دے دیں وہ سب کام کرنے کی، جو میں کرنا چاہتی ہوں ورنہ میں تو یہی طریقے استعمال کرتی رہوں گی۔'' کندھے اچکاتی وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

''ماموں کو یا پھر اذلان بھائی کو معلوم ہو گیا تو وہ کیا سوچیں گے؟'' صدف فطرتاً بزدل واقعہ ہوئی تھی، یا پھر اس میں وہ سرکشی ضد اور بغاوت نہیں تھی جو زونائشہ میں بااتم موجود تھیں، اس یہی فکر لاحق رہتی تھی کہ اس سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو جائے جو اس کے باپ بھائیوں کی نظروں میں اس کا مقام گرا کے رکھ دے۔

''مجھے اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی میرے بارے میں کیا سوچے گا اور کیا نہیں، یہ لوگ صرف ایک بات ہی سوچ سکتے ہیں کہ کیسے اپنے گھر کی عورتوں کو گھٹ گھٹ کر مارا جائے اس کے سوا کچھ نہیں۔'' اس کے انداز میں نفرت کے سوا بغاوت بھی تھی جسے صاف محسوس کیا جا سکتا تھا، صدف کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

''لیکن زونائشہ تمہیں نہیں لگتا تم امانت میں خیانت کر رہی ہو، میرا مطلب ہے اس طرح ان کی مرضی کے بغیر یہ چیزیں استعمال کرنا ان کو دھوکا دینے کے ہی مترادف ہے۔'' عائزہ بڑے مدلل انداز میں مخاطب ہوئی۔

''دیکھو عائزہ ان لوگوں کی سوچ سے پرے نظر، میرے ان سب کے خلاف ہونے کے باوجود بھی میری اپنی بھی کچھ متعین کردہ حدود ہیں، بھلے میں ان کے قائم کردہ اصولوں پر عمل نہ کروں ان کی باتیں نہ مانوں، مگر جو حدود میری اپنی قائم کردہ ہیں میں ان کے کبھی خلاف نہیں جاتی، میں جانتی ہوں، جو میں کرتی ہوں وہ غلط ہے لیکن جو یہ کرتے ہیں کیا وہ ٹھیک ہے تم لوگوں

میں ہے اتنا صبر کے ان کی ہر بات بغیر کوئی بات منہ سے نکالے مان لو میں نہیں مان سکتی، میں کسی کے حقوق سے انکار نہیں کرتی مگر پہلے مجھے تو حق دیں جینے کا، ہمارے ساتھ تو وہی سلوک کیا جاتا ہے جو اسلام سے قبل بیٹیوں کے ساتھ کیا جاتا تھا، بس فرق صرف یہ ہے کہ وہ پیدا ہوتے ہی زندہ در گور کر دیتے تھے اور یہ زندہ رکھ کر زندہ دفن کرتے ہیں، تم خود بتاؤ ڈائجسٹ پڑھ کر میں کیا خراب ہو جاؤں گی یا ان کی عزتوں کو نیلام کر دوں گی یا کمپیوٹر، موبائل فون استعمال کر کے یا پھر کسی کالج میں پڑھ کر میں گھر سے بھاگ جاؤں گی جو مجھے جو مقام دے گا میں بھی اسے وہی مقام دوں گی، وہ چاہے میرا باپ ہی کیوں نہ ہو، یہ میری فطرت کا حصہ ہے اور میں فطرت نہیں بدل سکتی۔" اس کا ایک ایک لفظ تلخی سے پر تھا، نخوت سے سر جھٹکتی وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی، وہ دونوں ایک دوسرے کو بس دیکھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

ہجر کی رات کاٹنے والے
کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی

دن اسی بے کیفی سے گزرتے جا رہے تھے، لمبے لمبے دن اور چھوٹی چھوٹی راتیں جو آنکھوں میں راتیں کاٹنے والوں کو چھوٹی تو ہر گز نہ لگتی ہوں گی، ان گزرے دنوں میں اذان دو چار بار ہی گھر آیا تھا، مگر زونائشہ بھول کر بھی نہ اس کے سامنے کبھی آئی اور نہ آنے کی چاہ کی، اذلان اور عیشال دونوں بہت خوش تھے اور خوش ہونا ہی تھا جہاں عزت اور محبت ہو وہاں دکھ کم ہی ہوتے ہیں، پھر اچانک صدف اور روحان کی شادی کا شور ایک دم سے ہی بلند ہوا تھا، مگر پھر پتا نہیں کیوں یکدم تم گیا روحان کے ساتھ ساتھ باقی سب چھوٹوں کے موڈ بھی خراب ہو کر رہ گئے تھے، اللہ اللہ کر کے تو اب کہیں جا کر اس کی دعائیں قبول ہونے لگی تھیں اور اب پھر...... اف...... وہ جلا بھنا ہر کسی کو کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا، مگر کوئی تھا کہ اس کی پرواہ ہی نہیں کرتا تھا۔

☆☆☆

ان ہی بے رونق اور پرتپش دنوں میں زونائشہ کا اداس اداس چہرہ کھل اٹھا تھا، جب اس نے امتیازی نمبروں سے بی اے پاس کیا تھا، مارکس شیٹ ہاتھوں میں آتے ہی اس کی سب سے پہلی نگاہ اکنامکس کے نمبرز پر ہی پڑی تھی، 180 مارکس اس کی چیخ نکل گئی تھی باقی مضامین کے مارکس بھی اچھے تھے مگر اکنامکس تو اس کا موسٹ فیورٹ سبجیکٹ تھا اور وہ اسی میں ماسٹرز بھی کرنا چاہتی تھی۔

ان تینوں کی فیورٹ چیزیں منگوا کر انہیں ٹریٹ دی تھی، اس کی اس خوشی میں سب سے زیادہ خوش اس کی ماں اور بہن ہی تھیں، خدیجہ نے بامشکل اس کے خوشی سے چمکتے چہرے سے نظریں ہٹائی تھیں آج کتنے عرصے بعد وہ دل سے مسکرائی تھی دل سے خوش ہوئی تھی، آنکھوں میں آئی ڈھیروں نمی کو خشک کرتیں وہ دل ہی دل میں اس کے لئے دعا گو تھیں۔

☆☆☆

آج پوچھے نہ کوئی صبر کے معانی ہم سے
آج ہم آخری منزل پر کھڑے ہیں صاحب

"نہیں اب مزید میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا، جتنا پڑھنا تھا پڑھ چکی وہ، تم اب مزید اس سلسلے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرنا۔" وہ ہمیشہ کی طرح سخت اور بارعب آواز میں بولے۔

"دیکھئے گھر میں رہ کر ہی پڑھے گی وہ، ایک بے ضرر سی خواہش ہے پوری کر لینے دیں

اسے۔" دبی دبی آواز میں وہ سر جھکا کر بولیں، حیدر نے ایک سخت نظر ان پر ڈالی۔
"بے ضرر...... اونہہ۔" انہوں نے سر جھٹکا۔
"یہ بے ضرر سی خواہش ایک دن تمہیں خون کے آنسو رلائے گی، کون سی ایسی ڈگری ہاتھ لگ گئی ہے اس کے، کون سا تیر مار لیا اس نے، یہ تعلیم بھی اس نے گھر بیٹھ کر حاصل کی ہے، مگر تیور دیکھ رہی ہو تم اس کے، سرکشی اس کی آنکھوں میں دکھتی ہے، میں تم سے کہہ رہا ہوں تم سر چڑھا رہی ہو اسے، پانی سر سے اونچا ہو گیا تو سر پکڑ کر رو ؤ گی تم۔" وہ دھاڑتے ہوئے بیڈ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے، سر جھکائے وہ ڈوبتے دل کے ساتھ بیٹھیں تھیں۔
"کب میں آپ کی عزت نیلام کر کے آئی ہوں، کب میں نے سرکشی دکھائی آپ کو، جو آپ مجھے سرکشی کا طعنہ دے رہے ہیں، آپ کو ہر بات پر اعتراض کیوں ہوتا ہے؟ کیوں آپ کسی کو جیتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے؟" ضبط کی انتہا ہوئی تھی جب وہ ان کے کمرے میں آ کر پھٹ پڑی تھی، سالوں کا پکتا ابال آج نکلا تھا، سرخ آنکھوں سے وہ ایک بار خدیجہ کو گھورتے ہوئے اس کی طرف بڑھے تھے، خدیجہ ان کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر کانپ اٹھیں تھیں۔
"کیا کہا تم نے؟ تمہاری اتنی ہمت کے تم اس انداز میں مجھ سے بات کرو۔" اشتعال دبائے وہ دھاڑے تھے، وہ اسی طرح ان کے سامنے تن کر کھڑے تھے۔
"آپ نے خود مجبور کیا ہے، مجھے اس انداز میں بات کرنے پر۔" آہستہ آواز مگر انتہا کی سرد تھی۔
"چپ کرو تم بدتمیز، اسی دن کے لئے تو نہیں پیدا کیا تھا تمہیں میں نے۔" اسے ان کے سامنے سے ہٹاتیں وہ اسے کمرے سے باہر لے آئی تھیں۔
"تو نہ کرتیں پیدا، پیدا کر کے کون سے سکھ مجھے دے دیئے ہیں۔" زہر خند لہجہ میں بولتی وہ انہیں ہکا بکا چھوڑ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی، منہ کھلے وہ بند دروازے کو دیکھ رہی تھیں۔
"دیکھ لیا تم نے، اسی لئے اس کی وکالت کر رہی تھی، اتنی گستاخ اولاد زمین میں گاڑھ دوں گا میں اسے، کرتا ہوں میں اس کا انتظام۔" مٹھیاں بھینچے وہ لاؤنج سے باہر نکل گئے، آنکھوں میں ڈھیروں آنسو لئے وہ صوفے پر ڈھے گئیں تھیں۔

☆☆☆

"اب تم بتاؤ عیشال میں کیا کروں؟" رخسانہ اس سے بات شیئر کر کے اب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں، سب کچھ ان کے اختیار میں تھا، مگر وہ زبردستی نہیں کرنا چاہتی تھی، یہ ان کا دیا گیا تاثر تھا۔
"میں کیا کہہ سکتی ہوں پھپھو، جو آپ لوگ بہتر سمجھیں۔" ہاتھ مسلتی وہ بے چین سی بیٹھی تھی، جانتی تھی وہ سراسر فارمیلٹی نبھا رہی ہیں۔
"تم اسے بہتر جانتی ہو، عیشال اس لئے میں نے سوچا کہ تم سے پہلے بات کر لوں، یہ نہ ہو کہیں میں اس کی مرضی کے خلاف کچھ کر بیٹھوں۔"
"میرا نہیں خیال پھپھو کہ اسے کوئی اختلاف ہو گا اور اگر ہو گا بھی تو کون سا مان لیا جائے گا۔" آخری بات وہ بس سوچ ہی سکی تھی، رخسانہ سر ہلاتیں اٹھ کر چلی گئیں، گہرا سانس خارج کرتی وہ بھی اٹھ کر لان میں نکل آئی، پتا نہیں کیوں اس کا سانس گھٹنے لگا تھا، رخسانہ کی ہاں میں ہاں ملاتی وہ باخوبی جانتی تھیں کہ خود ان کے اختیار میں کچھ

نہیں تھا، اختیار میں سب باتیں مردوں کے تھیں، تیمور تو یہ بات آگے چلا بھی چکے ہوں گے، رخسانہ تو بس فارمیلٹی نبھا رہی تھیں اور اس بات کا حکم دینے والے نے بھلا کہاں کسی انکار کی گنجائش چھوڑی تھی۔

''آپ انہیں بتا دیں امی، میں ہرگز ان کا یہ فیصلہ نہیں مانوں گی، میں کوئی بھیڑ بکری نہیں ہوں جس پر وہ اپنا یہ جابرانہ فیصلہ تھوپ دیں گے، جیتی جاگتی انسان ہوں۔'' وہ لاؤنج میں داخل ہوئے تو اس کی چیختی آواز ان کے کانوں میں پڑی، وہ ضبط سے مٹھیاں بھینچے اس کے کمرے کی طرف بڑھے، انہیں اندر آتے دیکھ کر خدیجہ ساکت سی بیٹھی رہ گئیں، ان نے تو بڑی کوشش کی تھی کہ ان کی غیر موجودگی میں ہی وہ اس سے یہ بات کرلیں مگر۔

''تم جیتی جاگتی انسان کو میں زندہ ہی زمین میں گاڑھ دوں گا۔'' بھینچی آواز میں وہ دھاڑے تھے۔

''گاڑھ تو چکے ہیں، اب مزید کیا گاڑھیں گے، اب کہاں گیا آپ کا اسلام، صرف آپ کو پانچ ٹائم ماتھا ٹیکنے کا حکم ہی دیتا ہے اسلام، یہ نہیں بتایا اس نے آپ کو کہ انصاف کیا ہے اور کیسے دیا جاتا ہے کسی کو، یا صرف اپنا مطلب پورا کرنے کے لئے ہی آپ کو یاد آتا ہے، اسلام۔'' ان کے سامنے چیختی وہ ان کے اشتعال کو بڑھا گئی تھی۔

''گستاخ۔'' ان کا ہاتھ پوری قوت سے اس کے گال پر پڑا تھا اور اسے زمین پر پٹخ گیا، خدیجہ دم سادھے ان کے اشتعال بھرے چہرے کو دیکھ رہی تھیں اور دروازے پر کھڑی عیشال تڑپ کر اس کی طرف بڑھی تھی، جو فرش پر اوندھی پڑی تھی۔

''بتا دو اسے، مرنا چاہتی ہے تو کل کی مرتی آج مرے، مگر میرا فیصلہ اٹل ہے، وہ تبدیل نہیں ہوگا اور اگر اب اس نے کوئی ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تو اس کی قبر کھود کر زندہ گاڑھ دوں گا اسے میں، میرے لئے یہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور تم نے دیکھ لیا کہ ابھی مزید اپنی وکالت کرنے کا صلہ دیکھنا چاہتی ہو۔'' عیشال پر سے نظر ہٹا کر وہ بیوی پر برسے تھے جو ساکن سی بیٹھی تھیں، ایک نفرت بھری نظر وہ اس پر اچھالتے لمبے لمبے ڈگ بھرتے گھر سے ہی باہر نکل گئے۔

☆☆☆

''زونائشہ دروازہ کھولو، میری بات تو سنو۔'' ان کے باہر نکلتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر اسٹور روم میں بند ہوگئی تھی، خدیجہ کا رو رو کر برا حال تھا، عیشال دروازہ کھٹکا کھٹکا کر تھک گئی تھی، مگر وہ تھی کہ دروازہ نہ کھولنے کی قسم کھائے بیٹھی تھی، شام سے رات ہوگئی تھی، نہ تو حیدر گھر واپس آئے تھے اور نہ وہ باہر نکلنے کو تیار تھی۔

''زونائشہ پلیز۔'' ایک دفعہ پھر اس کی آواز بھیگنے لگی تھی، اس دفعہ پتا نہیں اسے اس محبت کی ماری لڑکی پر ترس آ گیا تھا کہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی، اس کا سوجا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ دل تھام کر رہ گئی، آنسو گال بھگوتے چلے گئے اور وہ منہ پر ہاتھ رکھے اس بے حس کو دیکھ رہی تھی جو بے تاثر چہرے کے ساتھ کھڑی تھی، اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسے اس کے کمرے میں لے آئی تھی، دروازہ لاک کر کے وہ اسے بیڈ پر بیٹھا کر گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''کیوں اپنے ساتھ ظلم کر رہی ہو زونائش، جب جانتی ہو اس سب کا کوئی فائدہ نہیں تو کیوں...... انہیں موقع دے رہی ہو کہ وہ تمہارا حلیہ بگاڑ دیں۔'' اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے وہ سسک اٹھی تھی۔

''تو کیا کروں ان کی قید سے نکل کر اس کے عقوبت خانے میں بند ہو جاؤں، مجھے نفرت ہے اس انسان سے عیشال نفرت۔'' عیشال پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی جس کی صرف آواز میں ہی نہیں آنکھوں میں بھی صرف نفرت ہی تھی۔

''اذان بہت اچھا ہے زونائش، اس نے خود تمہارا نام لیا ہے، خود اس رشتے کے لئے بولا ہے، اس نے خود تمہاری چاہت کی ہے، وہ تمہیں چاہتا ہے تو تبھی نا۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دے رہی تھی، زونائشہ کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیلی۔

''تم فکر نہ کرو عیشال حیدر اب اگر کوئی میرے لئے چاہت نہیں رکھے گا تو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' اس کی آواز اتنی سرد تھی عیشال کا دل تک کانپ اٹھا۔

''تم جاؤ تیاری کرو، جا کر اپنے دیور کی شادی کی، آخر خوشی کا موقع ہے۔'' زہر خند انداز میں بولتی وہ اس کے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے ہٹا کر باتھ روم میں بند ہو گئی، عیشال خالی خالی نظروں سے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

چاندنی میں بھیگی رات آہستہ آہستہ سرکتی جا رہی تھی، وہ کھڑکی میں کھڑی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوئے تھی، آج پہلی دفعہ اس کے باپ نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا، مگر آنسو اتنے برف ہو چکے تھے کہ اب بھی پگھلنے کو تیار نہیں تھے، گال پر ہاتھ رکھے وہ طنزیہ انداز میں خود پر ہی مسکرائی تھی، آج دوسری دفعہ اسے اس کی اوقات بتائی گئی تھی۔

چار سال پہلے اذان تیمور نے بھی اسی طرح اسے اس کی اوقات بتائی تھی ہاں اس نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا، مگر لفظوں کے مارے طمانچے اتنے سخت تھے کہ یہ تکلیف بہت کم تھی اس کے سامنے۔

☆☆☆

اذان تیمور، انتہا کا مغرور اور خود سر انسان، وہ چھوٹی عمر سے ہی ہاسٹل شفٹ ہو گیا، شروع شروع میں بڑی شدت سے چھٹیوں کا انتظار کرتا تھا کہ وہ گھر جا سکے، مگر آہستہ آہستہ وہ گھر سے دور ہوتا چلا گیا، چھٹیوں میں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ پروگرام بناتا اور گھومنے کے لئے چلا جاتا، یہ سوچے بغیر کہ گھر میں بیٹھی اس کی ماں دن گن گن کر اس کی واپسی کا انتظار کرتی ہے۔

وہ گرمیوں کے سلگتے اور تپتے بڑے بڑے دن تھے، جب اذان تیمور اپنی بھرپور وجاہت کے ساتھ چھٹیوں میں گھر آیا تھا، نیلی جینز کالی ٹی شرٹ گرمی کی حدت سے سرخ پڑتا چہرہ کالے ریشمی بال سفید ماتھے پر چپکے تھے کندھے پر لٹکا بیگ، وہ ان بے کیف دنوں میں بہار کا جھونکا ثابت ہوا تھا، زونائشہ ان دنوں میٹرک کے امتحانات دے کر فارغ تھی، ان لمبے لمبے دنوں میں اس کا ایک ہی شوق تھا، سارا دن جی بھر کر ناولز پڑھنا، راتوں کو خوبصورت خوبصورت خواب بننا اور ان خوابوں میں کب اذان تیمور کی بادشاہت چھا گئی اسے پتا ہی نہ چلا اور جب پتا چلا تو دھک سے رہ گئی، مگر خیر پھر کیا ہوا، کہانیوں میں بھی تو زیادہ تر کزنز کی شادیاں ہوتی ہیں، کتنی اچھی لو اسٹوریز ہوتی ہیں ان کیں، وہ دلکشی سے مسکرا کر اپنی سوچ کو خود ہی انجوائے کرتی، مگر ان خوابوں میں رہنا اسے اس وقت مہنگا پڑا جب وہ بڑی بہادری سے اذان تیمور کو اپنے جذبات سے آگاہ کرنے گئی تھی، دل میں بات رکھنے کی قائل تو وہ کبھی بھی نہ رہی تھی۔

وہ ایک تپتی دوپہر کی میٹھی رات تھی، چاندنی

کی نرم نرم چھاؤں مسحور کن تھی، اذان لان میں کرسی پر بیٹھا فون پر بات کر رہا تھا، رات کافی گزر چکی تھی، وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے سامنے رکھی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی، بظاہر پرسکون، مگر دھڑکن اتنی تیز تھی کہ اسے کانوں میں آواز محسوس ہو رہی تھی، ایک نظر اسے دیکھ کر اذان نے اختتامی فقرے بولے اور سیل پاکٹ میں ڈال لیا۔

''خیریت۔'' وہ بڑی گہری نظر سے اسے دیکھ رہا تھا، زونائشہ سے اس کی بات چیت ایک کزن کے لحاظ سے بڑی سرسری سی ہی رہی تھی اور وہ خود اس طرح لیا دیا انداز اپنائے رکھتا تھا کہ کم ہی کوئی اس کے ساتھ فرینکلی بات کر سکتا تھا۔

''ہاں مجھے تم سے کچھ بات کرنا تھی۔'' ہاتھوں کو مسلتی، نظریں جھکائے وہ انتہا کی نروس لگ رہی تھی، یہاں تک آ کر اب اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا بولے، کیسے بتائے وہ، جو کچھ بتانے آئی ہے، ساری خود اعتمادی ہوا ہو گئی تھی۔

''تو کرو۔'' وہ کرسی پر ایزی بیٹھا، گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، وہ نہ تو کم عقل تھا اور نہ ہی بے وقوف، جو یہ نہ سمجھ پاتا کہ رات کے اس پہر یہ پر اعتماد لڑکی، جو منہ پر ہی ٹکا تو ڑ جواب دے کر اگلے کا منہ بند کروا دیتی تھی وہ اب اتنی نروس کیوں بیٹھی ہے، اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے کیوں نمودار ہو رہے ہیں اور وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا کیوں بھول گئی ہے۔

''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اذان تیمور میں تم سے محبت کرنے لگیں ہوں تو۔'' اپنی تمام تر ہمت کو گھسیٹ گھساٹ کر بڑی مشکل سے اس نے اپنی بات مکمل کی اور گہرا سانس خارج کر کے اس کی طرف دیکھا جو تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تو زونائشہ حیدر، میں یہی کہوں گا کہ تم بھی ان تھرڈ کلاس لڑکیوں کی طرح ہی نکلی، جن سے اپنے یہ دو ٹکے کے جذبات سنبھالے نہیں جاتے۔'' تمسخرانہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے وہ تفاخر سے کھڑا، اسے اس کی اوقات بتا رہا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی تم لڑکیوں میں عزت نفس ہوتی بھی ہے یا نہیں، چلو عزت نفس کو چھوڑو، کیا غیرت کا بھی فقدان ہوتا ہے تم لڑکیوں میں۔'' چبھتی نظروں سے وہ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، آنسو لڑیوں کی صورت اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے، اتنی سنگدلی، اذان تیمور اتنا بے رحم۔

''سنبھال کر رکھو ان آنسوؤں کو، تمہیں اپنا تماشہ لگانے کی چاہ ہو گی، میں ایسا کوئی نرالا شوق نہیں رکھتا۔'' سلگتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ نخوت سے سر جھٹکتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا، اس رات گھر کے سب سے زیادہ تاریک کونے میں بیٹھی وہ جی بھر کر روئی تھی اور یہ رونا صرف اس رات کا تھا اگلی صبح وہ ایک نئی زونائشہ حیدر تھی، تلخ، سنجیدہ اور بیزار، آہستہ آہستہ اس کے انداز میں تلخی اور بیزاری کا اضافہ ہی ہوا تھا، اس رات جو ہوا وہ زونائشہ اور اذان کے درمیان میں ہی رہا، یہ اذان کا اس پر احسان تھا جو اس نے اس چیز کا حوالہ کسی کے سامنے نہیں دیا تھا، چھٹیاں گزار کر وہ واپس چلا گیا تھا، اس کے چہرے پر اپنے سنگدلانہ لفظوں کے طمانچے مار کر وہ زونائشہ حیدر کے اندر زہر ہی زہر بھر گیا تھا، اس کی محبت کو مار کر وہ اس کے اندر باہر نفرت پھیلا گیا تھا۔

☆☆☆

اس رات زونائشہ حیدر یہ بھول گئی تھی کہ وہ کس کے سامنے حال دل سنانے جا رہی ہے، اذان تیمور سدا کا بے حس انسان، مگر آج وہ یہ بات اچھی طرح سے جانتی تھی کہ اسے کس کی زندگی میں شامل کیا جا رہا ہے اور نہ چاہتے ہوئے آج بھی اس کا فیصلہ ماننے پر مجبور تھی، ان دونوں کی شادی کے ساتھ روحان اور صدف کی شادی بھی طے پا گئی تھی، شادی سے محض تین دن پہلے اذان اسلام آباد سے واپس آیا تھا، سب بے انتہا خوش تھے سوائے زونائشہ کے، اس دن کے بعد سے حیدر نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا اور وہ خود بھی ان کی موجودگی سے خائف ہی رہتی تھی، شادی کی شاپنگ میں اس نے کوئی دلچسپی نہیں دکھائی تھی، سب کچھ عیشال نے اپنی پسند کا ہی خریدا تھا، وہ نہ صرف حیدر بلکہ ہر کسی سے ہی کترا رہی تھی، بس ضرورتاً ہی کسی سے بات کرتی زیادہ تر تو اپنے کمرے میں ہی بند رہتی تھی، کتنی ہی بار خدیجہ نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر جواب میں اس کا انداز اتنا سرد ہوتا تھا کہ وہ دل مسوس کر رہ جاتیں، اس سب میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا مگر اس سب میں سب سے زیادہ سزا انہیں ہی دی جا رہی تھی۔

☆☆☆

بھیگی ہوئی اک شام کی دہلیز پر بیٹھے
ہم دل کے سلگنے کا سبب سوچ رہے ہیں

''نہیں لگانی ہے مجھے مہندی عائزہ، تم پلیز جاؤ یہاں سے۔'' اس کی چیختی آواز پر جہاں کمرے میں داخل ہوتی عیشال کی پیشانی شکن آلود ہوئی تھی وہی عائزہ بھی آنکھوں میں حیرانگی سموئے اس کا یہ بے گانہ انداز دیکھ رہی تھی۔

''عائزہ تم صدف کو لگاؤ جا کر مہندی، ابھی زونائشہ تھکی ہوئی ہے نا اس لئے۔'' عائزہ کو بھیج کر وہ خشمگیں نگاہوں سے گھورتی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے، زونائشہ، اس طرح کیوں بات کر رہی ہو تم اس سے اور مہندی نہ لگوانے کی بھلا کیا تک ہوئی، کل شادی ہے تمہاری سب دلہنیں مہندی لگواتیں ہیں۔'' اس کا انداز قدرے سخت تھا، مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

''میں ان دلہنوں میں سے نہیں ہوں، سمجھ آئی تمہیں میری بات اور اب پلیز تم بھی جاؤ یہاں سے، اس گھر میں حکم چلانے کو ایک صرف میں ہی ملتی ہوں سب کو۔'' پیشانی پر بل لئے لہجہ کوفت زدہ تھا، عیشال چپ چاپ وہاں سے اٹھ گئی وہ جانتی تھی اس وقت وہ کتنی ڈسٹرب ہو گی، سب کچھ اس کی مرضی کے خلاف تھا اور ایک انسان جو کبھی کسی کی مرضی پر چلنا پسند ہی نہ کرتا ہو اس کے لئے یہ سب کتنا تکلیف دہ ہو گا، وہ جان سکتی تھی، دروازہ لاک کر کے، لائٹ آف کر کے وہ کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی، لان میں سب کزنز بیٹھے اودھم مچائے ہوئے تھے، سب کتنے خوش تھے ہنستے مسکراتے، قہقہے لگاتے، حالانکہ وہ بھی جو چار سال پہلے اسے بڑی بری طرح سے ذلیل کر چکا تھا۔

آج شام کو ہی ان کا نکاح ہوا تھا اور اب کچھ دیر پہلے مہندی کا فنکشن ختم ہوا تھا، اس کے اندر بلا کا سکوت پھیلا تھا، نہ اس انسان کے ملنے کی خوشی، جو اس کے دل میں بسنے والا پہلا شخص تھا اس کی آنکھوں میں بسنے والا پہلا خواب اور نہ ہی کوئی دکھ تھا جس نے تذلیل کی تھی اسی کی زندگی میں اب وہ شامل ہو گئی تھی، کہیں بھی دل میں کوئی جذبہ نہیں تھا حالانکہ اسے سامنے بیٹھے دیکھ کر بھی نہیں، جس کے ہونٹوں پر کسی چھیڑ خانی پر بڑی محظوظ کن مسکراہٹ پھیلی تھی، گہری سانس خارج

کرتی وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی تھی۔
اس سے اگلے دن بھی اس کے جذبات اس کے چہرے کی طرح سپاٹ ہی رہے، حتی کہ رخصتی کے وقت فطری طور پر خدیجہ کی آنکھوں میں آنے والے آنسو بھی اس کے دل کو نہ پسیج سکے، اس کے برعکس صدف خوش بھی تھی اور رنجیدہ بھی، روحان کی وارفتہ نظریں جہاں اسے بوکھلائے دے رہی تھیں وہیں دل میں تفاخر بھی پیدا کر رہی تھیں، مووی اور فوٹو گرافر کے بعد جب عیشال اسے کمرے میں لے کر آئی تو وہ حد درجہ بے زار ہو چکی تھی، اس چیز کا اندازہ عیشال باخوبی اس کے چہرے سے لگا سکتی تھی، اسی لئے اس وقت اسے کوئی بھی نصیحت کرنے کی بجائے وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

''تم ریسٹ کرو میں اذان کو بھیجتی ہوں۔''
وہ اسے بیڈ پر بیٹھا کر خود چلی گئی، تو اس نے ایک کوفت بھری نظر سجے سنورے کمرے پر ڈالی اور سر جھٹک کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی، اذان جب کمرے میں داخل ہوا تو وہ یکسر اس کے وجود سے خالی تھا، البتہ وہ بڑے سکون سے سادہ سے حلیے میں باتھ روم کے دروازے سے برآمد ہوئی تھی، اذان نے ایک گہری سانس خارج کی اور اسے یکسر نظر انداز کر کے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا، اسے یہ توقع تو ہرگز بھی نہیں تھی کہ وہ سجے سنورے روپ میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی ہوگی مگر پھر بھی دل میں کہیں یہ چاہ ضرور تھی جو بڑی بے دردی سے کچلی گئی تھی، وہ کپڑے چینج کر کے باہر آیا تو تکیہ لئے وہ صوفے کی طرف بڑھ رہی تھی، جب اس نے جھٹکے سے اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' ماتھے پر تیوری سجائے وہ ناگوار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اچھا یہ بدتمیزی ہے، تو زونائشہ بی بی اس بدتمیزی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''
اس کا اشارہ اس کے سادہ حلیے پر تھا۔
''اذان تیمور میں یہاں تمہاری سیج سجانے نہیں آئی۔'' وہ تڑخی تھی اذان کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

''تو زونائشہ بی بی میں یہاں آپ کو کیٹ واک کروانے کے لئے تو ہرگز بھی نہیں لایا، سمجھتی تو تم ہوگی کہ شادی کیوں کی جاتی ہے۔'' سرد نظریں اس کی آنکھوں میں گاڑھے وہ اسے منجمند کر گیا تھا، یہ پہلی بار تھا جب زونائشہ کا دل کانپا تھا۔

''تم میری اجازت کے بغیر......'' اس کی آواز میں واضح لرزش محسوس ہو رہی تھی۔
''تم نے بقائمی ہوش و حواس مجھے یہ اجازت دی ہے بھول گئی کل سب کے سامنے ہی تو تم نے اپنے سارے حقوق میرے نام کیے ہیں، پھر آج میں کون سی اجازت لوں تم سے اور ویسے بھی میری مردانگی کا ثبوت تو تمہیں چاہیے ہی ہوگا نا۔'' ہونٹوں پر مسکراہٹ مگر چہرے پر پتھریلے تاثرات سجائے وہ اسے ساکت کر گیا تھا، یہ طلب تھی یا انتقام وہ سمجھ نہیں پائی اور سمجھنے کا موقع اس نے دیا کب تھا۔

☆☆☆

درد کے چاند کو راتوں کا ستم سہنے دو
وقت کی آنکھ سے کچھ اور لہو بہنے دو
اب میرے طرز تخاطب سے پریشان کیوں ہو
میں نہ کہتا تھا یارو مجھے چپ ہی رہنے دو

ولیمے والے دن صدف کی چھب ہی نرالی تھی، پچھلی رات کا خمار اس کی آنکھوں سے چھلک رہا تھا، روحان کی سرگوشیاں، نگاہیں اس کے حسن کو بڑھاوا دے رہی تھیں، مسکراہٹ جیسے صدف

کے ہونٹوں سے چپک کر رہ گئی تھی، ایسے میں زونائشہ کی حد سے بڑھی ہوئی سنجیدگی ٹھٹکنے پر مجبور کرنے کو کافی تھی، حالانکہ وہ اس انداز میں بھی قیامت ڈھا رہی تھی، اس کے برابر بیٹھا اذان کسی کو بھی ہپناٹائز کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا، اس کے ہونٹوں پر پھیلی دلکش سی مسکراہٹ مسمرائز کرنے کو کافی تھی، کزنز کی چھیڑ چھاڑ دوستوں کی جملے بازی پر وہ فقط مسکرائے جا رہا تھا اور ان سب میں ایک صرف زونائشہ ہی تھی جسے وہ اس وقت حد سے زیادہ زہر لگ رہا تھا، واپسی پر وہ بے زار سی گاڑی سے نکل کر اندر کی طرف بڑھی تھی، جب خدیجہ اسے ٹوکے بغیر نہ رہ سکیں۔

''رسم کے مطابق آج تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے زونائشہ۔''

''جتنا ڈرامہ ہو چکا ہے، اتنا کافی ہے، اس سے زیادہ کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی مجھ سے توقع رکھیے گا۔'' بغیر مڑے وہ سرد انداز میں بولی اور پھر اندر کی طرف بڑھ گئی، خدیجہ کے ساتھ ساتھ رخسانہ بھی حق دق اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں جبکہ ان کے پیچھے کھڑا اذان مٹھیاں بھینچے ضبط کی انتہا پر کھڑا تھا۔

☆☆☆

رسم کے مطابق آج صدف عیشال کے ساتھ ہی اپنے پورشن میں آ گئی تھی اور روحان بھلا کہاں یہ دوری برداشت کر سکتا تھا اسی لئے وہ بھی اس کے ساتھ ہی تھا، رات کافی دیر تک ان سب کی محفل سجی رہی تھی، ماسوائے زونائشہ کے، سب نے اس کی غیر موجودگی کو محسوس کیا تھا، مگر عیشال نے اس کی تھکن کا بہانہ بنا کر ان کا دھیان اس پر سے ہٹا دیا تھا، وہ جب کمرے میں آیا تو وہ آنکھوں پر بازو رکھے بستر پر چت لیٹی تھی۔

''تمہیں اپنی امی سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔'' وہ جانتا تھا وہ جاگ رہی تھی، اسی لئے اسے اس کی بدتمیزی یاد کروانا نہیں بھولا تھا۔

''اس وقت میں تم سے کوئی کلاس لینے کے موڈ میں نہیں ہوں اذان تیمور اس لئے تم بھی لیکچر کا ارادہ ملتوی کر کے مجھے سونے دو۔'' اس کی طرف سے کروٹ لیتی، وہ اسے سلگا گئی تھی۔

''آئندہ کے بعد تم کسی سے بھی اس لہجے میں بات نہیں کرو گی۔''

''میں تمہارے حکم کی غلام نہیں ہوں۔'' یہ بھلا ہو سکتا تھا کہ وہ اسے جواباً کوئی تپانے والا جواب نہ دے۔

''میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔'' وہ دانت پر دانت جمائے دھاڑا تھا۔

''اور میں تمہارے ہاتھ توڑ دوں گی۔'' اس کا انداز بھلا کا پرسکون تھا، اذان کو تو آگ ہی لگ گئی۔

''توڑ کر دکھاؤ تم مجھے اب۔'' اس کا رخ اپنی طرف کرتے وہ سخت آواز میں بولا۔

''میں اس وقت تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی، اس لئے تم بھی اب اپنا منہ بند رکھو۔'' اپنی بے زاری اس پر واضح کرتی وہ ایک دفعہ پھر لیٹ چکی تھی۔

''اپنی زبان کو لگام ڈالو زونائشہ حیدر، یہ نہ ہو یہ کام بھی مجھے ہی کرنا پڑے۔'' اس کی برداشت لاجواب تھی، وہ خود اپنے ضبط پر حیران تھا، جتنی زبان درازی وہ کر چکی تھی اب تک تو اسے اس کا منہ توڑ دینا چاہیے تھا۔

''جب اتنی ہمت پیدا ہو جائے تب بات کرنا۔'' اسے ایک دفعہ پھر ضبط کی انتہا پر پہنچا کر سر پر تکیہ رکھ کر وہ کروٹ کے بل لیٹ گئی، چبھتی نظریں اس کی پشت پر گاڑھے جبڑے بھینچے وہ اپنا ضبط آزما رہا تھا۔

''اذان بیٹا میری بات سننا۔'' صبح کمرے سے نکل کر وہ میسج ٹائپ کرتا باہر کی طرف بڑھ رہا تھا، جب ان کی آواز پر واپس پلٹا، جو اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑیں اس کی طرف ہی متوجہ تھیں۔

''جی امی!''

''کمرے میں آؤ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' اثبات میں سر ہلاتا وہ ان کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوا، ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ کر وہ انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تم زونائشہ سے بات کرو، اسے نرمی سے سمجھاؤ، ٹھیک ہے وہ حیدر بھائی سے ناراض ہے مگر اس کی سزا اپنی ماں کو تو نہ دے، جو بے قراری سے اس کی راہ دیکھتی رہی ہے، تم اس کے شوہر ہو اذان اسے نرمی سے پیار سے سمجھاؤ۔'' گہری سانس خارج کرتا وہ اثبات میں سر ہلا کر اٹھ گیا۔

''ابھی تو میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں، واپسی میں اسے لے کر جاؤں گا ماموں کی طرف۔'' انہیں یقین دلاتا وہ باہر نکل گیا، مضطرب انداز میں اٹھ کر وہ لاؤنج میں چلی آئیں، خدیجہ کی بے بسی اور زونائشہ کے رویے سے اضطراب ان سے چھپا ہوا تو ہرگز بھی نہیں تھا۔

بظاہر اذان اور زونائشہ کا آپس میں رشتہ انہیں ٹھیک ہی لگ رہا تھا کیونکہ وہ دونوں سب کے سامنے ٹھیک ہی شو کروا رہے تھے اور اس میں زیادہ ہاتھ اذان کا تھا وہ خواہ مخواہ اپنا تماشا لگوانے کے حق میں ہرگز بھی نہیں تھا، اسی لئے کمرے کے باہر سب کے سامنے وہ بہت کم زونائشہ کو مخاطب کرتا تھا جانتا تھا اس کا پھاڑ کھانے والا انداز سب کو چونکنا کر دے گا اور یہی وہ نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

زبانیں جن کے ستم پر خاموش رہتی ہیں
دلوں میں ان کے خلاف احتجاج ہوتے ہیں
برا نہ مان کہ بولیں ہیں تلخ لہجے میں
ہم جیسے لوگ ذرا بد مزاج ہوتے ہیں

شام کو وہ جب واپس آیا تو وہ کمرے میں بیڈ پر کہنی کے بل نیم دراز ویکلی میگزین دیکھ رہی تھی، دروازے کی آواز پر اس نے گردن گھما کر دیکھا اور پھر سابقہ انداز میں میگزین پر جھک گئی، گہری سانس خارج کرتا وہ بیڈ کے پاس آ کر کھڑا ہوا۔

''میں ابھی حیدر ماموں کی طرف جا رہا ہوں اور تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔'' دوٹوک انداز میں بولتا وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا اور جب پانچ منٹ بعد کمرے میں واپس آیا تو وہ اسی حالت میں موجود تھی۔

''زونائشہ میں نے کچھ کہا ہے۔'' انداز قدرے نرم تھا۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' آواز آہستہ مگر انداز دوٹوک تھا۔

''میں نے تم سے نہ تو پوچھا ہے اور نہ التجاء کی ہے، اس لئے اب بغیر کوئی تماشا لگائے اٹھ جاؤ۔'' پیشانی پر بل سجائے وہ گھور کر اسے دیکھ رہا تھا، جواباً وہ گہری سانس اندر کھینچ کر بیڈ سے اٹھی اور بغیر اس کی طرف دیکھے باہر کی طرف بڑھی، جو اذان کو یہ بتانے کے لئے کافی تھا کہ وہ اس کی بات کا کوئی اثر نہیں لے رہی، ایک جھٹکے سے اس نے کلائی پکڑ کر اسے روکا تھا، قدرے لڑکھڑا کر وہ اس کی طرف پلٹی۔

''میں نہیں جا رہی ہوں تمہارے ساتھ اور تم زبردستی نہیں کر سکتے میرے ساتھ۔'' بغیر اس سے متاثر ہوئے وہ ہٹیلے پن سے بولی۔

''یہ تم بہت اچھی طرح سے جانتی ہو کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں، اس لئے اب تم بغیر مجھے زبردستی کا موقع دیئے آرام سے میری بات مان جاؤ۔'' ابرو سکیڑے وہ پرتپش آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھے کھڑا تھا۔

''اس کے سوا کر بھی کیا سکتے ہو تم مرد، سوائے زبردستی کرنے کے، آخر اپنا آپ اسی طرح تو تم لوگ منوا سکتے ہو، عورت کو محکوم بنا کر، اپنے آپ کو حاکم سمجھ کر، آخر کس مردانگی پر نازاں ہوتے ہو تم لوگ، اصل میں تو تم لوگوں میں مردانگی نام کو نہیں ہوتی۔'' ٹھنڈے ٹھار انداز میں وہ اسے آگ لگا گئی تھی۔

''بکواس بند کرو تم، میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں زبان کو لگام ڈالو، اتنی لمبی زبان کو میرے لئے کاٹنا ہرگز مشکل نہیں۔'' ازلی مشتعل انداز میں وہ چیخ کر بولا، مگر وہ اب بھی اس پرسکون انداز میں اس کے مقابل کھڑی تھی۔

''چیخ چلا کر تم مجھے دبا نہیں سکتے اذان تیمور، اور نہ ہی میں متاثر ہونے والی ہوں تمہارے اس انداز سے، یہ انداز انہیں دکھانا جو تم لوگوں کے ان اندازوں سے ڈر جاتی ہوں گی، تم جیسے گھٹیا انسان......'' اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی، اذان کا ضبط جواب دے گیا تھا، اس کا بھرپور تھپڑ اس فرش پر الٹا گیا تھا، ایک پل کو اس کا چہرہ تاریک ہوا تھا اور پھر تیز قدموں سے چلتا وہ دروازے کے فریم میں پتھر ہوئی عیشال کے پہلو سے نکلتا چلا گیا۔

وہ انہیں پتھرائی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، جو فرش سے اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''یہ چاہ تھی جس کی وجہ سے شادی کی گئی تھی، یہ اوقات ہے میری، عیشال اذلان دیکھ لی تم نے میری اوقات۔'' تنے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ سجائے وہ بے حس ہی لگی تھی۔

''یہ اوقات کسی کی نہیں بلکہ خود تمہاری عنایت کردہ ہے، آخر چاہتی کیا ہو تم زونائشہ، صبر کیوں نہیں کر لیتی تم؟ کیوں اپنے آپ کے ساتھ ظلم کر رہی ہو؟ سمجھوتہ تمہاری سرشت میں کیوں نہیں، کیوں تم نہ خود خوش رہتی ہو نہ کسی کو رہنے دیتی ہو، کیا بدلنا چاہتی ہو تم اور بدل کیا لو گی تم یہ سب کر کے، کچھ نہیں کچھ بھی نہیں سوائے اپنی زندگی اجیرن کرنے کے، سو تم کچھ بھی نہیں کرنا چاہتی، یہ ہاتھ دیکھو میرے زونائشہ۔'' دونوں ہاتھ اس نے اس کے سامنے باندھے۔

''خود بھی جیو اور ہمیں بھی جینے دو زونائشہ، کیوں تم اپنے ساتھ ساتھ ہمیں بھی روز روز آزمائشوں میں ڈالتی رہتی ہو، خوش رہو اور ہم سب کو بھی خوش رہنے دو۔'' ایک تلخ نظر اس پر ڈالتی وہ واپس پلٹ گئی، بنا یہ محسوس کیے کہ وہ اسے توڑ آئی ہے۔

☆☆☆

اپنے کمرے میں آ کر عیشال بلک بلک کر روئی تھی، یہ ضبط بس اسی کے سامنے تھا، وہ تھک گئی تھی اسے جوڑ جوڑ کر، آج تھک ہار کر اسے توڑ آئی تھی، وہ اب چاہتی تھی وہ خود کو خود جوڑے، شاید صبر آ جائے، شاید سمجھوتہ کر لے، کمرے میں داخل ہوتے اذلان کے لئے اس کی یہ حالت پریشانی کا باعث تھی وہ حد درجہ فکرمندی سے اس کی طرف بڑھا۔

''کیا بات ہے عیشال رو کیوں رہی ہو تم؟'' اس کے آنسو اس کی برداشت سے باہر تھے۔

''کچھ نہیں، طبیعت خراب ہے۔'' چہرا صاف کرتے ہوئے اس نے اسے ٹالا۔

''طبیعت خراب ہونے پر تم اس طرح ٹوٹ کر نہیں روتی عیشال، بتاؤ مجھے صاف صاف کیا بات ہے۔'' اس کا لہجہ بے لچک تھا جیسے سچ سنے بغیر وہاں سے ہلے گا بھی نہیں، عیشال نے ایک دفعہ پھر چہرا دونوں ہاتھوں میں چھپالیا تھا۔

''اذان نے زونائشہ پر ہاتھ اٹھایا ہے آج۔'' سرخ چہرے کے ساتھ وہ ساکت بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں پوچھتا ہوں اذان سے، اس کی ہمت کیسے ہوئی ایسی حرکت کی۔'' وہ ٹھنڈے مزاج کا انسان ایک پل میں انگارہ بنا تھا۔

''نہیں اذلان پلیز، آپ ابھی اس سے کچھ مت بولیں۔'' اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

''تو ٹھیک ہے میں زونائشہ سے بات کرتا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں ابھی بھی غصے بھری سرخی تھی۔

''نہیں آپ اس سے بات نہیں کریں گے۔'' عیشال نے نفی میں سر ہلایا۔

''تم پاگل ہو گئی ہو، وہ صرف تمہاری ہی بہن نہیں ہے، میری بھی بہن ہے وہ، میرا بھی اس سے وہی رشتہ ہے جو تمہارا ہے۔'' اشتعال دباتا وہ جھنجلایا۔

''مجھے بات کرنے دو عیشال، اسے اس وقت ضرورت ہو گی ہماری۔'' سر پیچھے گرائے، آنسو ضبط کرتی وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''نہیں اذلان اس وقت اسے اکیلا چھوڑ دیں، اسے خود فیصلہ کرنے دیں کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں، کب تک اس سے ہم ہمدردی کرتے رہیں گے اور کب تک وہ تھپڑ کھاتی رہے گی، پہلے باپ نے مارا اب شوہر نے، زندگی میں دو مرد ملے اسے اذلان دو مرد اور وہ دونوں مرد اسے جوتے کی نوک پر رکھے ہوئے ہیں، کوئی مقام نہیں کوئی عزت نہیں، باپ نے باغی بنا دیا اور شوہر سے اب یہ بغاوت برداشت نہیں ہو رہی، دونوں اسے اپنے طریقوں سے ہینڈل کر رہے ہیں، بغیر یہ سوچے کہ وہ بھی جیتا جاگتا انسان ہے، اگر تم لوگوں کے سامنے تن کر کھڑی ہو جائے گی تو کیا جان سے مار دو گے اسے۔'' وہ حد درجہ دل گرفتہ تھی۔

''اسی لئے کہہ رہا ہوں عیشال وہ جذباتی ہے وہ الٹا سیدھا قدم نہ اٹھالے۔'' اس کے لہجے میں بڑے بھائیوں والی ہی فکر تھی، مگر وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''نہیں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائے گی، یہ زندگی کافی ہے اسے سزا دینے کے لئے، آگے بھی اپنے لئے جان بوجھ کر جہنم نہیں خریدے گی اور آپ فکر نہ کریں بہت مضبوط اعصاب کی مالک ہے وہ۔'' وہ سنگدلی کی انتہا پر کھڑی تھی، اذلان نے تاسف بھری نظر اس پر ڈالی۔

رات کے کھانے پر اذان نہیں تھا، زونائشہ غیر معمولی طور پر بہت خاموش تھی، کوئی واویلا نہیں، کوئی تماشہ نہیں، مگر عیشال نے نظر انداز کر دیا حالانکہ اس کی یہ غیر معمولی خاموشی اس کے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کرنے کو کافی تھی، رخسانہ اور تیمور کسی دور پرے کے عزیز کی فوتگی پر گئے تھے، ان کی واپسی کل تھی، زونائشہ کے چہرے پر انگلیوں کے نشان دیکھ کر اذلان نے ضبط سے مٹھیاں بھینچیں، اس کے دل میں اذان کے لئے غصے میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

☆☆☆

کسی کو کیا فرق پڑتا ہے یہاں ان چیزوں سے
احساس ختم جذبات دفن دل ٹوٹے جان چھوٹے

وہ لان کے پچھلے حصے میں نیم تاریکی میں سر جھکائے بیٹھا تھا، اسے اس پر لاکھ غصہ سہی مگر

جو اس نے اسے تھپڑ مارا تھا یہ وہ جانتا تھا کہ بہت غلط حرکت کر چکا تھا، اپنے پیچھے قدموں کی مدھم چاپ پر اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا عیشال اس کے ساتھ کچھ فاصلہ رکھ کر اوپری اسٹیپ پر بیٹھ گئی۔

''ایم سوری، بہت غلط حرکت کی آج میں نے۔'' مدھم آواز میں وہ شکستہ لہجے میں بولا، عیشال نے گہری سانس لی۔

''غلطی نہ تمہاری تھی نہ اس کی، غلطی ان حالات اور رویوں کی ہے جن نے اسے باغی بنا دیا، سب کو ایک ہی طریقے سے ہینڈل نہیں کیا جاتا، اذان کچھ لوگوں میں برداشت ہوتی ہے، کچھ میں نہیں، کوئی سمجھوتہ کر سکتا ہے، کوئی اس لفظ کے ہجوں سے بھی ناواقف ہوتا ہے، مگر پھر بھی اپنی فطرت کے خلاف جا کر اس نے سمجھوتہ کیا، ہر مقام پر ہر ضد کو ختم کر کے، چاہے رونے کے بعد، مگر وہ سمجھوتہ کر لیتی تھی مگر اب اس میں یہ برداشت ختم ہو گئی ہے، تو چیخ چلا کر دل کا تھوڑا بہت غبار ہلکا کر لیتی تھی اور آج وہ بھی چیخ وپکار بند ہو گئی۔'' آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کو اس نے پیچھے دھکیلا۔

''پتا ہے اذان جب ایک چیز کو مسلسل دبا کر رکھا جائے تو بوجھ ہٹانے پر وہ اس سے زیادہ شدت سے باہر آتی ہے، جیسے اسپرنگ جتنا دبا کے رکھو گے تو چھوڑنے پر وہ اتنی شدت سے اوپر اٹھے گا، مگر یہ چیزیں ہم لوگ نہیں سوچتے، ہم لوگ بس سوچتے ہیں کہ نہیں ہم صرف حاکم ہیں اور ہمیں صرف حاکم بن کر ہی فیصلہ کرنا ہے، وہ چاہے کسی کو زندہ مار دینے کے مترادف ہی کیوں نہ ہو، اس کی خواہشیں بہت چھوٹی بھلی چھوٹی سی تھیں اذان، تم سنو گے تو ہنسو گے۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی، اذان یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''بہت سا پڑھنا، ڈگریاں جمع کرنا، گرمیوں کی چھاؤں میں سردیوں کی دھوپ میں بغیر کسی ڈر خوف کے بیٹھ کر ناول پڑھنا، رات کو دوستوں سے میسج پر باتیں کرنا، بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مقابلوں میں حصہ لینا اور پھر ابو کے گلے میں بازو ڈال کر انہیں اپنی کامیابیوں کی خوشخبری سنانا۔'' آنسو آنکھ سے ٹوٹ کر گال پر گرا تھا، اذان کے دل پر بوجھ مزید بڑھا تھا، آنکھوں کی جلن میں اضافہ ہوا تھا، اس کے پاس عیشال کو کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا اور عیشال بھلا کب اس سے کچھ سننے آئی تھی وہ تو سنانے آئی تھی، زونائشہ کے ٹوٹے بکھرے خواب، ادھوری خواہشیں اور کون جانے ان خواہشوں میں اذان تیمور کس درجے پر تھا، آخر وہ بھی تو اس کی آنکھوں میں بسنے والا خوش نما خواب رہ چکا تھا، اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور پھر شکستہ قدموں سے اٹھ کر کمرے میں آگیا، جہاں وہ بے خبر سو رہی تھی اور اس کی یہ بے خبری اسے مارے دے رہی تھی، اس کے گال پر چھپے اپنی انگلیوں کے نشان پر اس نے دہکتے ہونٹ رکھ دیئے تھے۔

☆☆☆

وہ اسے توڑ کر اسے ہونٹوں سے جوڑ رہا تھا
تجھے اوڑھوں یا تیرا لباس ہو جاؤں
تیرے رنگوں میں ڈھل کر اک احساس ہو جاؤں
اک راحت جو ملے مجھے تیری ذات سے
تو سمندر بنے اور میں پیاس ہو جاؤں
تیرے وجود سے میرے چہرے پر خوشیوں کی دھنک
تیرا چہرا نہ دیکھوں تو اداس ہو جاؤں
فقط اتنی سی خواہش ہے کہ تیری زندگی میں شامل ہو جاؤں
پھر بھلے قصہ بنوں یا قیاس ہو جاؤں
تیرے لب تیرے ہاتھ میرا اک اک نقش امر کر

لیں تو مجھے بھول نہ پائے میں اتنا خاص ہو جاؤں
''کب جا رہے ہو تم واپس؟''
صبح ناشتے کی میز پر صرف اذان اور عیشال موجود تھے، اتوار کا دن تھا اور اذلان کا جلدی اٹھنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔
''آج شام کو۔'' چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے لیتا وہ بولا۔
''زونائشہ بھی تمہارے ساتھ جا رہی ہے؟''
وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
''کیوں آپ کو اسلام آباد کا سکون اچھا نہیں لگ رہا ہے۔'' ہونٹوں میں مسکراہٹ دبائے وہ کچن میں داخل ہوتی زونائشہ کو دیکھ کر اونچی آواز میں بولا، عیشال نے پہلے اسے خشمگیں نظروں سے گھورا اور پھر زونائشہ کی طرف متوجہ ہوئی جو ازلی سپاٹ انداز میں کپ میں چائے نکال رہی تھی۔
''بیٹھ کر ناشتہ کرو زونائشہ۔'' سنجیدگی آواز میں سموئے وہ اسے ٹوک گئی تھی جو کپ اٹھا کر اب کچن سے باہر نکل رہی تھی۔
''نہیں میں صرف چائے ہی پیئوں گی۔'' بغیر مڑے وہ بولی اور پھر قدم آگے بڑھا دیے، عیشال نے متفکر نظروں سے اذان کی طرف دیکھا جو کندھے اچکا کر دوبارہ ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔
''میں جانتی ہوں تم اسے ساتھ لے کر جا رہے ہو، اگر وہ چلی گئی تمہارے ساتھ تو اس کا خیال رکھنا۔'' اسے تنبیہ کرتی وہ کرسی پرے کھسکا کر اٹھ گئی۔
''جیسے میں تو بس آپ کے حکم کا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' وہ سخت بدمزہ ہوا تھا، اب وہ اتنا بھی جلاد نہیں تھا کہ اسے تنبیہ کیا جاتا، گھور کر اسے دیکھتی وہ کچن سے باہر نکل گئی، کمرے میں واپس آ کر اس نے زونائشہ کو اپنے ساتھ اسلام آباد چلنے کا کہا، خلاف توقع اس نے بغیر کوئی اعتراض کیے پیکنگ کرنا شروع کر دی، وہ پہلی دفعہ اس کے رویے پر چونکا تھا، وہ تو کوئی تڑخا ہوا جواب ایکسپٹ کر رہا تھا، مگر یہاں اتنی خاموشی۔
شام تک رخسانہ اور تیمور بھی واپس آ چکے تھے، ان سب سے ملنے کے بعد وہ اذان کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی بغیر اپنے پورشن کی طرف دیکھے، جہاں لاؤنج کے دروازے میں ڈبڈبائی نظروں سے اس کی ماں اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھیں، جس نے ایک نظر بھی ان پر نہیں ڈالی تھی۔

☆☆☆

معمول کے مطابق ان کے سامنے کھانے کے لوازمات رکھتیں وہ خود بھی ان کے سامنے بیٹھ گئیں تھیں، وہ بغور ان کے چہرے پر پھیلی اداسی کو دیکھ رہے تھے، پرنم آنکھیں ان کے دل کا حال بڑی اچھی طرح سے واضح کر رہی تھیں، گہری سانس خارج کرتے وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے، رات کو جب وہ کچن کا پھیلاوا سمیٹ کر کمرے میں آئیں تو وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے ان کا انتظار کر رہے تھے، دودھ کا گلاس ان کے ہاتھ سے پکڑتے وہ باخوبی یہ دیکھ سکتے تھے کہ وہ وقفے وقفے سے روتی رہیں ہیں، زونائشہ سے اتنی سنگدلی کی توقع انہیں ہرگز نہیں تھی، نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے اپنے پاس بٹھایا۔
''تمہاری یہ گریہ زاری، تمہاری طبیعت بڑی بری طرح خراب کر دے گی۔''
''میرا دل نہیں ٹھہرتا حیدر، اس کی زندگی سے عاری نظریں میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹتی ہی نہیں، کوئی ماں نہیں برداشت کر سکتی اپنی

اولاد کو اس حالت میں۔" آنسو ایک دفعہ پھر بے قابو ہوئے تھے، انہوں نے متاسف نظروں سے انہیں دیکھا۔

"وہ اولاد جسے تمہاری کوئی فکر ہی نہیں ہے۔" ان کے لہجے میں محسوس کی جانے والی چبھن تھی، خدیجہ نے پرسکون نظروں سے انہیں دیکھا۔

"دیکھو خدیجہ، تم اچھی طرح سے جانتی ہو میں اس سے کتنی محبت کرتا ہوں، باپ ہوں اس کا، دشمنی کیسے کر سکتا ہوں اس کے ساتھ، میں نے جو اس کے لئے بہتر سمجھا وہ فیصلہ کر دیا، ماں باپ اپنے بچوں کے لئے غلط نہیں کرتے کچھ بھی۔" گہری سانس خارج کرتے وہ رسانیت سے بولے۔

"میں جانتی ہوں یہ سب مگر......"

"مگر یہی نا کہ جو وہ کہتی ہیں بس وہی کرتا چلا جاتا۔" پل میں ان کی پیشانی شکن آلود ہوئی تھی، وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئیں اٹھ گئیں۔

"اپنی جگہ آپ ٹھیک، آپ کے کیے گئے فیصلے ٹھیک، مگر حیدر کہیں نہ کہیں غلط تو ہو ہی چکا ہے نا، والدین اپنی اولاد کے لئے برا نہیں سوچتے، مگر حیدر اولاد کی سوچ کو بھی تو کبھی پڑھ لینا چاہیے نا، اگر وہ بغاوت کر رہی تھی، بدتمیزی کر رہی تھی، تو آپ نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ اس بغاوت اس بدتمیزی کی وجہ کیا ہے، خواہ مخواہ تو وہ یہ رویہ اختیار نہیں نہ کر سکتی مگر آپ نے بغیر یہ سوچے اس کے دل میں اپنے لئے بدگمانی کو پروان چڑھایا، اب وہ آپ سے بدگمان ہے، خائف ہے، آپ اس سے ناراض ہیں، درمیان میں پس تو میں رہی ہوں نا، وہ باپ کے ساتھ ساتھ ماں سے بھی ناراض ہو کر چلی گئی ہے، آپ کو اس ناراضگی سے فرق پڑتا ہو یا نہیں مگر میرا دل کٹتا ہے حیدر میں نہیں برداشت کر سکتی، اس کی ناراضگی، میرا دل پتھر کا نہیں ہے اور نہ ہی میں خود کو بے حس کر سکی ہوں۔" کتنے عرصے کے ان کہے لفظ آج ٹھہر ٹھہر کر ان کے ہونٹوں سے ادا ہوئے تھے، تھکی سانس خارج کرتیں وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئیں، پیچھے ساکت وجود لئے وہ جہاں کے تہاں بیٹھے رہ گئے، محبت صرف ماں ہی تو نہیں کرتی باپ کا دل تو اولاد کے لئے دکھتا ہی ہے، ہاں وہ بات ظاہر نہ کرے تو اور بات ہے۔

☆☆☆

اس کو غرور حسن تھا اور میں انا پرست
وہ جا رہا تھا مجھ سے پکارا نہ گیا

رات کے اندھیرے گہرے ہو رہے تھے، جب وہ اسلام آباد میں داخل ہوئے، شیشے کے پار بھاگتے دوڑتے مناظر پر نظریں ٹکائے وہ بے نیازی بیٹھی تھی، اذان نے بھی اسے مخاطب نہیں کیا تھا، سفر بڑی خاموشی سے کٹا تھا، اس نے شکر کا سانس بھرا جب کار ایک سیکورڈ علاقے کی خوبصورت بلڈنگ کے سامنے رکی، وہ اکتا چکی تھی، اتنے لمبے سفر سے، اسی لئے جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکلی، سیکنڈ فلور پر ایک فرنشڈ اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر وہ دونوں اندر داخل ہوئے، وہ ایک چھوٹا مگر خوبصورت اپارٹمنٹ تھا، دو کمرے، چھوٹا سا لاؤنج، اوپن کچن اور ڈائننگ روم کے ساتھ ٹیرس ایک ہی نظر میں وہ سارے اپارٹمنٹ کا جائزہ لے چکی تھی۔

"کچن میں ابھی کھانے کے لئے کچھ نہیں ہو گا، میں کچھ کھانے کے لئے لاتا ہوں۔" دروازہ باہر سے لاک کرتا وہ چلا گیا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی، پھر کچھ سوچ کر اٹھی، ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا، وہ ایک ویل ڈیکوریٹ کمرہ تھا،

یقیناً اذان کا تھا، پھر اس نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا، اس کمرے میں سوائے ایک میٹرس کے اور کوئی چیز نہیں تھی، گہری سانس خارج کرتی وہ لاؤنج میں پڑے سامان کی طرف پلٹی اور اپنا بیگ اٹھا کر اس کمرے میں داخل ہوگئی، وہ جب منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی تو اذان واپس آ چکا تھا، اذان نے تعجب سے اسے اس کمرے سے نکلتے دیکھا مگر بغیر کچھ بولے اسے پیکٹس پکڑا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہ جب واپس آیا تب تک وہ اس کے لئے کھانا میز پر لگا چکی تھی، اس کے بیٹھتے ہی وہ اپنے لئے سجائی کھانے کی ٹرے اٹھا کر دوبارہ اسی کمرے میں بند ہوگئی، اذان کو سمجھنے میں انتہائی کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی، کہ یہ سب کیا تھا، ایک کوفت بھری نظر اس نے بند دروازے پر ڈالی اور کھانا زہر مار کرنے لگا، وہ اس وقت کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا تھا، اس لئے خالی برتن کچن میں رکھ کر وہ سونے کے لئے کمرے میں چلا گیا، اس وقت اسے صرف پرسکون نیند کی طلب تھی صرف نیند کی۔

اگلے دن سے اس کی روٹین لائف شروع ہو چکی تھی، وہ صبح کا گیا شام کو واپس پلٹتا تھا، کبھی رات کو، وہ سارا دن فارغ بیٹھ بیٹھ کر تھک جاتی تھی، وہ پہلی رات اس نے جاگ کر گزاری تھی، سردیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا اور اس وقت اس کے پاس اوڑھنے کے لئے کوئی گرم چادر یا لحاف نہیں تھا، اپنے سامان میں سے اس نے ایک گرم شال نکال کر اوڑھی اور سونے کے لئے لیٹ گئی مگر نیند بھی اسی کی طرح ڈھیٹ تھی جو اس نئی جگہ پر آکر ہی نہیں دے رہی تھی، ساری رات جاگ کر صبح کے وقت وہ کہیں جا کر سوئی تھی، اگلے دن اذان کے آفس جانے کے بعد اس نے اس کا کمرا چیک کیا مگر وہاں صرف ایک ہی کمبل تھا اس کے سوا کچھ نہیں اور اذان سے بات کرنا تو جیسے اس کے لئے گناہ تھا، اسی لئے رات کو وہ وہی گرم شال اوڑھ کر سو جاتی تھی، مگر یہ اسلام آباد کا قاتل سرد موسم تھا جو دو دن میں ہی بری طرح اس پر اثر انداز ہوا تھا، زکام سے اس کی حالت بری ہوگئی تھی اور یہ سب اذان نے بھی صرف دو دن تک ہی برداشت کیا تھا، تیسرے دن ہی کھانے کی میز پر وہ اسے روک چکا تھا۔

''تم میرے ساتھ بیٹھ کر کیوں نہیں کھانا کھاتی؟'' اس نے ہاتھ پکڑے اس کے سرخ چہرے پر نظریں ٹکائے وہ بولا۔

''تاکہ تمہیں ایک تھرڈ کلاس لڑکی کے ساتھ بیٹھنے کی زحمت سے بچا سکوں۔'' ایک جھٹکے سے ہاتھ اس سے چھڑاتی وہ نخوت سے سر جھٹک کر دوبارہ کمرے میں بند ہوگئی، اذان کا موڈ بڑی بری طرح غارت ہوا تھا، کھانا واپس کچن میں رکھتے وہ ایک سلگتی نظر اس کے کمرے کے بند دروازے پر ڈالتا، اپنے کمرے میں چلا گیا تھا، اب اتنے برے موڈ کے ساتھ وہ کھانا ہرگز نہیں کھا سکتا تھا۔

☆☆☆

صبح سے اس کے سر میں شدید درد تھا، ہر طریقہ استعمال کرنے کے باوجود اس میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا، زکام کے ساتھ ساتھ بخار نے بھی اس کے وجود کو توڑ کر رکھ دیا تھا اور اوپر سے سورج نے قسم کھا رکھی تھی اس نے اسلام آباد والوں کو اپنا دیدار نہیں کروانا، لاؤنج میں صوفے پر نیم دراز وہ انگلیوں کی پوروں سے کنپٹیاں دبا رہی تھی، جب موبائل کی مخصوص ٹون بجی، یہ موبائل اس کی ضرورت کے لئے اذان نے یہاں آنے کے دوسرے دن اسے دیا تھا، بغیر نمبر دیکھے اس نے لیس کا بٹن دبا کر موبائل کان سے

لگایا۔

''السلام علیکم!'' زکام زدہ آواز میں سلام کرتی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''وعلیکم السلام زونائشہ کیسی ہو بیٹا؟'' دوسری طرف رخسانہ تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں پھپھو، آپ کیسی ہیں؟''

''الحمدللہ لیکن زونائشہ مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہی ہو بیٹا۔'' یقیناً اس کی زکام زدہ آواز سے انہیں اس کی خرابی طبیعت کا اندازہ ہوا تھا۔

''جی پھپھو، بس ہلکا سا فلو ہے میں نے میڈیسن لی ہے، آپ سنائیں سب خیریت ہے نا۔''

''تمہارے لئے ایک بہت بڑی خوشخبری کی خبر ہے۔'' اب کی باران کی کھنک زدہ آواز اسے چونکا گئی تھی۔

''تو پھر جلدی سے سنائیں نا۔'' وہ بے صبری ہوئی۔

''بھئی تم اور خالہ اور چچی کے عہدے پر فائز ہونے والی ہو۔'' انہوں نے اسے حیران ہی تو کر دیا تھا۔

''سچ پھپھو۔'' خوشی اتنی زیادہ تھی، وہ بے یقین سی ہوئی۔

''ارے بالکل، لو عیشال سے پوچھ لو۔'' انہوں نے پاس بیٹھی عیشال کو فون پکڑایا۔

''عیشال پھپھو سچ کہہ رہی ہیں؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''ہاں۔'' عیشال نے جھینپتے ہوئے جواب دیا۔

''بہت بہت مبارک ہو تمہیں عیشال۔'' وہ حد درجہ خوش ہوئی۔

''تمہیں بھی، تمہاری آواز کو کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں بس ہلکا سا فلو ہے۔''

''اسلام آباد کی ظالم ہواؤں نے کتنی بے رحمی سے تمہارا استقبال کیا۔'' زونائشہ بے ساختہ مسکرائی، عیشال سے کچھ دیر مزید بات کر کے اس نے فون بند کر دیا تھا، سارا دن کسل مندی سے وہ صوفے پر پڑی رہی، بڑی مشکل سے اس نے اذان کے لئے کھانا پکایا اور جا کر کمرے میں لیٹ گئی، مزید ایک سیکنڈ بھی اس میں کھڑے رہنے کی ہمت نہیں تھی۔

رات کو جب اذان واپس آیا تو لاؤنج خالی تھا اور اس کے کمرے کا دروازہ بند، وہ آج حد درجہ تھکا ہوا تھا، آج تو اس کا بے ساختہ دل چاہا تھا کہ جھنجھوڑ کر رکھ دے زونائشہ کو، مگر پھر سر جھٹکتا کمرے کی طرف بڑھ گیا، اس کے کمرے سے باہر آنے کے کوئی آثار نمودار نہ ہوتے دیکھ کر وہ گہری سانس خارج کرتا خود ہی کچن میں جا کر کھانا نکالنے لگا، یہ بھی مہربانی تھی اس کی جو کھانا پکا ہوا تھا، کچن میں ہی کھڑے ہو کر کھانا کھانے کے بعد وہ لاؤنج میں صوفے پر آ کر بیٹھا ہی تھا، جب رخسانہ کی کال آ گئی تھی۔

''السلام علیکم امی!'' خوشگوار انداز میں سلام کرتا وہ ایزی ہو کر بیٹھا۔

''وعلیکم السلام! تم میں کوئی شرم نام کی چیز ہے بھی یا نہیں۔'' سلام کے جواب کے ساتھ ہی اسے پھٹکار پڑی تھی، وہ حد درجہ حیران ہوا۔

''کیا ہوا امی، کیا کیا ہے میں نے؟'' وہ واقعی بے خبر تھا۔

''تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا بھائی کو فون کر کے مبارکباد ہی دے دو۔''

''کیوں بھائی نے نئی فیکٹری لگائی ہے؟'' جس طرح اذلان چوبیس گھنٹے بس بزنس میں غرق رہتا تھا اس سے وہ یہی اندازہ لگا سکتا تھا، رخسانہ نے بے ساختہ اپنا سر پیٹ لیا۔

''بدتمیزی انسان بچا بننے والے ہو تم۔''

''سچ امی۔'' اس کے تاثرات بھی بالکل زونائشہ کے جیسے تھے، وہ ٹھٹکی تھیں۔

''زونائشہ نے نہیں بتایا تمہیں؟'' اذان بے ساختہ گڑبڑایا۔

''ابھی تو آیا ہوں میں۔'' یہ واقعی سچ تھا مگر خیر زونائشہ بی بی نے بعد میں کونسا بتا دینا تھا۔

''اذلان کو فون کر لینا۔'' اسے تاکید کرتیں وہ فون بند کرنے لگیں تھیں، جب کچھ یاد آنے پر پوچھا۔

''اب زونائشہ کی طبیعت کیسی ہے؟'' اس نے بے ساختہ مڑ کر بند دروازے کو دیکھا تھا۔

''اب بہتر ہے۔'' انہیں مطمئن کر کے اس نے فون بند کر دیا، مگر خود بے ساختہ اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھا تھا، اب انہیں کیا بتاتا زونائشہ بی بی اسے منہ لگانا پسند نہیں کرتی۔

☆☆☆

وہ سامنے میٹرس پر آڑھی ترچھی، سر پر دوپٹہ باندھے لیٹی تھی، اضطرابی انداز میں وہ آگے بڑھا۔

''زونائشہ!'' اسے کندھے سے پکڑ کر اس نے اس کا رخ اپنی طرف کرنا چاہا۔

''کیا ہے؟'' وہ کاٹ کھانے کو دوڑی، اذان نے گھور کر اسے دیکھا۔

''دو منٹ کے اندر اٹھ کر باہر آؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' بے لچک لہجہ میں بولتا وہ اٹھ کھڑا ہوا، جانتا تھا وہ نرمی کی زبان نہیں سمجھنے والی، مگر اس وقت اس کی طبیعت اتنی خراب تھی کہ وہ نرمی سے بھی کہتا تو وہ مان جاتی، کپڑے تبدیل کر کے گرم شال اچھی طرح اوڑھ کر وہ اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار تھی۔

کلینک سے واپسی پر اسے دوبارہ اسی کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ کر اس نے بے ساختہ ماتھا پیٹ لیا۔

''خدا کی بندی، میرا ابھری جوانی میں رنڈوا ہونے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، حالت دیکھی ہے تم نے اپنی۔''

''مجھے نہیں تمہارے کمرے میں سونا۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولی۔

''نامحرم نہیں ہوں میں تمہارے لئے اور اب پلیز مزید تماشہ مت کرنا۔'' اسے بازو سے پکڑ کر وہ کمرے میں لے آیا۔

''چپ چاپ بیڈ پر بیٹھو میں تمہارے لئے کچھ لاتا ہوں۔'' اس کی میڈیسنز سائیڈ ٹیبل پر رکھتا وہ واپس پلٹ گیا، وہ خائف سی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''ابھی یہ دودھ اور بریڈ کے ساتھ ہی گزارہ کرو۔'' ٹرے میں دودھ کا گلاس اور بریڈ کے سلائس رکھے وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا، زبردستی اسے سلائس کھلانے کے بعد اس نے میڈیسنز اسے کھلائی اس کا اتنا فکرمندانہ انداز پتا نہیں کیوں زونائشہ کو رنجیدہ کر رہا تھا، تکیہ درست کرتی وہ چت لیٹ گئی تو وہ بھی کپڑے تبدیل کرنے کے بعد لائٹ آف کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔

رات کا نا جانے کون سا پہر تھا جب اذان کی آنکھ کراہنے کی آواز پر کھلی تھی، وہ بے حد کچی نیند کا مالک تھا، ذرا سی آواز پر اس کی آنکھ کھل جاتی تھی، ہاتھ بڑھا کر اس نے سائیڈ لیمپ آن کیا، بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے زونائشہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے بیٹھی تھی۔

''کیا ہوا؟'' وہ پل بھر میں پریشان ہوا تھا۔

''میرے سر میں بہت درد ہے، سر میں جیسے دھماکے ہو رہے ہیں۔'' اس نے ٹیبلٹ بھی کھائی

تھی مگر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''اچھا تم لیٹو میں سر دبا تا ہوں۔'' اس کا تکیہ درست کر کے رکھتا وہ اس کے قریب ہوا تھا، وہ حیران تو ہوئی تھی اس کی اس قدر مہربانی پر، مگر پھر آنکھیں موند کر لیٹ گئی، جب تک اسے آرام نہیں آ گیا تب تک وہ سر دبا تا رہا تھا، آنکھیں موندے وہ ویسے ہی لیٹی تھی جب اسے اپنی پیشانی پر دہکتا لمس محسوس ہوا تھا، اس کی سانس اندر ہی کہیں الجھنے لگی تھی، دھڑکن رک سی گئی تھی۔

اذان تیمور، ناقابل تسخیر انسان، اسے تسخیر کر رہا تھا، جو سالوں پہلے اپنا آپ اس پر ہار چکی تھی۔

☆☆☆

کافی دنوں بعد اس کی طبیعت بہتر ہوئی تھی، بخار تو جلد ہی اتر گیا تھا، مگر زکام نے اس کی مت مار کے رکھ دی تھی، آج دھوپ میں بیٹھی وہ خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی، سورج کی نرم سنہری کرنیں اسے حرارت پہنچا رہی تھیں، کتاب میں گم وہ اردگرد سے غافل بیٹھی تھی جب موبائل ٹون کی آواز پر وہ سخت بدمزہ ہوئی تھی، موبائل اٹھا کر دیکھنے پر اس کے ابرو سکڑے تھے ''اذان کی کال، اس وقت'' بڑبڑاتے ہوئے اس نے یس کا بٹن دبا کر فون کان سے لگایا۔

''ہیلو زونائشہ! ہمیں ابھی گاؤں کے لئے نکلنا ہے، تم ریڈی رہنا، میں بیس منٹ میں پہنچتا ہوں۔'' اس کے بولنے سے پہلے ہی اس نے تیزی سے بات ختم کر کے فون بند کر دیا تھا، وہ حیرانگی سے موبائل دیکھنے لگی، دل میں بے ساختہ اندیشوں نے جنم لیا تھا۔

''یوں اچانک...... گاؤں...... کیوں؟''

بے ربط سی سوچیں اسے پریشان کر رہی تھیں۔

ایک بار تو اس کا دل چاہا اذان کو فون کرے، مگر اگلے پل اس نے سر جھٹک دیا۔

زونائشہ حیدر چاہے کتنی بھی بہادر اور بے توف تھی، مگر اتنی تو ہرگز بھی نہیں کہ اپنے رشتوں کو کسی تکلیف میں دیکھ سکتی، ناراضگی اپنی جگہ مگر ان کی کسی تکلیف کا سوچ کر ہی اس کا دل لرز اٹھا تھا، اسے اذان پر بے طرح غصہ آیا، جس نے کوئی بات بتائے بغیر ہی فون بند کر دیا تھا، یہ بیس منٹ اس نے کیسے گزارے تھے، یہ تو وہ ہی جانتی تھی یا پھر اس کا خدا، گاڑی میں بیٹھتے ہی بے ساختہ ہی اس نے پوچھا تھا۔

''ہوا کیا، ہم اتنی ایمرجنسی میں گاؤں کیوں جا رہے ہیں؟''

''کوئی ایمرجنسی نہیں ہے اور اب منہ بند کر کے بیٹھو، ڈرائیو کے دوران میں باتیں کرنا بالکل پسند نہیں کرتا۔''

''تو میں کون سا مری جا رہی ہوں تم سے باتیں کرنے کے لئے۔'' وہ منہ پھیر کر شیشے کے پار دیکھنے لگی اور اذان نے اطمینان بھری سانس خارج کی، بس یہی چاہتا تھا وہ کہ وہ اس سے کچھ نہ پوچھے، دراصل ابھی وہ اسے کچھ بتانا ہی نہیں چاہتا تھا، ورنہ اتنے لمبے سفر میں زونائشہ کے آنسو اس سے ضرور گاڑی ٹھکوا دیتے۔

☆☆☆

کچھ دنوں سے ان کا بلڈ پریشر مسلسل ہائی رہتا تھا اور یہ تب سے ہوا تھا جب زونائشہ ان سے ملے بغیر اسلام آباد گئی تھی، دن بہ دن بڑھتی ٹینشن ان کے فشار خون کو حد سے زیادہ بلند کر گئی تھی، حیدر کسی کام کے سلسلے میں شاہد کے ساتھ جہلم گئے تھے، معمول کے کام نبٹاتے وہ ایک دم سے چکرا کر نیچے گر گئی تھی، کافی دیر بعد جب عیشال اس طرف آئی تو انہیں بے ہوش پڑے دیکھ کر اپنی بے ساختہ نکلنے والی چیخ کو روک نہیں

سکی تھی، اس کی چیخ کی آواز سن کر باقی سب بھی دوڑے چلے آئے، تیمور نے جلدی سے گاڑی نکالی، رخسانہ نے عائزہ اور صدف کے ساتھ مل کر خدیجہ کو سہارا دے کر گاڑی میں ڈالا، عیشال کی رو رو کر بری حالت تھی، اس کی بگڑتی حالت کے پیش نظر رخسانہ نے اسے ساتھ جانے سے منع کر دیا، ہسپتال پہنچ کر تیمور نے حیدر اور شاہد کے ساتھ ساتھ اذلان اور روحان کو اطلاع دے دی تھی، البتہ اذان کو کال اذلان نے کافی دیر بعد کی تھی، خدیجہ کا بی پی شوٹ کر گیا تھا اور ان کی بے ہوشی نے سب کو ہی حواس باختہ کر دیا تھا، بہرحال کافی دیر بعد انہیں ہوش آیا تو سب کی جان میں جان آئی، تبھی اذلان کو اذان کو اطلاع کرنے کا خیال آیا تھا۔

اسلام آباد سے گاؤں تک کا فاصلہ ساڑھے تین گھنٹے کا تھا اور انتہائی رش ڈرائیونگ کے بعد اذان اسے لایا تھی تو کہاں؟ سی ایم ایچ جہلم، زونائشہ کا دل بری طرح دھڑکا، سارا راستہ وہ خاموش رہی تھی مگر اب ہسپتال کی بلڈنگ کو دیکھ کر وہ درزیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، کار پارک کر کے وہ اس کی طرف گھوما، گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''سب ٹھیک ہے، خدیجہ ممانی کا بی پی شوٹ کر گیا تھا، مگر اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔'' وہ بتانے کے ساتھ ساتھ تسلی بھی دے رہا تھا، مگر اس کا وجود سن ہو چکا تھا، اسے بس اس کے ہلتے لب نظر آ رہے تھے، کانوں میں تو جیسے سائیں سائیں ہو رہی تھی، بے جان ہوتی ٹانگوں کے ساتھ وہ بمشکل چل پا رہی تھی، اس کے دل میں کسی سے بھی متعلق برا خیال آیا ہو مگر ماں سے متعلق نہیں آیا تھا اور اب وہی ماں...... یہاں ہسپتال میں...... اس کا دل کر رہا تھا وہ چیخ چیخ کر رونا شروع کر دے، مگر مشکل سے ہی خود پر قابو رکھتے وہ لمبی راہداری مڑی تھی اور سامنے ہی ایک کمرے کے باہر اذلان کھڑا غالباً انہیں کا انتظار کر رہا تھا، وہ بھاگ کر اس تک پہنچی تھی۔

''اذلان بھائی امی؟'' وہ بمشکل ہی بول پائی تھی۔

''زونائشہ گڑیا وہ بالکل ٹھیک ہیں، تم دیکھو جا کر اندر، بالکل ٹھیک ہیں وہ۔'' وہ اسے تسلی دے کر اذان کی طرف متوجہ ہوا، جبکہ وہ ایک پل بھی رکے بغیر کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی، کمرے میں موجود سب افراد دروازے میں بت بنی کھڑی زونائشہ کی طرف متوجہ ہوئے، مگر زونائشہ تو بس خدیجہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی، آج کافی عرصے بعد...... مگر آنسو نکل ہی آئے تھے، قطار در قطار اس کے گالوں پر لڑھک رہے تھے، وہ بھاگ کر خدیجہ کے سینے سے جا لگی تھی اور خدیجہ وہ تو بس تڑپ تڑپ کر روتی زونائشہ کو بس چومتی جا رہی تھیں، دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہوتا اذان ایک پل میں واپس پلٹا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' اسے واپس پلٹتے دیکھ کر وہ چونکا۔

''اپنی بیوی کو اس طرح زارو قطار روتے دیکھ کر مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔''

''ہاں جیسے بیوی پر ہاتھ اٹھاتے تو تمہیں قطعاً برا نہیں لگتا۔'' اس نے بھرپور طنز کیا، اذان بے ساختہ سٹپٹایا۔

''انسان ہوں، غلطی ہو ہی جاتی ہے، اب کیا ہاتھ ہی کاٹ دوں؟'' اس نے منہ بنایا۔

''میں ہوتا نا تو کاٹ بھی دیتا۔'' اذلان نے کچھ زیادہ ہی لمبی چھوڑ دی تھی۔

''اب میں آپ سے زن مریدی میں آگے

تو نکلنے سے رہا۔'' آواز آہستہ تھی مگر اذلان سن چکا تھا، خونخوار نظروں سے اسے گھورتا وہ جوابی وار کرنے ہی لگا تھا کہ روحان کی آمد پر لب بھینچ کر رہ گیا۔

☆☆☆

دوسری بار وہ کافی دیر کے بعد اندر گیا تھا، اتنی دیر کہ زونائشہ کے آنسو خشک ہو چکے ہوں گے، مگر نہیں وہ تو اب حیدر کے کندھے سے لگی سوں سوں کرنے میں مصروف تھی، پتا نہیں کیوں مگر اس کے آنسو اسے بے چین کر رہے تھے، خدیجہ سے حال احوال پوچھنے کے دوران وہ گاہے بگاہے اس پر بھی نظر ڈال دیتا تھا، جو لگتا تھا آج ہی آنسوؤں کے سمندر بہا دے گی، حیدر کے ساتھ اس کے اس رویے پر وہ بالکل حیران نہیں ہوا تھا، وہ بہت اچھی طرح سے جانتا تھا اسے بظاہر سخت...... مگر اندر سے بہت نرم، ذرا سی آواز اسے پگھلا سکتی تھی اور ان کے ذرا سے پیار نے اسے انہیں کے بازوؤں میں منہ چھپا کر اشک بہانے پر مجبور کر دیا تھا، ایسے ہی تو ہوتے ہیں یہ رشتے تھوڑی سی نرمی، تھوڑی سی شفقت اور برسوں کی بدگمانی...... غصہ...... اس طرح دل سے نکلتا ہے، جیسے کبھی دل میں جگہ ہی نہ پائی ہو۔

اس کے سفید چہرے پر سرخی نمایاں پھیلی اور یہ خوبصورت سا امتزاج اسے پہلو بدلنے پر مجبور کر گیا تھا، بے ساختہ اس کے چہرے سے نظر ہٹاتا وہ اٹھ گیا، کبھی کبھی تو یہ دل بھی عجیب سی خواہشیں کرتا ہے، اب یہاں ہسپتال میں وہ اس کی پلکوں پر اٹکے قطروں کا ذائقہ تو چکھنے سے رہا، سر جھٹکتا وہ باہر نکل گیا۔

خدیجہ کو اگلے دن ڈسچارج کیا جانا تھا، اذان واپس اسلام آباد چلا گیا تھا، حیدر نے خود ہسپتال میں رکنے کا فیصلہ کر کے ان سب کو گھر

جانے کا حکم صادر کر دیا، اسے کار سے نکلتے دیکھ کر عائزہ بھاگ کر اس سے لپٹی تھی۔

''آ گئی تمہیں گھر کی یاد خبیث انسان، تم تو اس طرح ناراض ہوتی ہو، جان ہی نکال دیتی ہو۔'' اسے بھینچے وہ اسے لتاڑ بھی رہی تھی اور وہ مسلسل مسکراتی اس کی پیار بھری ڈانٹ سن رہی تھی۔

''تو تم لوگ کون سا مجھے راضی رکھنے کی کوشش کرتے ہو۔''

''ماشاء اللہ ایک آپ ہی تو رہ گئیں ہیں، جن کے آگے پیچھے پھر کر ہم راضی رکھنے کی کوشش کریں۔'' لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر دونوں ہاتھ رکھے وہ اسے گھور رہی تھی، جواباً وہ اسے زبان چڑھاتی عیشال کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

پھر سے جگنے لگی تیری قربت کی خواہش
دھند میں لپٹی سرد شاموں میں ......

اسے یہاں آئے کافی دن گزر چکے تھے، اذان نے ان دنوں میں اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا، وہ ایک دفعہ بھی گھر نہیں آیا تھا، اسے کوئی فون کوئی میسج کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، بظاہر تو یہ ضرورت اسے بھی محسوس نہیں ہوئی تھی، مگر دل تھا کہ عجب ہی تقاضے کرتا تھا، اب وہ اپنی انا کو آگے رکھتی یا دل کو، آج ہفتہ تھا اور پتا نہیں کیوں اسے صبح سے یہ آس سی تھی کہ وہ آج آ جائے گا اور وہ واقعی آ گیا تھا، شاید آفس سے سیدھا گاؤں آیا تھا، وہ لان میں بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھی جو کار سے نکلتا ایک نظر بھی اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے پورشن کی طرف بڑھ گیا تھا اور وہ جو اس کی منتظر تھی، تلملا کر پیر پٹختی اندر کی طرف بڑھ گئی، اس کی مستقل رہائش خدیجہ کی طرف ہی تھی، اپنے کمرے میں آ کر وہ ادھر سے

ادھر غصے سے تلملاتی چکر کاٹنے لگی، پھر تھک ہار کر بیڈ پر بیٹھ گئی، اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیوں بے صبری ہو رہی تھی اس کے لئے۔

کافی دیر گزر جانے کے بعد جب سبھی اپنے اپنے بستروں پر محو استراحت تھے وہ اس وقت بھی کھڑکی میں کھڑی باہر اندھیرے کو گھور رہی تھی، اسے کمرے کا دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی تھی، وہ قدم قدم چلتا اس تک آیا۔

''کوئی خوف خدا نہیں ہے تمہیں، اتنے دنوں بعد شوہر گھر آیا ہے بجائے اس کے کہ تم کمرے میں تیار شیار ہو کر انتظار کرتی یہاں کھڑی مراقبہ میں گم ہو۔'' اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اس نے افسوس بھری نظر اس پر ڈالی۔

''شوہر تو جیسے مرا ہی جا رہا ہے نا بیوی کو دیکھنے کے لئے، جان بوجھ کر ان جان بن جانے والے شوہر کو تو میں منہ بھی نہ لگاؤں۔'' اس کا غصہ نکالنے کا بھی اپنا ہی طریقہ تھا، اس نے ایسے سر دھنا جیسے اس نے بڑی محبت کا اظہار کیا ہو۔

''خیر منہ تو اب تم نے میرے ہی لگنا ہے، مگر خیر سنو مجھ سے نہیں ہوتا دلیلیں دوں، مثالیں دوں، میری آنکھوں میں لکھا ہے مجھے تم سے محبت ہے۔'' اس کے کان کے پاس جھکا وہ ایک پل کو تو اسے منجمند ہی کر گیا تھا، مگر اگلے ہی پل اس کے ہاتھ اپنے کندھوں سے جھٹکتے وہ اس سے دور ہوئی۔

''بس بس محبت...... اس وقت یہ محبت کہاں جا سوئی تھی، جب تھپڑ مارا تھا مجھے۔''

''بس کرو، خدا کی بندی، ستر سو بندوں سے بے عزت کروا چکی ہو تم مجھے۔''

''واہ ستر سو بندے، ابھی تو میرے باپ کو نہیں پتا چلا کہ تم نے تھپڑ مارا تھا مجھے۔''

''ہاں تو تمہارے باپ نے بھی تو تھپڑ مارا

تھا نا تمہیں۔''

''وہ بس اپنا مارا تھپڑ ہی میرے منہ پر برداشت کر سکتے ہیں، کسی دوسرے کی اتنی ہمت کرنے پر وہ چمڑی ادھیڑ دیں گے اس کی۔'' اور یہ تو خیر وہ بھی جانتا تھا، اسی لئے ایک نظر بند دروازے پر ڈال کر گھور کر اس سے بولا۔

''آہستہ بولو، سن لیں گے وہ۔'' زونائشہ نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائی۔

''اب ہاتھ نہ لگانا مجھے؟''

''منہ لگا لوں؟'' اس کے قریب آتے وہ بھرپور شرارت سے بولا، زونائشہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

''شرم تو نہیں آتی تمہیں۔'' وہ کانوں تک سرخ پڑ چکی تھی۔

''اب بیوی سے شرم کرتا تو میں بالکل بے وقوف ہی لگوں گا۔'' وہ اسے قریب کرتے ہوئے بولا۔

''اب بس بھی کر دو یار، مجھ سے پیار سے بات کرنا تو تم گناہ ہی سمجھتی ہو جیسے۔''

''کی تھی پیار سے بات تم سے ہضم نہیں ہوئی تھی۔'' منہ بسورتی وہ اسے مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔

''ویسے معافی مانگنی چاہیے تمہیں مجھ سے اس بکواس کی۔''

''معافی نہیں مانگوں گا، ازالہ کروں گا۔'' اس کی پیشانی سے نرمی سے بال ہٹاتے ہوئے محبت کی مہر ثبت کی تھی، زونائشہ کی دھڑکن اک پل کو رو کی۔

''مجھ سے پوچھو گی نہیں، میں کب مبتلائے محبت ہوا؟''

''نہیں جب مجھے اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ میں کب مبتلائے محبت ہوئی تھی تو تم سے کیا پوچھوں؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ مسکرائی، اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے اس کی کمر کے گرد حصار باندھ کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔

''میری محبت پہ اسی طرح ہی یقین کر لو گی یا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروانا ضروری ہے۔'' اس کے کندھوں پر ٹھوڑی ٹکائے وہ قدرے معصومیت سے بولا۔

''نہیں ثبوت ضروری ہے، میں بغیر ثبوت کے کسی چیز پر یقین نہیں کرتی۔'' اس کے سینے پر سر رکھے وہ دوٹوک بولی۔

''اور اگر میں یہ ثبوت نہ دینا چاہوں تو؟''

''تو دوسرا کمرہ تو وہاں ویسے بھی موجود ہے۔'' وہ مکمل اطمینان سے بولی، وہ کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا۔

''خبردار اگر اب تم نے اس کمرے کو اس نیت کے لئے استعمال کیا، فرشتے ساری رات

لعنت بھیجیں گے تم پر۔'' وہ جیسے اب اسے ڈرا رہا تھا، وہ کھلکھلاتی ہوئی اس سے الگ ہوئی، مگر پھر کسی سوچ نے جیسے اس کی مسکراہٹ سکیٹر دی تھی، ابرو اچکا کر وہ تنک کر بولی۔

''اس رات ہیجڑے کی کس بات پر تم مسکرا رہے تھے؟'' اذان نے کراہ کر آنکھیں بند کیں، یعنی کہ یہ تو طے تھا زونائشہ حیدر آج کی رات آسانی سے ہرگز اسے بخشنے والی نہیں تھی۔

''تمہیں کیا لگا؟'' مبہم سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلی۔

''کوئی ڈیٹ شیٹ فکس کر رہے تھے؟'' مشکوک نظروں سے اسے گھورتی وہ اس کا دماغ بھک سے اڑا گئی تھی۔

''خدا کو مانو زونائشہ میں تمہیں ایسا دکھتا ہوں۔''

''تو پھر کیا آیت الکرسی پڑھ رہے تھے؟''

وہ خفا خفا سی اسے بہت اچھی لگی، مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے وہ ایک قدم اس کے قریب ہوا، زونائشہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ برقرار رکھا۔

''اتنا ظلم۔'' شرارت اس کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی، زونائشہ کے چہرے پر نو لفٹ کا بورڈ آویزاں رہا۔

''ویسے اس طرح سے جیلس ہوتی ہوئی بہت اچھی سی لگتی ہو۔'' اس کی چھیڑ خانی پر وہ تڑخ کر بولی۔

''جیلس ہوتی ہے میری جوتی، اب خبردار میرے پاس آئے تو جانا اپنی اسی شی میل کے پاس۔'' اس کے منہ بنانے پر اذان کا دلکش قہقہہ بے ساختہ تھا، اس نے ابرو سکیٹر کر گھور کر اسے دیکھا، اذان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا، اس کے چہرے کے گرد ہاتھ رکھے وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

''اس نے صرف نام پوچھا تھا مجھ سے، مگر سچ بتاؤں اس رات تم مجھے اتنا بے بس کر چکی تھی کہ مجھے سوائے تمہارے وجود کے ہر چیز سے بے زاری محسوس ہو رہی تھی، اگر غور سے دیکھتی تو جان جاتی وہ مسکراہٹ نہیں تھی، ہونٹوں کو صرف تھوڑا سا کھینچا گیا تھا، زونائشہ اذان، اذان تیمور اپنے تصور میں بھی تمہارے سوا کسی اور کا وجود لانا گناہ سمجھتا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں بے ساختہ نمی سی پھیلی، اذان کے سینے میں چہرہ چھپا کر اس نے پرسکون انداز میں آنکھیں موند لیں، اس اقرار کے لئے اس نے بہت انتظار کیا تھا مگر اب جیسے ہر چیز مکمل تھی، اللہ نے اسے اذان تیمور دے کر اس کا ہر شکوہ ختم کر دیا تھا، اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش، اس کی دعا اذان تیمور، اس کی تشنہ خواہشات کی تکمیل، اس کی مکمل زندگی، اس کا پہلا خواب۔

یہ تو دل تھا کہ تم پر آ گیا
ورنہ ہم قیمتی پتھروں کو بھی اٹھایا نہیں کرتے
یہ مانا کہ تم حسین ہو مگر یہ بھی سن لو
ہم حسین لوگوں سے دل لگایا نہیں کرتے
جس سے کرتے ہیں پیار بس اک بار ہی کرتے ہیں
بار بار ہم بھی کسی کو ستایا نہیں کرتے
تم تو اپنے ہو تم سے کیا پردہ
ورنہ ہم راز دل کسی کو سنایا نہیں کرتے
تم کہہ دو تو تمہارے لئے جان بھی حاضر
ورنہ ہم زندگی داؤ پر لگایا نہیں کرتے

☆☆☆

حیا بخاری

''جو میرا مان، میرا فخر تھا، اس نے میرا سر جھکا دیا۔''

ٹیکساس پہ ایک اور سرد رات ٹھہری تھی، سرد اور خاموش، وہ رونا چاہ رہی تھی، لیکن شاید اس کے اندر کی طرح اس کے آنسو بھی ٹھٹھر گئے تھے۔

''کم آن ہنی! بھول جاؤ اس واقعے کو۔'' وہ اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے نرمی سے بولا۔

''جس پہ اس دل نے سب سے زیادہ اعتبار کیا تھا اسی نے مجھے خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔'' اس کی خوبصورت نیلی آنکھیں جلنے لگیں۔

''بچی ہے، وقت گزرنے کے ساتھ سب سمجھ جائے گی۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے محبت سے بولا تھا، نہ جانے کیوں اس کے ہاتھ جلنے لگے تھے۔

''میں تو خود کو بہت خوش قسمت سمجھتی تھی، یہ تو جانتی ہی نہیں تھی اپنے دل کی سب سے عزیز ہستی کو ہی اپنے نصیب کی سیاہی میں ڈبو دوں گی۔'' اس نے جتنی نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے تھے، مارگریٹ نے اتنی ہی نرمی سے اس کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ نکال لئے تھے۔

''کم آن میری جان، ایک بچی کی چھوٹی سی حرکت کو تم سیریس لو گی، میں تم جیسی میچور عورت سے یہ ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا۔'' اب کی بار وہ بیزاری سے بولا تھا۔

''میں مانتا ہوں اس سے غلطی ہوئی ہے۔''

''غلطی نہیں گناہ ہوا ہے مارک۔'' وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے ترش لہجے میں بولی۔

''اور گناہ کی صرف سزا دی جاتی ہے۔'' اس کا لہجہ قطعی تھا۔

''Just leave it honey معاف کر دو اسے، میں نے کہا نہ کہ وہ آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرے گی، میں خود ہی اس کی نوبت نہیں آنے دوں گا، لیکن میری وجہ سے تم دونوں میں کوئی فاصلہ آئے، یہ میں ہرگز نہیں چاہوں گا۔'' مارک کی سبز آنکھوں میں کتنے ہی رنگ واضح تھے، وہ بخوبی ہر رنگ پہچان سکتی تھی۔

''لیکن۔'' مارک نے اس کے لبوں پہ انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش کرا دیا۔

''تمہیں میرا اعتبار ہے نہ۔'' وہ کچھ بھی نہ بول سکی، سر جھکا گئی۔

''جاؤ، اب رات جو تحفہ لے کر آیا تھا، اس کے دو بڑے پیگ بنا لاؤ، آج ہر بات بھول جاؤ۔'' وہ اس کے قریب ہوا تھا اور بالکل غیر ارادی طور پہ وہ ذرا سا پیچھے کھسکی تھی۔

''میں تمہارے ساتھ زندگی کا ہر پل یادگار بنانا چاہتا ہوں۔'' اس کے سلکی براؤن بالوں میں انگلیاں پھیرتا وہ خمار آلود لہجے میں بولا، مارگریٹ سر ہلاتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئی۔

''Every body wanna steal my girl۔''

''Everybody wanna takes her heart away۔'' مارک گنگنانے لگا تھا۔

☆☆☆

کمرے میں ہیٹنگ سسٹم آن تھا، پھر بھی نہ جانے کیوں اس کا جسم سردی سے سکڑتا جا رہا تھا، اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے لوہا ہوتا وجود ابھی چیخ پڑے گا اور وہ ریزہ ریزہ ہو جائے گی، سامنے نشے میں دھت، قریباً بے ہوش پڑے مارک کو وہ مسلسل گھورے جا رہی تھی، وہ یہ کام مسلسل آدھے گھنٹے سے کیے جا رہی تھی، یوں جیسے اسے دنیا میں اور کوئی کام نہ ہو۔

اور وہ ہمیشہ ہی ایسا کیا کرتی تھی، مارک اس

دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ترین ہستی تھا اس کے لئے، اس کا محبوب، غم گسار، اس کا شوہر، وہ ساری دنیا کو جس کے لئے ٹھوکر مارنے کے لئے تیار تھی، وہ اس کی احسان مند تھی، اس کا خوبصورت چہرہ وہ یونہی گھنٹوں دیکھا کرتی تھی، مارک نے اس سے تب شادی کی تھی جب وہ ایک بیوہ تھی۔

خوبصورت، وجیہہ سراپے کا مالک مارک، اسے لڑکیوں کی کیا کمی تھی، لیکن اس نے مارگریٹ کو چنا، اس سے محبت کی، اسے سراہا، اس کا احسان ہی تو تھا۔

بھلے ہی اس کی جاب بہت اچھی تھی بہ نسبت مارک کی جاب کے، لیکن پھر بھی ایک بیوہ عورت سے کون بیاہ کرتا ہے۔

بھلے میں وہ مارک کی بڑی بڑی خواہشات منٹوں میں پورا کر دیتی تھی، لیکن پھر بھی اس کا احسان ہی تھا کہ اس نے نہ صرف اسے قبول کیا تھا بلکہ اس کی بیٹی کو بھی۔

بھلے ہی گھر بھی مارگریٹ کا ہی تھا، مگر اس محبت کے بدلے میں سب پھر بھی ہیچ تھا، جو مارک نے اسے دی تھی، کیونکہ وہ عورت تھی اور عورت مغرب کی ہو یا مشرق کی، مرد کے سہارے کے ساتھ کی بہرحال اسے خواہش بھی ہوتی ہے، ضرورت بھی۔

مارک ذرا سا کسمسایا تھا، وہ چونکی، اس کے لرزتے شل ہوتے ہاتھ نے حرکت کی اور مارک کے اوپر سے کمبل کھینچ لیا، مارک نے ذرا سی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔

''اتنے دور کیوں بیٹھی ہو، قریب آؤ۔'' اس کے لہجے میں خمار تھا، وہ چپ بیٹھی رہی۔

''آ جاؤ، ایک دو گلاس اور لے آؤ بنا کر۔'' اس کی آنکھیں بے حد لال ہو رہی تھیں، لب نیلے ہو رہے تھے۔

''آج مرنے کا ارادہ ہے کیا؟'' مارگریٹ نے ویسے ہی سرد لہجے میں کہا تھا۔

''تمہارے ہاتھوں مر بھی جاؤں تو تکلیف ہو گی نہ افسوس ڈولی۔'' اور اس کے طرز تخاطب پہ اس کے نیلے پڑتے لب ذرا سا پھیلے تھے، پھر سکڑ گئے تھے، جام چھلک رہا تھا، یہی تو وہ چاہتی تھی، اس نے دو اور جام بنانا شروع کیے۔

☆☆☆

''مارتھا۔'' ناشتے کی ٹیبل پہ ان دونوں کے پاس شاید الفاظ ختم ہو گئے تھے، ورنہ وہ ماں بیٹی ہمیشہ اتنی باتیں کرتے تھے کہ لفظ ختم ہو جاتے باتیں ختم نہ ہوتیں، چھوٹی سی چھوٹی بات کو طول دینا ان دونوں ماں بیٹی کا خاصہ تھی، چھوٹے سے ٹاپک پہ گھنٹوں بحث کر لینا ان کے ہی اختیار میں تھا، لیکن آج ایک دوسرے سے بات کرنے کے لئے ان دونوں کو الفاظ ڈھونڈنے میں مشکل ہو رہی تھی۔

''میں نے تم سے کچھ شیئر کیا تھا رات؟'' نہ جانے کیوں ماں کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

ماؤں کے لہجے شرمندہ بھی ہوتے ہیں جب وہ غلط فیصلہ لے لیں یا لینے لگیں، مارگریٹ کو شاید اس بات سے اختلاف تھا، تبھی وہ بولنے لگی تھی۔

''وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے مارتھا اور مجھ سے بھی زیادہ اسے تمہاری پرواہ ہے۔'' وہ برتن سمیٹنے لگی تھی، یا شاید بولتے ہوئے مارتھا سے نظریں نہیں ملانا چاہ رہی تھی، مارتھا جوس کا گلاس تھامے اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔

''مارتھا نے کتنا قد نکال لیا ہے، خداوند کے کرم سے دن بدن تمہاری طرح پیاری ہوتی جا رہی ہے۔'' وہ برتن دھوتے ہوئے بھی بولے گئی، مارتھا جوس پینے لگی۔

''مارتھا کا خیال رکھا کرو، بڑی ہو رہی ہے، لڑکے اسے دیکھ کر ٹھہرنے لگے ہیں۔'' مارتھا کی طرف اس کی پشت تھی، پھر بھی وہ مارگریٹ کی مسکراہٹ صاف محسوس کر سکتی تھی، مارگریٹ اب صاف کپڑے سے دھلے برتنوں کو خشک کر رہی تھی۔

''مارتھا کے دوستوں پہ نظر رکھا کرو، خاص کر میل فرینڈز پہ She is really very innocent (وہ واقعی بہت معصوم ہے)۔''

''وہ آپ کے بارے میں کیا کہتا ہے گیٹ؟'' وہ خالی گلاس کی شفاف سطح کو دیکھتے ہوئے بالکل اچانک بولی تھی، مارگریٹ کے ہاتھ ایکدم رکے تھے۔

بچپن میں دوسروں کے منہ سے ماں کا نام سنتے سنتے اس نے بھی انہیں مارگریٹ کہنا شروع کر دیا تھا، لیکن صحیح تلفظ نہ ادا کر سکنے کے باعث صرف گیٹ کہہ دیتی، مارگریٹ کو اس لفظ سے اتنی محبت ہوئی کہ اس نے مارتھا کو پھر بھولنے نہ دیا۔

''وہ مجھے بہت پسند کرتا ہے۔'' مارگریٹ اس کی طرف آئی، وہ خوش تھی کہ مارتھا نے اس موضوع پہ بات کرنا تو شروع کیا تھا۔

''اسے میرے سلکی براؤن بال دیوانہ کر دیتے ہیں اور میری نیلی آنکھیں اسے دنیا کی ہر شے سے قیمتی لگتی ہیں۔'' وہ بالکل بے دھڑک کہے جا رہی تھی اور وہ ماں بیٹی ایک دوسرے کی واحد دوست ہی تو تھیں، یوں ہی بے دھڑک ہی ہر موضوع پہ بات کر لیتی تھیں۔

''اسے میری ہائیٹ پسند ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی تھی، مارتھا گلاس میز پہ رکھ کے اب میز کی شفاف سطح پہ انگلیاں پھیر رہی تھی۔

''اور اسے مجھ سے بہت محبت ہے، تبھی تو اس نے اپنے دائیں بازو پہ (M) چھدوایا ہے۔'' وہ واپس کرسی پہ آ کر بیٹھ گئی۔

''مارگریٹ پورا کیوں نہیں لکھوایا؟'' اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں استفسار کیا، ماں ہنس دی۔

''میں نے بھی پوچھا، اس نے کہا ہر کوئی تمہارا نام پڑھ لے وہ بھی میرے ہاتھ سے، میری محبت اتنی ارزاں نہیں ہے۔'' مارگریٹ کے لہجے میں فخر بول رہا تھا۔

''یسوع مسیح آپ پر ہمیشہ رحمت رکھے گیٹ۔'' مارتھا نے بالآخر فیصلہ کن انداز میں سر اٹھایا۔

''تا ابد۔'' اس نے برسوں بعد اپنی ماں کے لہجے اور آواز میں ان کے چہرے، ان کی آنکھوں میں سچی خوشی دیکھی تھی، سو ہر سوچ کو پس پشت ڈال کر ان کو دعا دی تھی۔

''My princess۔'' وہ اس کا ماتھا چومتے ہوئے اسے ساتھ لگا گئیں۔

☆☆☆

اس نے بہت دل سے ماں کی شادی میں شرکت کی تھی، پنک شرٹ کے ساتھ لائٹ گرے سکرٹ میں اس کی خوبصورتی کچھ اور نمایاں ہو رہی تھی، مارک سے وہ مارگریٹ کے جونیئر اسٹنٹ کے طور پہ کئی بار مل چکی تھی، لیکن آج ایک فیملی ممبر کی حیثیت سے ملاقات میں مارک نے واقعی اس بے حد اہمیت دی تھی، سارا وقت اسے ساتھ لگائے رکھا تھا، اس کی کمر کے گرد بعض اوقات اس کی گرفت اس قدر سخت ہو جاتی کہ اسے عجیب سا محسوس ہونے لگتا، مارگریٹ تو مارک کے مارتھا سے اس قدر التفات پہ ہی اس کی مزید احسان مند ہوتی جاتی۔

سادہ سی تقریب کے اختتام پہ ہی وہ لوگ نئی گاڑی میں بیٹھ کر انہی کے گھر واپس آئے تھے،

جو مارگریٹ نے ہی مارک کی فرمائش پہ اسے شادی کا تحفہ گفٹ کی تھی، وہ کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھے گپ شپ کرتے رہے تھے، پھر مارگریٹ چائے بنانے کے لئے اٹھی تو مارتھا بھی اٹھ گئی، اپنے پیچھے آہٹ سن کر وہ تیزی سے پلٹی تھی، وہ مارک تھا، مارتھا کو ہمیشہ کی طرح نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں سے گھن آئی تھی، اس کی آنکھوں کا رنگ عجیب تھا، سبز مائل، نہ مکمل سبز، لیکن سبز جیسا، شاید سانپ جیسی یا شاید، وہ کوئی اور اس کی آنکھوں جتنا زہریلا رنگ نہ تلاش کر سکی۔

مارک چند لمحے بغور اسے دیکھتا رہا، پھر ایک دم سے اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کے ہاتھ کی پشت پہ اپنے لب رکھ دیئے، مارتھا تیزی سے ہاتھ چھڑوانے لگی، ایک مرتبہ پھر قدموں کی چاپ ابھرنے لگی، مارتھا گھبرا گئی، وہ ہاتھ کھینچ گئی، لیکن مارک کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ ناکام رہی، وہ اسے دیکھتا مسکرا رہا تھا، قدموں کی چاپ قریب آ گئی تھی، مارگریٹ سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹک کر رکی تھی، چائے نہ جانے کیوں چھلک سی گئی تھی، مارتھا تو گویا پتھر کی ہو گئی تھی، تبھی اچانک مارک زمین پہ بیٹھ گیا تھا۔

"Thanks my little princess (میری ننھی شہزادی کا شکریہ)۔" وہ اٹھا اور مارگریٹ کے گرد اپنے بازو حمائل کر دیئے۔

"To bring me so closer to my love (مجھے میری محبت کے اس قدر قریب لانے کے لئے)۔" اس نے بائیں آنکھ دبائی تھی، مارگریٹ کھلکھلا دی تھی اور سر مارک کے کشادہ سینے پہ جما دیا تھا، مارتھا مسکرا بھی نہ سکی تھی۔

☆☆☆

وہ پہلے بھی کم گو سی تھی، صرف ماں کے ساتھ باتوں میں اس سے کوئی بھی نہ جیت سکتا تھا، لیکن اب نئی زندگی کی شروعات میں ماں کی مصروفیات کو سمجھتے ہوئے وہ زیادہ وقت دوستوں کے ساتھ گزارنے لگی تھی، ماریہ اس کی سب سے بہترین دوست، وہ اکثر رات بھی اس کے گھر رک جاتی یا اسے مجبور کر دیتی اپنے گھر رہنے کے لئے، وہ جس قدر ہو سکتا تھا اپنی ماں اور مارک کے لئے آسانی کر رہی تھی، کہ وہ ایک دوسرے کو مزید جان لیں، اپنی نئی زندگی کو انجوائے کر سکیں، بچپن کے بعد پاپا کی ڈیتھ کے بعد اس نے کافی عرصے بعد ماں کو اتنا خوش، ہنستے، قہقہے لگاتے دیکھا تھا، وہ ان کو مزید خوش دیکھنا چاہتی تھی۔

مارگریٹ کے گلابی ہونٹوں پہ مسکان اترتی تو اس کے گلابی ہونٹ خود بخود کھل کھل جاتے، مارگریٹ اور مارک چھٹیوں پہ کہیں جانا جا رہے تھے، انہوں نے اسے بھی پیکنگ کے لئے کہا، مگر وہ انکار کر گئی۔

"تم انجوائے کرتیں ہمارے ساتھ۔" مارگریٹ کو اس کے انکار پہ تاسف ہوا۔

"Its toue but i won,t۔" وہ آرام سے منع کر گئی۔

مارک چپ چاپ ناشتہ کر رہا تھا، ماں بیٹی کی گفتگو میں اس نے حصہ نہ لینا ہی مناسب سمجھا تھا۔

"لیکن تم گھر میں اکیلے کیسے؟" مارگریٹ پریشان تھی۔

"گیٹ۔" مارتھا اٹھتے ہوئے بولی۔

"ماریہ میرے ساتھ ہو گی، ورنہ میں اس کی طرف چلی جاؤں گی، آپ لوگ انجوائے کرو۔" وہ خالی برتن سمیٹ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"لیکن مارتھا.......؟"

"میری...... کم آن۔" مارک پہلی مرتبہ بولا ان دونوں کے درمیان۔

"بچی کو تنگ نہ کرو، وہ شاید میری موجودگی میں کمفر ٹیبل فیل نہیں کرتی۔" مارک کی بات پہ برتن دھوتی مارتھا کے ہاتھ رکے تھے۔

"Oh really"۔ مارگریٹ حیران تھی، مارتھا نے خود کو سنبھالا۔

"Not really"۔ وہ ہاتھ پونچھتی ان کی طرف آئی، چہرے پہ بااعتماد مسکراہٹ سجی تھی۔

"مجھے بھی آپ کے ساتھ جانے میں خوشی ہی ہوتی، لیکن ہمیں اپنے Subjects کے متعلق کچھ ریسرچ کرنی ہے، اسائمنٹ بنانے ہیں جو بے حد اہم ہیں، پھر آپ دونوں مل کر اپنی زندگی کے نئے سفر کو انجوائے کریں، میرے لئے یہ بھی اہم ہے، اس سال نہ سہی، اگلے سال سہی After all we are a family"۔ آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگا لیا۔

"میں پیکنگ کرلوں۔" مارگریٹ خوشی سے نہال کمرے کی طرف چل دیں، مارتھا دوبارہ برتن دھونے لگی، مارک نے باقی بچے برتن اٹھائے اور اس کی طرف آ گیا۔

"چلو اس سال نہ سہی، اگلے سال ہی سہی، میں انتظار کرلوں گا۔" سرگوشی کرتا وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا، مارتھا ہل نہ سکی تھی۔

☆☆☆

"تمہاری امی کی شادی کو ابھی صرف ایک ماہ ہوا ہے اور تم یوں سوچنے لگی ہو۔" مارک کو لے کر اس کا دل عجیب سا پریشان رہنے لگا تھا، ان دونوں کے جانے کے کچھ دن بعد بالآخر اس نے اپنی پریشانی ماریہ سے شیئر کی تھی۔

"کیا مطلب سوچنے لگی ہوں؟" مارتھا نے بھنویں اچکائیں۔

"مجھے صرف ایسا محسوس ہوتا ہے۔" اس نے تصحیح کی۔

"ہاں تو ایک ہی بات ہوئی۔" ماریہ سامنے رکھے پیزا پہ ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی۔

"ایک ہی بات نہیں ہے، صاف بات ہے کہ میں ان کے بارے میں سوچتی نہیں بلکہ ان کے عمل سے مجھے کچھ خوف محسوس ہوتا ہے، جسے وہ مما، میں نہیں بلکہ مجھ میں......" وہ بات مکمل نہ کر پائی تھی، ماریہ ہنسنے لگی تھی، مارتھا اسے خفگی سے گھورنے لگی۔

"مجھے کہنے دو، تم اپنی ماں سے جیلس ہونے لگی ہو۔" وہ ہنستے ہنستے دہری ہو گئی۔

"او گاڈ، وہ کس لئے؟" مارتھا کا تو منہ کھل گیا۔

"سارے ٹاؤن کی لڑکیاں باتیں کرتیں ہیں تمہارے اس ہیرو ڈیڈی کی، اتنا ینگ، ہینڈسم اور اس کے خوبصورت چہرے پہ وہ ہلکا بھورا، رواں...... اف۔" ماریہ مارک کے ذکر پہ کچھ زیادہ ہی ایکسائیٹڈ ہونے لگی، مارتھا نے اسے چٹکی کاٹی، وہ ہاتھ سہلانے لگی۔

"اور اس کی وہ سبز آنکھیں......" اس نے مارتھا کو مزید چڑایا۔

"بے کار ہے سب...... اور اس کی سبز آنکھیں...... ہم۔" مارتھا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جہنم میں جلتے شیطان کی آنکھوں جیسی۔" مارتھا کی بات پہ ماریہ مسکرا دی۔

"اور پھر میں گیٹ کی شادی سے پہلے اس کو جانتی ہوں، وہ مما کے آفس میں جونیئر پوسٹ پہ کام کرتا ہے، لیکن وہ مجھے اس وقت بھی ایسا ہی فیل دیتا تھا۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"تو تم اس وقت اپنی مما کو منع کر دیتیں شادی کے لئے۔"

''گیٹ مارک کو لے کر اس قدر خوش تھیں، میں منع نہیں کر پائی۔'' وہ انگلیاں چٹخانے لگیں۔

''کم آن مارتھا۔'' ماریہ نے اس مرتبہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسے تسلی دی۔

''تم ابھی صرف اٹھارہ سال کی ہو، میں جانتی ہوں دوسرے معاشروں کی نسبت ہمارے معاشرے میں لڑکیاں جلدی بڑی ہو جاتی ہیں، مرد اور عورت کے درمیان کی تمام باریکیوں کو جان لیتی ہیں، مگر پھر بھی تم ابھی بہت کم عمر ہو یہ سب سمجھنے کے لئے۔'' اسے رسانیت سے سمجھا رہی تھی۔

''تمہاری ماما نے تمہارے لئے کئی سال بے حد مشکل گزارے ہیں، ان کے لئے اور مشکل پیدا نہ کرو۔''

''ان کے لئے ہی تو آسانی کی ہے، مشکل میں پھنستے ہوئے تو مجھے اپنا آپ لگ رہا ہے۔'' وہ بڑبڑائی، ماریہ نے کانوں میں ہینڈ فری اڑس لئے تھے۔

☆☆☆

مارگریٹ اور مارک دس دن تک ہی لوٹ آئے تھے، سردی کی وجہ سے مارگریٹ بیمار پڑ گئی تھیں، آتے ہی بستر پہ گر گئیں۔

''میں تمہارے لئے سوپ بنا کر لاتا ہوں، پھر دوائی لے لینا۔'' مارک سامان رکھنے کے بعد بولا، ماں کے ساتھ بیٹھی مارتھا اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ ریسٹ کریں، میں بنا لیتی ہوں۔''

''نہیں، تم ماں کے پاس بیٹھو، میں فریش ہوں۔'' وہ کہہ کر چلا گیا، مارتھا نے ماں کی طرف دیکھا، وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مسکرا دیں۔

''مس کیا ہم دونوں نے تمہیں؟'' ماں نے اس کا ہاتھ چومتے ہوئے بتایا۔

''مجھ سے زیادہ مارک کو تمہاری فکر رہی۔'' وہ بھی سوچنے لگی، مارک کو وہ شاید کچھ زیادہ ہی Negative لے رہی تھی، اسے خود پہ غصہ آیا۔

''وہ واقعی بہت اچھے ہیں۔'' اس نے دھیرے سے اعتراف کیا، جبکہ دل مسلسل انکاری ہی رہا۔

''تمہارے پاپا کی طرح؟'' ماں نے کریدا۔

''شاید...... کبھی میں یہ بھی کہہ سکوں۔'' وہ امید سے مسکرائی، مارگریٹ نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

''اوکے گیٹ Will see you۔'' وہ کالج کے لئے نکلتے وقت ماں کے گال چومتے ہوئے بولی۔

''رکو، میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' مارک اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں چلی جاؤں گی۔'' وہ متذبذب تھی۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے مارک، روز تو میرے ساتھ چلی جاتی ہو، اب تو تینوں ساتھ ہی نکلیں گے۔'' مارگریٹ مسکرائی۔

''شہر کے حالات بھی دیکھ رہی ہو، میں راستے میں چھوڑتا جاؤں گا نہ۔'' مارک ریڈی تھا، وہ سر ہلاتی اس کے ساتھ باہر چلی آئی، مارک گنگنا رہا تھا، اس نے آگے بڑھ کر مارتھا کے لئے فرنٹ ڈور وا کیا، وہ کچھ سوچتے ہوئے بیٹھ گئی، مارک نے بیٹھتے ہوئے ہلکی سی آواز میں میوزک بھی آن کر دیا۔

''سو کیسی جا رہی ہیں تمہاری سٹڈی۔'' مارک کی مادری زبان French تھی، لیکن وہ ان کے ساتھ انگلش میں ہی بات کرتا تھا۔

''بہت اچھی۔'' اس نے سامنے دیکھتے ہوئے گانے پہ سر دھنتے ہوئے جواب دیا تھا، اس

کی بے توجہی محسوس کر کے مارک نے ایک گہری نظر اس کے سراپے پہ ڈالی تھی، سلیولیس ڈھلکی سی شرٹ، بلیک شارٹ سکرٹ، اس کا سڈول سا سراپا اس کا دل دھڑکانے لگا، مارک کی سانسیں تیز ہونے لگیں، اس نے لمبی سانس لے کر خود کو نارمل کیا تھا۔

"Are you alright?"۔" مارتھا پریشان ہوگئی۔

"Yeah"۔" وہ مختصر جواب دے پایا۔

"تمہیں نہیں لگتا ہمارے درمیان اب دوستی ہو جانی چاہیے۔" کافی دیر بعد مارک نے مسکراتے ہوئے گفتگو شروع کی تھی۔

"میرے خیال میں تو دوستی سے زیادہ مضبوط رشتہ ہے ہمارا، گیٹ کی نسبت سے آپ کافی اہم ہو میرے لئے۔" اس نے سادہ لہجے میں جواب دیا۔

"میں اس رشتے کے علاوہ بات کر رہا ہوں، دوستی میں کوئی قباحت نہیں۔" وہ مسکرایا۔

"اس بات پہ میں پہلے ہی آپ کو جواب دے چکی ہوں۔" اور واقعی وہ مارگریٹ سے تعلق سے بہت پہلے اسے دوستی کی آفر کر چکا تھا، مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔

مارتھا گاڑی سے باہر دیکھنے لگی، اس کی منزل آگئی تھی، مارک نے گاڑی اس قدر اچانک روکی تھی کہ اسے شدید جھٹکا لگا، وہ ڈیش بورڈ سے ٹکرانے لگی تھی کہ مارک نے اسے سنبھال لیا، مضبوط چوڑے ہاتھوں نے اسے جیسے خود میں سمیٹ لیا تھا، وہ جھٹکا کھا کے اس سے دور ہوئی تھی۔

"تم ٹھیک ہو۔" اس کی سڈول تھرتھراتی ٹانگ پہ ہاتھ جماتا وہ اس کے قریب ہوا تھا، مارتھا نے جواب دینا ضروری نہ سمجھا تھا، دروازہ کھول کے باہر نکل گئی تھی، وہ دیر تک مسرور سا وہاں بیٹھا اسے محسوس کرتا رہا۔

☆☆☆

اس دن وہ نہ آفس جا سکا تھا نہ گھر، یونہی سارا دن سگریٹ پھونکتا سڑکیں ماپتا رہا تھا دل، ذہن، بدن سب کلبلاتے کیڑے بن گئے تھے، انگاروں میں دہکنے لگا تھا اس کا سارا وجود۔

"بس اور انتظار نہیں...... ایک بار میری آغوش میں آجائے، مارک انتھونی کی وجاہت کو پھر رد کرنا کسی کے بس کی بات نہیں، کب تک پھڑ پھڑائے گی، میں بھی دیکھتا ہوں۔" اس نے جلتی سگریٹ ہاتھ پہ لکھے (M) میں گھسیڑ دی تھی، اس کی آنکھیں جلنے لگیں تھیں، سرخ انگارہ، جہنم دہک اٹھا تھا۔

"میں آج رات تمہارے پاس سٹے کروں گی؟" وہ گھر کے لئے نکل رہے تھے، جب مارتھا نے اسے بتایا۔

"مگر ہم لوگ تو آج ڈیوڈ انکل کی طرف رہیں گے، یونو ان کے اکلوتے بیٹے کی پہلی سالگرہ ہے، ساری رات جشن رہے گا۔" ماریہ نے فوراً معذرت کی۔

"پھر تم نے بتایا تھا کہ مارگریٹ آنٹی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔" اسے یاد آیا۔

"مارک ہیں نہ گیٹ کے ساتھ۔" وہ چاہ کر بھی لہجے کی تلخی کم نہ کر سکی جو ماریہ نے فوراً پکڑ لی۔

"تمہیں ان کے رشتے سے پرابلم ہونے لگی ہے۔" ماریہ کے لہجے میں تاسف تھا۔

"Shut up maria"۔" مارتھا نے فوراً کہا، ماریہ خاموش ہوگئی۔

"او کے پھر میں چلتی ہوں۔" مارتھا نے سامنے ہی سڑک کنارے کھڑے گاڑی کے

بونٹ پہ بیٹھے مارک کو دیکھ کر کہا۔

"He is really handsome۔" ماریہ نے مسکراتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا اور ہاتھ ہلاتی ایک طرف بڑھ گئی، مارتھا مرے مرے قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھ گئی، اسے دیکھتے ہی مارک نے ایک مرتبہ پھر اس کے لئے دروازہ کھول دیا تھا، جسے مکمل نظر انداز کرتی وہ پچھلی سیٹ پہ بیٹھ گئی، مارک لب کچلتا سیٹ سنبھال گیا تھا، ایک غصیلے نگاہ بیک ویو مرر میں مارتھا پہ ڈالی تھی، وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، مارک نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

☆☆☆

مارگریٹ کی طبیعت قدرے سنبھل چکی تھی، لیکن نقاہت سی طاری ہو رہی تھی، مارک کھانے کے برتن سمیٹنے لگا تو مارتھا ماں کو لئے کمرے میں آ گئی۔

"تم دونوں میری متاع ہو، کس قدر خوش قسمت ہوں میں تم جیسے ہم سفر ملے۔" بیڈ پہ لیٹتے ہوئے مارگریٹ نے تشکر بھرے لہجے میں کہا، مارتھا مسکرا کر واپس جانے لگی، کہ مارگریٹ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کچھ دیر میرے ساتھ بیٹھ جاؤ۔" وہ بیٹھ گئی، تبھی مارک نے کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔

"گرین ٹی ہو جائے لیڈیز۔" اس کا موڈ خوشگوار تھا۔

"شیور۔" مارگریٹ نے جواب دیا، مارتھا ماں کے ہاتھ تھامے خاموش رہی۔

"تمہیں مارک سے کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔" مارگریٹ کے اچانک سوال نے اسے بوکھلا دیا۔

"مم...... مجھے......" وہ ہکلا گئی، مارگریٹ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم خوش ہو نہ مارتھا؟" ان کی نظریں اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔

"بہت زیادہ گیٹ، آپ کے لئے بہت زیادہ۔" اس نے ماں کا ہاتھ ذرا سا دبایا تھا۔

☆☆☆

"Leave me please۔" مکمل طور پہ نشے میں ہونے کے باوجود بھی نہ جانے کس طرح اس کی حسیات بیدار تھیں، اپنے تئیں مارک نے اسے زیر کرنے کے لئے اس کی اور مارگریٹ دونوں کی گرین ٹی میں نشہ آور ادویات ملا لیں تھیں، آج کی رات وہ کوئی ڈسٹربنس نہیں چاہتا تھا، آج اسے ہر حال میں اپنا شکار چاہیے تھا، لیکن اسے تب حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب اس نے دیکھا کہ مارتھا پہ اس کا اثر بے حد کم ہوا تھا۔

"دوا تو اثر ہی نہیں کر رہی میلکم۔" اس نے فوراً اپنے ایک لوفر دوست کو فون کھڑکا دیا تھا۔

"کتنی گولیاں ڈالیں؟"

"ایک۔"

"Bro ایک گولی سے تو آنکھیں بند نہیں ہوتیں، تین چار ڈالنی تھیں۔" اور وہ اپنا سر پیٹتا رہ گیا تھا، تب اسے یہی حل بہتر لگا کہ اسے مہنگی ترین شراب کے نشے میں دھت کیوں نہ کر دے، تاکہ وہ مدہوش بھی رہے اور ہوش میں بھی، اسے یہ آئیڈیا پسند آیا تھا، اس نے اوپر تلے زبردستی مارتھا کو دو جام پلا دیئے تھے وہ مارگریٹ کو مکمل فراموش کر چکا تھا، اس کا خیال تھا وہ بیمار تھی، اس کے لئے نشے کی ایک گولی بھی کافی ہوگی، لیکن یہ خام خیالی ہی تھی۔

اس نے تیسرا جام کسی طرح اس کے گلابی لبوں میں انگلیاں ٹھوس ٹھوس کر انڈیل دیا، وہ

بچتی بچتی بھی بہت سارا پی گئی۔

"Oh God, please save me (خدایا تو مجھے بچالے)۔" اس نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا، وہ اب بس میں آنے لگی تھی، مارک نے مسکراتے ہوئے جام اچھال دیا اور اسے خود میں بھینچ لیا، مارتھا نے دونوں ہاتھوں سے اس کی شرٹ پکڑ کر خود کو چھڑانا تھا، مگر بے سود۔

"گے...... گے...... گیٹ۔" مارتھا بے جان لہجہ میں سسک اٹھی تھی، تبھی دروازہ دھڑام سے کھلا تھا، مارتھا بے جان ہو چکی تھی اور مارک کا سارا شیطانی طنطنہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا، اس نے کسی نازک شیشے کی طرح مارتھا کو ہاتھوں پہ اٹھا کر بیڈ پہ ڈالا، مارگریٹ مرے مرے قدموں سے آگے آئی، مارک نے نیچے پڑا جام پیروں سے نیچے کھسکا دیا۔

"گیٹ!" بند ہوتی آنکھوں سے بھی مارتھا اسے پکارنا نہ بھولی تھی، مارک نے دل ہی دل میں اس لڑکی کو غلیظ گالی سے نوازا تھا۔

"God۔" مارگریٹ گرنے لگی تھی، مارک نے تیزی سے اسے سنبھال لیا، مارک کی کھلی شرٹ، مارگریٹ کی آنکھیں جلنے لگیں۔

"اسے کسی دوست نے بہت زیادہ پلا دی تھی، میں اسے سنبھال کے کمرے تک لے آیا..... پھر۔" وہ رکا۔

"تم جانتی ہو، اس عمر میں یوں اس قدر نشہ، اس کا قصور نہیں تھا، وہ مجھے شاید اپنا کوئی دوست سمجھی ہو گی، مجھے پتہ ہوتا کہ وہ میرے ساتھ ہی ایسا......" وہ اسے بیڈ پہ لٹا دیا۔

"تھینکس گاڈ، کہ اسے نیند آ گئی ورنہ......"

"میں تو اس قدر شاکڈ رہ گیا تھا کہ سب برباد ہو جاتا...... خیر آرام کرو تم...... میں ہوں نہ۔" وہ اسے ساتھ لٹا کر تھپتھپانے لگا تھا، مارگریٹ سو نہ سکی تھی۔

☆☆☆

دوسرے دن صبح سویرے ہی مارتھا کہیں چلی گئی تھی، نشے میں دھت ہونے کے باوجود اسے اپنے کمرے میں ماں کا آنا یاد تھا، اس نے صرف خط لکھ کر دو جملے کہے تھے ماں سے۔

"You know i can,t trust me gate۔" مارگریٹ نے وہ خط ماریہ کو بھجوا دیا تھا، صرف دو ہی جملے مزید لکھ کر۔

"I wish, we never meet again, atleast in this life۔" مارتھا ان کا جملہ پڑھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، دن گزر گیا تھا، قیامت خیز دن، رات آ گئی تھی، جہنم کی طرح سرد رات۔

اس نے آنکھیں کھولیں، وہ ابھی تک وہیں بیڈ پہ لیٹا تھا، ہاتھ بھی ابھی تک مارگریٹ کی طرف بڑھا ہوا تھا، اس نے جلتی آنکھوں کو رگڑا اور جام بنانے لگی۔

"تمہارے ہاتھوں مر بھی جاؤں تو تکلیف نہ ہو ڈولی۔" اس کے کانوں نے دوبارہ سنا۔

"دیکھ لو پھر الزام نہ دینا۔" وہ مخروطی گلاس میں شراب ڈالتے ہوئے بولی۔

"یسوع مسیح کی قسم، صرف تمہارے لئے تو تمہاری ماں کو برداشت کر رہا ہوں، ویسے ایک بات بتاؤں۔" وہ ذرا سا ادھر ہوا تھا، سرگوشی کرنے کے لئے اور اس کا سر بیڈ سے نیچے لڑھک آیا تھا، اس کی گردن میں درد ہوا، مارگریٹ کا دل پھسلا۔

"مجھے مدد کرواٹھنے میں۔"

"میرے لئے اتنا بھی درد برداشت نہیں کر سکتے۔" وہ جام انڈیلنے لگی، دوبارہ...... بار بار...... ایک جام سے دوسرے جام میں۔

"کہہ تو رہا ہوں، تمہاری ماں کو برداشت کر رہا ہوں، ویسے کر نہ پاتا، لیکن تم لے لو، تمہاری ماں، تمہاری کاربن کاپی ہے، وہی بھورے بال، نیلی آنکھیں، دراز قد، اف اتنی عمر میں بھی نشیلی آفت ہے آنٹی۔" وہ کمینگی سے ہنسا تھا، مارگریٹ کی گرفت کانچ کے گلاس پہ اور سخت ہوئی تھی۔

"لیکن تم کہاں اور وہ کہاں، بس اب آ جاؤ اور انتظار نہیں، پلیز ڈیئر مارتھا۔"

"Come and make my dreams true۔" وہ مزید بہکا اور قریب ہوا اور دھڑام سے بیڈ کے نیچے آ رہا، مارگریٹ کے گلابی لب پھیل گئے، اس نے دونوں گلاس اس کے منہ سے لگا دیئے، گلاس پلاتے وقت اس نے یوں ایک ہاتھ سے اس کا سر تھام رکھا تھا جیسے وہ کوئی چھوت ہو، دو جام خالی ہوتے ہی اس نے اسے نیچے گرا دیا تھا اور ذرا سا دور کھسک گئی تھی۔

مارک اب بھی نیم مدہوشی میں مارتھا کو پکار رہا تھا اور پھر اچانک وہ جھٹکا کھا کر سیدھا ہوا تھا، اس کے ہاتھ پاؤں لمبے ہونے لگے تھے، مارگریٹ کے ہونٹوں پہ زخمی مسکراہٹ ابھر آئی، مارک نے عجیب سی آواز گلے سے نکالی اور زبردستی آنکھیں کھول دیں۔

مارگریٹ نے ایک زہریلی نگاہ اس کے نیلے پڑتے وجود پہ ڈالی تھی اور ساتھ پڑا قلم کاغذ اٹھا کر لکھنا شروع کیا۔

"تو نے مجھے کیا پلایا ہے۔" غلیظ موٹی گالی سے نوازتا وہ اس سے پوچھ رہا تھا، اس کی آواز اٹک رہی تھی، سانسیں اکھڑنے لگیں تھیں، وہ لکھتی رہی۔

"To, my love, my doll, martha (میری محبت میری گڑیا مارتھا کے لئے)، تم نے میرے لئے آسانی کی تھی، میں نے تمہارے لئے کر دی، اب کوئی مارک تمہیں غلیظ نظروں سے نہیں دیکھ پائے گا، یسوع مسیح تم پہ مہربان رہے تا ابد۔" اسے زور سے ابکائی آئی تھی، منہ سے خون کی پھوار نکلی اور مارک کا چہرہ لال کر گئی، وہ ساکت ہو چکا تھا، اس نے قریب پڑا فون اٹھایا، وہ پولیس کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

"I have killed my husband۔" اس کے ہاتھوں سے ریسیور گر گیا، گلے میں جیسے پھندا سا اٹکا اور گردن صوفے کی سیٹ پہ ڈھلک گئی، آشا جال نے دونوں پرندوں کا دم گھٹ دیا تھا، باہر دسمبر گہرا ہوتا جا رہا تھا، سردی بڑھتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

جو رکے ہیں سنگ سمیٹ لو
شبانہ شوکت

گیٹ پر نظر پڑتے ہی دانیال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی، اس نے کیب سے اپنا سامان نکال کر گیٹ کی سائیڈ پر رکھا اور کیب ڈرائیور کو کرایہ دے کر فارغ کیا، اس کے جانے کے بعد وہ واپس مڑا، ستون پر لگی بیل بجا کر سائیڈ میں یوں کھڑا ہو گیا کہ گیٹ کھولنے والے کو فوراً نظر نہیں آ سکتا تھا، افضل نے گیٹ کھول کر حیرت سے پہلے سامنے دیکھا، پھر دائیں طرف دیکھ کر بائیں گردن موڑی ہی تھی کہ دانیال آگے ہو کر سامنے آ گیا۔

''دانیال صاحب آپ؟'' وہ چیخ مارنے کے لئے تیار ہوا مگر دانیال نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

''اوہوں، اندر بھی ابھی مت بتانا بلکہ ایسا کرو، تم سامان اٹھا کر لے آؤ، میں خود جا کر انہیں سرپرائز دوں گا۔'' وہ مسکراتا ہوا اندر آیا جہاں لاؤنج سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں، وہ لاؤنج کے دروازے تک آیا، سب ٹی وی کی طرف متوجہ آپس میں کچھ ڈسکس کر رہے تھے، اس نے کھلے دروازے پر دستک دی۔

''السلام علیکم!''

عمر لالہ، ثانیہ بھابھی اور زینیا سب کی گردنیں ایک ساتھ گھومی تھیں، اسے دیکھ کر کچھ دیر کو تو وہ سب یوں ساکت ہو گئے جیسے کسی نے اسٹاپ کا بٹن دبا دیا ہو، پھر سب سے پہلے شہریار ہوش میں آیا تھا۔

''دانی کا کا۔'' وہ اٹھ کر دوڑتا ہوا آیا اور چھلانگ مار کر اس کے اوپر آ گرا، اس کی گردن کے گرد بازو اور کمر کے گرد ٹانگوں کی قینچی ڈال کر لپٹ گیا، اس نے بمشکل اپنا توازن برقرار رکھا اور ہنستے ہوئے اسے مزید بھینچ لیا۔

''واٹ آ سرپرائز؟''

مکمل ناول

''یار یہ تو بڑا زبردست سرپرائز دیا ہے تم نے؟'' عمر لالہ بھی قریب آ گئے تھے، فرداً فرداً سب سے ملتا وہ عمر لالہ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا، ثانیہ بھابھی نے پاس بیٹھ کر باقاعدہ اس کا کان کھینچا۔

''یہ کیسا سرپرائز ہے، عجیب وغریب؟''

''ہیں یہ کیا کہہ رہی ہیں بھابھی، میں تو سمجھا تھا کہ خوشی سے بے حال ہو جائیں گی لیکن آپ ناراض ہو گئیں۔''

''نہیں اگر بتا کر آتے تو کیا زیادہ بہتر نہ ہوتا۔''

''خواہ مخواہ آپ سارا دن انتظار کرتے، اچھا نہیں ہوا میں نے اس زحمت سے بچا لیا۔'' سب ہنس پڑے تھے۔

''یہ تو ہے، چلو ثانیہ اچھی سی چائے ہی پلوا دو۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے لالہ، کیسی اچھی بات کی ہے آپ نے ورنہ بھابھی کا تو کوئی ارادہ ہی نہیں لگ رہا کچھ کھلانے پلانے کا۔'' ثانیہ بھابھی اس کی بات پر ہنستی ہوئیں لاؤنج سے باہر چلی گئیں، وہ سب خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆

عمر حسین اور دانیال حسن آپس میں کزن تھے، دانیال اپنے بڑھاپے کی اولاد تھا، عمر کے چچا اور چچی کو اللہ تعالیٰ نے سولہ سال بعد اولاد کی نعمت سے نوازا تھا، دانیال سے پہلے ایک بہن پیدا ہوئی، جو پیدائش کے کچھ ہی دیر کے بعد انتقال کر گئی، اس کے تین سال بعد دانیال پیدا ہوا تو عمر کی چچی کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اسے کہاں چھپا کر رکھیں کہ کوئی بیماری، کوئی تکلیف اسے چھو نہ پائے، حقیقتاً اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا تھا، نہ صرف اس کے اپنے والدین بلکہ تایا تائی (عمر کے والدین) بھی اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

پھر پہلے عمر کے والدین کا انتقال ہوا اور جب دانیال سولہ سال کا تھا تو اس کے لئے ہر مصیبت سے ڈھال بننے والے اس کے بے پناہ محبت کرنے والے ماں باپ بیماریوں میں مبتلا ہو کر یکے بعد دیگرے، پانچ سال کے وقفے میں انتقال کر گئے، تو تایا زاد بھائی عمر اسے اپنے پاس لے آئے تب ان کا شہریار بھی بارہ سال کا ہو چکا تھا اور زینیا آٹھ سال کی، ثانیہ بھابھی اس کا اپنے دونوں بچوں کی طرح ہی خیال رکھتیں اور شہریار اور زینیا بھی اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، عمر لالہ نے اسے میڈیکل کی تعلیم دلوائی بلکہ اس کی خواہش پر اسے سرجری کی مزید تعلیم کے لئے امریکہ بھجوا دیا Jhon hopkins university baltimore maryland میں اپنی سرجری کی تعلیم مکمل کر کے اب وہ ایک مکمل سرجن تھا، سرجن دانیال، جسے Jhon hop kin hospital والوں نے ملازمت کی پیشکش کی جہاں وہ صرف ایک سال وہاں کام کر کے اس نے پاکستان واپس آنے کو ترجیح دی کیونکہ اس کا یہ اپنے آپ سے وعدہ تھا کہ وہ پاکستان میں ہی کام کرے گا، پاکستان میں ہی رہے گا، سو وہ سب کچھ وائنڈ اپ کر کے اپنے وطن لوٹ آیا تھا، عمر کی بیٹی زینیا (Zynia) بھی اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ڈاکٹر بننا چاہتی تھی اور اب میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی، اس سلسلے میں وہ دانیال سے مشورے لیتی رہتی تھی، اسکائپ پر ہر روز ان کی بات چیت دانیال سے ہوتی رہتی تھی، دانیال نے انہیں بالکل محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ پاکستان آ

رہا ہے اب سب ایکسائیٹڈ ہو رہے تھے، چائے پینے کے دوران بھی باتیں ہوتیں رہیں۔
''کہاں اپلائی کرنے کا ارادہ ہے دانی؟''
''دو چار بڑے بڑے ہاسپٹلز سے کانٹیکٹ کیا ہے، اب دیکھیں کہاں سوٹ کرتا ہے۔''
''کلینک نہیں کریں گے دانی کاکا، میں آپ کے ساتھ بیٹھوں گی۔'' زینیا نے استفسار کیا۔
''ایکچوئلی مجھے دو بڑے ہاسپٹلز نے آفر کیا ہے، اگر تو مجھے ٹائمنگز سوٹ کیں تو دونوں میں جاب کر لوں گا ورنہ پھر الگ سے اپنا چھوٹا سا کلینک ٹائپ ہاسپٹل کھولنا پڑے گا۔''
''چلو آرام سے Consider کر لینا۔''
☆☆☆
پھر دانیال نے دو ہاسپٹلز والی جاب ہی مناسب سمجھی تھی، سو اب دن رات مصروف تھا، اس دن وہ بہت تھکا ہوا آیا، کیونکہ تین چار سرجری کیس تھے، جنہیں نمٹاتے نمٹاتے چار بج گئے تھے، شام کی شفٹ والے ہاسپٹل میں اس نے فون کر کے کہہ دیا تھا کہ سوائے ایمرجنسی کے اسے نہ بلایا جائے، بہت ہلکا پھلکا سا لنچ لے کر وہ کافی سیپ کر رہا تھا کہ زینیا چلی آئی۔
''میں آپ سے سخت ناراض ہو دانی کاکا۔''
''ارے ارے میری جان، مجھ سے کیا گستاخی ہو گئی؟'' وہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا، وہ دھپ سے اس کے برابر آ بیٹھی، منہ پھولا ہوا تھا۔
''اس سے تو اچھا تھا آپ وہیں رہتے، کم از کم اسکائپ پر ہر روز بات تو ہو جاتی تھی، یہاں تو آپ کو دیکھنے سے بھی ترس گئے۔''
''اوہ، آئی ایم رئیلی ویری سوری، مائے ڈارلنگ میں کیا کروں بالکل ٹائم نہیں مل پا رہا، آج اتنے زخمی آئے کہ سرجری کر کر کے یہ ٹائم ہو گیا، آج تو میں سچ میں بہت تھک گیا ہوں، لیکن صرف تھوڑی دیر ریسٹ کر لوں پھر ساری شام آپ کی۔''
''سچ۔'' اس نے غیر یقینی سے اسے دیکھا۔
''بالکل سچ۔'' وہ مسکرایا تو وہ اسے دیکھتی رہی کتنی ہی دیر۔
''آپ کتنے زیادہ خوبصورت ہو گئے ہیں دانی کاکا؟''
''ہو گیا ہوں، یعنی پہلے خوبصورت نہیں تھا ہوں؟'' اس نے بھنویں اچکائیں، وہ مسکرائی۔
''اب زیادہ ہو گئے ہیں۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔
''آپ اخلاق کے مطابق مجھے تمہاری تعریف کرنی چاہیے تو محترمہ زینیا صاحبہ آپ ایک بہت خوبصورت لڑکی ہیں، بالکل ایک پری کی طرح۔''
''وہ تو میں ہوں۔'' اس نے فخر سے فرضی کالر چھوئے، دانیال نے مسکراتے ہوئے اس کی ناک دبائی۔
''اوں ہوں۔'' اس نے احتجاج کیا۔
''اچھا ایک بات بتائیں، اب تو آپ برسر روزگار بھی ہو گئے ہیں، تو اب ہماری چچی آ جانی چاہئے۔''
''بہت جلدی نہیں ہو رہی تمہیں۔'' دانیال نے اسے گھورا۔
''تو پھر کب کریں، تیس سال کے تو ہونے والے ہیں۔''
''یہ کہاں لکھا ہے کہ تیس سال کے ہو جاؤ تو شادی بھی ضرور کر لو۔''
''نہ لکھا ہو لیکن ہمیں تو شوق ہے نا آپ کی شادی کا، کتنا اچھا ہوتا آپ وہیں امریکہ میں کسی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

American سے شادی کر لیتے، اتنے پیارے گورے گورے بچے ہوتے آپ کے۔" زینیا نے شرارت سے کہا۔

"بچے تو خیر میرے گورے گلابی ہی ہوں گے، یہ تو گارنٹی ہے۔" وہ بڑے گھرے لہجے میں بولا تھا، زینیا نے جواباً حیرت سے اسے دیکھا۔

"آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"جب ماں باپ اتنے گورے ہوں تو بچے تو Automatically۔"

"ماں باپ؟" زینیا نے آنکھیں پھاڑیں۔

"اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اپنے بچوں کی ماں بھی سلیکٹ کی ہوئی ہے آپ نے؟"

"بالکل کی ہوئی ہے۔" وہاں تو اطمینان سا اطمینان تھا۔

"کون ہے وہ، مجھے کیوں نہیں بتایا بلکہ ملوایا آپ نے؟"

"ہوں ابھی ضرورت نہیں سمجھی تو نہیں ملوایا، جب ضرورت ہوئی ملوا دوں گا بلکہ سب سے پہلے تمہیں ہی ملواؤں گا۔"

"پرامس۔" زینیا نے جلدی سے ہاتھ پھیلایا، دانیال نے مسکراتے ہوئے تھام لیا۔

"دجینٹل پرامس۔"

"بڑے گھنے ہیں آپ، ہوا تک نہیں لگنے دی، اچھا یہ تو بتائیں کیسی ہیں، دکھائی کیسی دیتی ہیں۔"

"بہت خوبصورت، ایسی کہ دیکھ دیکھ کر دل نہ بھرے۔" وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، ہاتھ بھی ابھی تک پکڑا ہوا تھا جیسے زینیا نے غیر محسوس انداز میں چھڑانے کی کوشش کی لیکن چھڑا نہیں پائی۔

"اف اللہ اتنی پیاری، وہ بھی محبت کرتی ہیں آپ سے؟"

"میں اس سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ اگر وہ نہ بھی کرے تو میری محبت ساری خالی جگہوں کو بھر دے گی۔"

عجیب جواب تھا زینیا کی سمجھ میں تو بالکل نہیں آیا۔

"آپ تو کرتے ہی ہیں نا تبھی تو اتنی تعریف کر رہے ہیں، ان کا بھی تو پتا چلے کہ وہ آپ سے کتنی محبت کرتی ہیں۔"

"چل جائے گا پتا، وقت آنے پر سب پتا چل جائے گا۔"

"پتا نہیں کیا کہہ رہے ہیں آپ، میرا ہاتھ تو چھوڑیں۔"

"کیوں چھوڑوں، چھوڑنے کے لئے تھوڑی پکڑا ہے۔" وہ شرارت کے موڈ میں تھا، وہ سمجھ گئی۔

"آپ ہاتھ چھوڑیں، میں ممی کو ذرا انفارم کر کے آؤں۔"

"اے خبردار، ابھی کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں پھر آخر کب بات چلے گی اور کب شادی کی نوبت آئے گی۔"

"آجائے گی انشاءاللہ جلد آجائے گی۔" وہ اس کا ہاتھ تھپتھپا کر اٹھ کھڑا ہوا، وہ بھی اٹھ گئی تھی۔

"چلنا ہے کہیں، لے چلوں۔"

"نہیں ابھی آپ تھکے ہوئے ریسٹ کریں پھر دیکھیں گے۔" اس کا خیال کرنے پر دانیال بہت محبت سے اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

☆☆☆

"یار دانی! اب کچھ تمہاری شادی کا بھی سوچنا چاہیے۔" اس دن عمر لالہ نے بھی یہی موضوع چھیڑ دیا، ثانیہ بھابھی نے تائید کی۔

"ہاں دانی کچھ رونق ہونی چاہیے گھر میں۔"

"ہاں ابھی تو رونق، بعد میں اتھا پتھ۔" یہ شہریار تھا۔

"اللہ نہ کرے جو اتھا پتھ ہو، میں ایسی ہوں کوئی۔"

"آپ نہ سہی، ہماری چچی ہی سہی، کیا پتا ہو کیسی ہوں؟" اس نے شرارت سے دانیال کو دیکھا جو بالکل خاموش تھا، جیسے کسی اور کے متعلق بات ہو رہی ہو۔

"پھر بتاؤ نا دانیال، تمہیں اگر کوئی پسند ہے تو بھی بتا دو ورنہ تمہاری بھابھی کے ذمے یہ ڈیوٹی لگائیں۔"

"بولیں نا دانی کاکا، یہ تو بالکل پرفیکٹ ٹائم ہے۔" زینیا نے سرگوشی کی، اس نے زینیا کی طرف دیکھا ضرور مگر چپ رہا۔

"تم تو بالکل خاموش ہو گئے ہو، دراصل......"

"زینیا بیٹا ہم سب کے لئے چائے تو بنا لاؤ۔" زینیا طوہاً و کرہاً اٹھی تھی، اتنے دلچسپ موضوع سے اٹھایا جانا اسے ہرگز پسند نہیں آیا تھا، اس کے جانے کے بعد عمر لالہ، دانیال سے مخاطب ہوئے تھے۔

"میرے دوست ہیں فاروق انصاری، ان کا بیٹا سلجوق بھی ڈاکٹر ہے اور بیوی بھی ڈاکٹر ہی چاہتا ہے تو انہوں نے زینیا کے لئے پیغام دیا ہے، میں چاہتا ہوں تم بھی اگر اپنی خواہش بتا دو تو میں ایک ساتھ تم دونوں کی شادیوں سے فارغ ہو جاؤں، فرض جتنی جلدی ادا ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔" دانیال ایکدم اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے کچھ کام ہے، میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔" عمر نے انتہائی حیرت سے اسے جاتے ہوا دیکھا تھا، انہوں نے اس سے اس کی مرضی پوچھی اور وہ اٹھ کر چل پڑا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" ثانیہ نے بھی حیران ہو کر عمر سے پوچھا۔

"کیا پتا، ہو سکتا ہے ابھی شادی ہی نہ کرنا چاہتا ہو۔" ہر کوئی اپنی سوچ کے مطابق۔

☆☆☆

"ارے دانی کاکا، آپ آج جلدی کیسے آ گئے؟" زینیا اسے دیکھ کر چہکی، وہ مسکرایا۔

"ہوں تم جو ناراض ہو کہ میں تمہیں ٹائم نہیں دیتا تو آج کی ساری شام تمہارے نام۔"

"اوہ گریٹ۔" وہ خوشی سے چلائی۔

"تم تیار ہو جاؤ، میں بھی فریش ہو جاؤں۔"

"چلیں دانی کاکا۔" پرپل شرٹ، آف وہائٹ ٹراؤزر اور دونوں رنگوں کے دوپٹے میں ہلکا ہلکا میک اپ کیے وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"آؤ۔" دونوں گاڑی میں آ بیٹھے، دانیال گاڑی اسٹارٹ کر کے مین روڈ پر لے آیا۔

"کچھ کھانا ہے؟"

"ہوں فی الحال آئس کریم۔"

"فی الحال۔" وہ مسکرایا۔

"جی ہاں فی الحال، کیونکہ میرا بڑا لمبا پروگرام ہے۔"

"مجھے بھی کوئی جلدی نہیں ہے۔" دانیال نے آئس کریم پارلر کے سامنے گاڑی روکی، اس کی پسندیدہ فلیورا اسے لا کر دی اور خود بھی وہ ہی لی تھی، آئس کریم کھانے کے بعد دانیال نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی تھی، کچھ دیر بعد وہ ایک اجنبی علاقے میں گاڑی لے آیا، گاڑی ایک بنگلے کے آگے رکی، زینیا حیرت سے یہ سب دیکھ رہی تھی،

چوکیدار نے گیٹ کھولا اور دانیال گاڑی اندر لے گیا۔

''آؤ زینیا۔'' اس نے اتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

''یہ کس کا گھر ہے؟'' وہ چاروں طرف گردن گھما کر دیکھ رہی تھی۔

''آؤ تو سہی۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے آیا۔

کہیں کوئی آواز نہیں تھی، خاموشی، سناٹا، زینیا نے پریشان سا ہو کر دانیال کو دیکھا۔

''یہاں کتنی خاموشی ہے دانی کاکا، کیا یہاں کوئی نہیں رہتا کیا؟''

''میں ہوں نا تو تمہیں کسی اور کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ اسے اندر ایک کمرے میں لے آیا، ایسے مالکانہ حقوق کے ساتھ وہ یہاں گھوم رہا تھا جیسے وہ اسی کا گھر ہو، اسے ایک صوفے پر بٹھا کر خود بھی ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔

''لیکن ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟'' زینیا نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔

''کچھ بہت ضروری باتیں کرنی تھیں تم سے، اس لئے یہاں آیا ہوں۔''

''ضروری باتیں، مجھ سے؟'' وہ حیران رہ گئی۔

''تم نے پوچھا تھا نا کہ میں جسے پسند کرتا ہوں وہ کون ہے، تو میں نے تم سے وعدہ کیا تھا نا کہ سب سے پہلے تمہیں ہی بتاؤں گا۔''

''سچ۔'' وہ ایکسائیٹڈ ہو کر چلائی۔

''جلدی بتائیں بلکہ ملوائیں۔'' وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''بتائیں نا دانی کاکا، کون ہیں وہ؟''

''تم...... تم ہو وہ جس سے مجھے محبت ہے اور جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کی آواز میں سرسراہٹ تھی، زینیا جھٹکے سے یوں پیچھے ہوئی جیسے کرنٹ لگا ہو۔

''آپ کک...... کیا؟''

''صحیح کہہ رہا ہوں، میں تم سے محبت کرتا ہوں آج سے نہیں شروع سے اور شادی بھی تم سے ہی کروں گا۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہہ رہا تھا اور زینیا اسے لگ رہا تھا کہ اس کا دماغ ہی الٹ گیا ہے، جبھی تو وہ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے، وہ تو اس کا چچا ہے، پاپا کا بھائی، وہ اس کی بھتیجی، وہ اس کے لئے ایسا کیسے سوچ سکتا ہے، ایسا کیسے کہہ سکتا ہے، شاید وہ اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہے پر ایسا سنگین مذاق۔

''مجھے پتا ہے آپ میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں، آپ فول بنا رہے ہیں مجھے، ہیں نا دانی کاکا۔'' وہ اس سے جلد از جلد تصدیق چاہ رہی تھی کہ وہ پرسکون ہو سکے، دانیال کی غیر متوقع بات نے اس کا نروس سسٹم ہلا کر رکھ دیا تھا، وہ اسے اعتدال پر لانا چاہتی تھی۔

''میں مذاق نہیں کر رہا زینیا، میں مذاق کرتا بھی نہیں ہوں، I am very ceriaes at this time۔''

''آپ کو کیا ہو گیا ہے دانی کاکا، آپ تو میرے چاچو ہیں، آپ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ التجائیہ انداز میں گڑگڑائی۔

''کیوں نہیں ہو سکتا؟ اور میں تمہارا سگا چچا تو نہیں ہوں نا۔''

''اگر ہو سکتا ہے تو بھی میں نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ چیخ اٹھی تھی۔

''اچھا مثلاً کیا کرو گی؟'' وہ اسی طرح پرسکون تھا۔

''جو بھی ہو سکا، وہ کر گزروں گی۔'' وہ دھمکانے والے لہجے میں بولی تو دانیال کے

ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تم خواہ مخواہ خود کو زحمت مت دو، جو کرنا ہو وہ میں کروں گا، میں ہوں نا۔"

"آپ چاہتے کیا ہیں، مجھے یہاں لانے کا کیا مقصد ہے آپ کا؟"

"بس یہ پہلی صحیح بات کی ہے تم نے، میں تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اب شادی کا ارادہ رکھتا ہوں، تم نے یہ کرنا ہے کہ عمر لالہ اور بھابھی کے سامنے مجھ سے شادی کی خواہش کرنی ہے ہر صورت ان کو منانا ہے کہ وہ تمہاری شادی مجھ سے کریں۔"

"اور میں ایسا نہ کروں تو۔" وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"تو بس پھر یہیں رہو گی میرے ساتھ As a my spouse۔"

"نہیں، آپ ایسا نہیں کر سکتے۔" اس کی آواز میں وحشت تھی۔

"او کے آج ہم دونوں یہیں ہیں، تمہیں پتا چل جائے گا کہ میں کیا کیا کر سکتا ہوں۔" اس کے لہجے میں اتنی ٹھنڈک تھی کہ زینیا کو جھرجھری آ گئی۔

"میں یہاں نہیں رہوں گی۔" وہ اس کی بات پر یوں مسکرایا جیسے بچے کی بات پر مسکرایا جاتا ہے۔

"آپ مجھے دھوکے سے یہاں لائے ہیں، چیٹ کیا ہے آپ نے مجھے۔"

"مثلاً کیا چیٹ کیا ہے۔" وہ جو اٹھنے لگا تھا پھر سے بیٹھ گیا۔

"یہی کہا تھا نا کہ تمہارے ساتھ شام گزارنے کا پروگرام ہے اور، تو دیکھ لو مسلسل تمہارے ساتھ ہوں، اس میں دھوکا کہاں سے آ گیا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"اور ممی پاپا، انہیں کتنا دکھ ہوگا یہ سوچا آپ نے؟"

"تم سے شادی کرنا ان کے لئے دکھ کا باعث ہوگا، کیوں انہوں نے تمہاری شادی نہیں کرنی؟"

"آپ سے نہیں کرنی۔" وہ غصے سے بولی۔

"تو اب کریں گے، تم خواہ مخواہ اپنی انرجی ویسٹ مت کرو۔" زینیا کے جذبات میں ایک طلاطم برپا تھا، اسے کبھی دانیال پر شک بھی نہیں ہوا تھا، وہ تو اس کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ جاتی تھی، ہر طرح سے فرینک تھی لیکن دانیال نے بھی کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی کہ اسے شک بھی ہوتا، وہ اپنی معصوم سوچوں اور اپنے اعتبار کے ہاتھوں کیسی زخمی ہوئی تھی کہ لہولہو ہو گئی تھی، وہ اپنے اندھے اعتماد کی وجہ سے آتے ہوئے بیگ یا، فون کچھ بھی نہیں لائی تھی، اسے کچھ اندازہ نہیں تھا، کہ وقت کتنا بیت چکا تھا، ممی کو تو حنفیہ نے بتایا ہوگا کہ وہ دانیال صاحب کے ساتھ گئی ہے تو وہ مطمئن ہوں گی اور یہاں وہ اذیت کے صحرا میں بھٹک رہی تھی اور نکلنے کی کوئی راہ بھی سلجھائی نہیں دے رہی تھی۔

"چائے پیو گی؟" دانیال کی آواز اسے سوچوں سے نکال لائی۔

"نہیں، اب گھر چلیں دانی کاکا۔" دانیال نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا۔

"اوہوں، صرف دانیال۔" وہ تڑپ کر پیچھے ہوئی۔

"نہیں، میں نہیں کہوں گی، آپ ایسا نہیں کریں، آپ تو اتنے اچھے ہیں پھر آج کیوں مجھے اتنا پریشان کر رہے ہیں، پلیز دانی کاکا میں بہت ڈسٹرب ہو رہی ہوں، بہت زیادہ۔" وہ اسی سے

لپٹ کر رو پڑی تھی، دانیال نے ہونٹ بھینچتے ہوئے [illegible] بازو اس کے گرد لپیٹے اور اس کا سر [illegible]

"[illegible] دیکھو اس تنہائی میں تمہاری یہ قربت [illegible] بھی بن سکتی ہے۔" زینیا نے [illegible] سے دیکھا، دانیال [illegible] کی طرف جھکا تو وہ تڑپ [illegible] ہوئی تھی، وہ [illegible] کے دل میں تھوڑی سی خوش فہمی تھی تو وہ بری [illegible]

[illegible] پہلی بار اتنی خوفزدہ ہوئی کہ [illegible] کے بازو سے چپک گئی، دہشت [illegible] ہراس، کیا نہیں تھا ان حسین آنکھوں میں، [illegible] سی ایسی کیفیت تھی خوف و بے یقینی کی جو زینیا عمر کی آنکھوں میں اس وقت نہیں تھی، [illegible] بھی بدلتے ہیں، ایک مقدس رشتے میں [illegible] جانے والا انسان اس لمحے کس شیطانی روپ [illegible] تھا، یقین آتے آتے بھی پوری طرح [illegible]

"یوں [illegible] اپنے آپ کو اذیت ہی دے رہی ہو، آؤ کچھ کھا لیں، یا چائے کافی کچھ پینا ہو تو بتا دو۔"

اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ زینیا پر کیا قیامت بیت رہی ہے، اس کے احساسات میں کیا محشر برپا ہے؟ وہ اتنے آرام سے کھانے پینے کا پوچھ رہا تھا جیسے وہ کسی ہوٹل میں آرام دہ انداز میں بیٹھے ہوں، زینیا کے سانس ہی نہیں دل کی دھڑکن بھی بہت تیز ہو رہی تھی، اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا، وہ کیا کرے، کیسے بچے ان لمحات سے، جن کے خوف نے اس کے اعصاب شل کر دیئے تھے۔

"مجھے گھر جانا ہے۔" اس بار اس کی آواز کپکپا سی گئی تھی، وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ تو جانا ہی ہے مگر پہلے اپنا فیصلہ تو بتاؤ؟"

"مجھے کچھ پتا نہیں، میں سوچ کر بتاؤں گی۔" اس کی آواز ابھی بھی کانپ رہی تھی، دانیال مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔

"تو سوچنے کے لئے گھر جانے کی کیا ضرورت ہے، یہاں بھی آرام سے سوچا جا سکتا ہے بلکہ آج کی رات گزر جانے دو، کل تک تم سوچنے کی زحمت بھی نہیں کرو گی۔" اس کا معنی خیز ٹھنڈا، سرد لہجہ، زینیا کی حالت مزید خراب ہونے لگی، وہ اتنے کمزور اعصاب کی نہیں تھی مگر یہ سب کچھ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ خود پر قابو پانے میں کسی طرح کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی، دانیال نے آگے بڑھ کر کمرے کی ساری لائٹس بند کر کے زیرو کا بلب جلا دیا اور خود ملحقہ واش روم میں چلا گیا، زینیا سر سے پاؤں تک لرزنے لگی تھی، وہ کیا کرنے جا رہا تھا، اس کے کیا عزائم تھے، سب نظر آ رہے تھے، اسے صرف اپنا بچاؤ سوچنا تھا بلکہ اس پر عمل درآمد کرنا تھا، ٹائم تو تھا ہی نہیں، وہ جیسے ہی باہر آیا وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں آپ سے شادی کے لئے تیار ہوں۔" وہ جو واش روم کی لائٹ آف کر رہا تھا، کچھ لمحوں کے لئے ہاتھ بٹن پر رکھے ساکت رہ گیا، پھر مڑ کر اس کے قریب آیا۔

"اوہ گریٹ، تو اب تمہیں مجھے یہ لکھ کر دینا ہو گا جو میں لکھواؤں گا، ورنہ گھر جا کر تمہارا بیان بدل بھی سکتا ہے۔"

"دیں پن اور پیپر میں لکھ دیتی ہوں، کیا لکھوانا ہے۔" اس نے ہاتھ بڑھایا اور جب وہ لکھ رہی تھی تو ہاتھ کی لرزش سے لکھنا مشکل ہو رہا تھا، دانیال بغور دیکھ رہا تھا۔

"میں دانیال کے ساتھ شادی کرنا چاہتی

ہوں۔"

"اب جاؤ ہاتھ منہ دھو کر فریش ہو کر آؤ، میں تمہیں چھوڑ آؤں۔" وہ تیزی سے واش روم میں گھسی اور بیسن کا نل کھول کر بری طرح رو پڑی، کتنی مشکل سے وہ خود پر قابو پائے بیٹھی تھی یہ وہی جانتی تھی، پتا نہیں کتنی دیر وہ روتی رہتی کہ دروازہ ناک ہونے پر ہوش میں آئی، جلدی منہ دھویا اور تولیے سے پونچھ کر باہر آ گئی۔

"آؤ میں تمہیں چھوڑ آؤں، ہو سکتا ہے تم اندر سے خوش ہو رہی ہو کہ گھر جا کر تم اپنے بیان سے مکر جاؤ گی تو یاد رکھنا تمہارا اور میرا ساتھ یہاں جتنی دیر کا بھی رہا ہے، اس کے ہر لمحے کی ویڈیو بنی ہے، تھی اور تم کافی عقل مند ہو۔"

وہ تو پہلے ہی ادھ مری ہو رہی تھی، اس پر یہ دھمکی، وہ اسے گیٹ پر اتار کر چلا گیا، وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے تک پہنچی تھی کہ ثانیہ آ گئیں۔

"زینیا اتنی دیر تم......" اس پر نظر پڑتے ہی ان کی حالت غیر ہو گئی۔

"زینیا یہ تمہارا کیا حال ہو رہا ہے، تم تو دانیال کے ساتھ گئیں تھیں نا، تو یہ تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ جو کب سے خود پر قابو پاتے پاتے تھک گئی تھی، ماں کے سامنے سارے حوصلے کھو بیٹھی اور روتے روتے بے ہوش ہو گئی تھی، بے ہوش ہوتے ہوئے وہ یہی بار بار کہہ رہی تھی ممی دانی کا کا بہت برے ہیں، ممی دانی کا کا بہت گندے ہیں، جوان بیٹی کی یہ حالت اور ایسے جملے، وہ تو بیٹھے بیٹھے ہی مر گئیں تھیں۔

☆☆☆

عمر آئے تو بے ہوش زینیا اور بلکتی ہوئی ثانیہ، وہ چکرا گئے۔

"ثانیہ کیا ہوا ہے، کیوں رو رہی ہو اور یہ زینیا، یہ کیوں بے ہوش ہے؟"

"دانیال نے ہمارے ساتھ بہت برا کیا ہے، اس نے ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے۔"

"کیا بکواس ہے یہ؟" وہ چیخ پڑے تھے، اتنی بڑی بات، اتنی قبیح حرکت، نہیں دانیال، نہیں ہرگز نہیں، لیکن ثانیہ جو کچھ مزید بتا رہی تھیں، وہ ان کے اوسان خطا کیے دے رہا تھا، زینیا کسی طرح ہوش میں نہ آئی تو ثانیہ نے پڑوس میں رہنے والی ڈاکٹر صائمہ کو کال کیا تھا، وہ ڈاکٹر کچھ ہی دیر میں آ پہنچی تھی۔

"اسے کوئی شاک لگا ہے، صدمہ یا غیر متوقع شاک۔" وہ اسے کافی دیر چیک کرتی رہی تھی، ثانیہ نے خوفزدہ ہو کر اسے دیکھا، وہ مزید کیا کہنے والی ہے، مگر اس نے ایک انجکشن منگوا کر لگایا اور زینیا کے کچھ ہی دیر میں ہوش میں آ جانے کا کہہ کر چلی گئی، وہ ہوش میں آئی تو انہوں نے اسے دودھ پلایا اور پوچھا۔

"کیا کیا ہے دانیال نے؟" وہ سسک پڑی۔

"ممی پلیز مجھ سے کچھ مت پوچھیں، بس آپ میری ان سے شادی کروا دیں پلیز ممی۔"

وہ جو خدشہ تھا، وہ سچ ثابت ہوا، وہ ہر حد سے گزر گیا تھا، وہ ان کی عزت کو پامال کر چکا تھا، وہ سانپ نکلا تھا جسے انہوں نے دودھ پلا پلا کر جوان کیا تھا کہ آج وہ انہی کو ڈس لے، وہ ایک بھیانک رات تھی، جس نے ان کے گھر میں کسی کو سونے نہیں دیا تھا، رات گزر گئی، صبح ہو گئی، پھر دن بھی ڈھل گیا، تقریباً سات بجے کا وقت تھا، جب عمر کو اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، انہوں نے چونک کر دیکھا، دانیال سامنے کھڑا تھا۔

''السلام علیکم لالہ!'' وہ تڑپ اٹھے۔
''خبردار آج کے بعد مجھے اس رشتے سے مت پکارنا، بہت اچھا ثبوت دیا ہے تم نے بھائی ہونے کا، کیا برائی کی تھی میں نے تمہارے ساتھ کہ تم نے زینیا کے ساتھ......'' ان کی آواز ضبط کے مارے بند ہوگئی، وہ ملازمین کی وجہ سے آواز کو دھیما رکھنے پر مجبور تھے لیکن ثانیہ جو ابھی لاؤنج میں آئی تھیں، اس پر پل پڑیں، پے در پے کئی تھپڑ اس کے رخساروں پر دے مارے تھے۔
''تم گھٹیا، نیچ انسان، تم نے میری بیٹی کو برباد کر دیا، یہ صلہ دیا تم نے ہمارے کیے کا، میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔'' وہ خاموشی سے، بنا کسی حرکت کے ان کی ضربیں سہہ گیا تھا، اس کا چہرہ دونوں طرف سے سرخ ہو گیا تھا لیکن اس نے اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ تک آگے نہیں کیے تھے۔
''ہٹو پیچھے۔'' عمر نے ثانیہ کو ہٹایا، دانیال پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت تھا۔
''یہاں سے چلے جاؤ دانیال، جو کچھ تم کر چکے ہو، اس کے بعد تمہیں خود ہی چلے جانا چاہیے۔''
''میں چلا جاؤں گا مگر زینیا کو ساتھ لے کر۔''
''تم نے اس کا نام بھی کیسے لیا، میں منہ نوچ لوں گی تمہارا۔''
''میں نے کیا کیا ہے بھابھی، آپ اتنی ناراض کیوں ہو رہی ہیں؟'' ثانیہ غضبناک ہو کر آگے بڑھی تھیں کہ عمر نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔
''تم نے کچھ کیا ہی نہیں، تو زینیا کو کل کہاں لے کر گئے تھے اور اس کی طبیعت کس وجہ سے اتنی خراب ہے۔'' انہوں نے چبا چبا کر کہا تھا۔
''میں اسے باہر لے گیا تھا پرپوز کرنے کے لئے۔'' اس کی آواز دھیمی ہو گئی تھی بلکہ جس طرح اس نے نظر چرائی تھی، عمر کے دل پر کڑی گزر گئی تھی۔
''تو ہم مر گئے تھے کہ ڈائریکٹ اسے پرپوز کیا تھا؟''
''میں اس کی رائے لینا چاہ رہا تھا پھر آپ ہی کے پاس آتا۔''
''یہ کس انداز میں اس کی رائے لی ہے کہ اس کی حالت اتنی بری ہو گئی ہے؟'' عمر کا لہجہ بہت تلخ تھا، دانیال کا رنگ تبدیل ہوا۔
''میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''
''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے دانیال، میں نے کچھ اور پوچھا ہے؟'' وہ زور دے کر بولے، دانیال خاموشی سے نیچے کارپٹ کو گھورنے لگا، اس سوال کا جواب وہ دے بھی کیسے سکتا تھا، وہ اس کے قریب آ گئے۔
''تم پانچ سال امریکہ میں رہے، میں اپنی تربیت پر فخر کرتا رہا، کبھی شک تک نہیں کیا کہ تم وہاں کس کے ساتھ انوالو ہو گے یا کہیں افیئر بھی چلا رہے ہو گے، اتنا مان تھا مجھے تم پر اور تم نے مجھے ہی برباد کر دیا، امریکہ میں گزاری گئی اپنی آزاد زندگی کا یہ ثبوت دیا ہے مجھے۔'' دانیال کا چہرہ پل پل رنگ بدل رہا تھا مگر وہ بالکل خاموش تھا، کوئی وضاحت، کوئی صفائی کچھ نہیں، عمر بغور اس کے تاثرات جانچ رہے تھے۔
''تمہیں واپس امریکہ چلے جانا چاہیے کیونکہ تم اس پاک ملک میں رہنے کے قابل ہی نہیں ہو، تم نے جو کچھ بھی کیا ہے، وہ معافی کے قابل نہیں ہے تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اسے زمین میں گاڑ کر ہی دم لیتا مگر یہاں میں بہت مجبور ہو جاتا ہوں، سو تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔''

''میں زینیا کو لئے بغیر نہیں جاؤں گا۔'' وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھتے ہوئے بہت مضبوط آواز میں بولا تھا۔

''میری بیٹی کا نام بھی اپنی گندی زبان سے مت لینا۔'' ثانیہ بھپر کر چیخی تھیں۔

''آہستہ بولو ثانیہ، کچھ موقع کی نزاکت کا خیال کرو۔'' وہ ثانیہ کو ساتھ لئے اپنے کمرے میں چلے گئے، دانیال وہیں کھڑا رہا، جب وہ کافی دیر بعد لوٹے تو وہ تب بھی وہیں کھڑا تھا، انہوں نے بھی اسے بیٹھنے کے لئے نہیں کہا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی ایسے بدترین حالات میں کرنی پڑے گی، چار دن بعد جمعہ ہے، جمعے کی شام سات بجے تمہارا اور زینیا کا نکاح ہوگا یہ چار دن بھی اس لئے لے رہا ہوں تا کہ لوگوں کو اس ارجنٹ شادی کی وجوہات بتانے کے لئے کوئی بہانہ سوچ سکوں۔'' ان کے لہجے میں زہر اُمڈ آیا تھا، اپنی بات کہہ کر وہ فوراً وہاں سے چلے گئے تھے، وہ بھی بوجھل قدموں سے پلٹ گیا تھا۔

وہ اسے رخصت کروا کر کہاں لایا تھا زینیا کو کچھ پتا نہیں تھا، وہ تو بس پتھر کی مورت بنی بیٹھی رہی تھی، ممی دن رات فون پر رشتے داروں اور فیملی فرینڈز کو اس ایمرجنسی میں ہونے والی شادی کی من گھڑت وجوہات سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں انوائیٹ کرتیں اور پاپا بپھرے ہوئے شہریار کو ٹھنڈا کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہوتے، جو دانیال کو قتل کرنے کے درپے ہوا جا رہا تھا، وہ زندہ لاش کی صورت کمرے میں پڑی رہتی، اس میں ہمت ہی نہیں تھی کہ وہ باپ بھائی کا سامنا کرتی، گم صم کیفیت میں نکاح کے بندھن میں بندھ کر اس شخص کے ساتھ چلی آئی، جس نے چچا جیسے مقدس رشتے کو یوں پامال کیا تھا کہ زینیا کا ہر رشتے سے اعتبار اٹھا دیا تھا۔

☆☆☆

دروازہ کھلنے پر اس نے دیکھا وہ سامنے کھڑا تھا، اس نے گردن موڑ لی، وہ بھی خاموشی سے آ کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

''ڈریس چینج کر کے ایزی ہو جاؤ۔''

وہ اٹھ گئی، چینج کر کے آئی تو وہ بازو آنکھوں پر رکھے لیٹا ہوا تھا، وہ بھی ایک سائیڈ پر لیٹ گئی اور پتا نہیں کب آنکھ لگ گئی، صبح دروازے پر ہونے والی دستک سے اس کی آنکھ کھلی تھی، دانیال دروازہ کھولنے جا چکا تھا، شازمین بھابھی تھیں، طلحہ (دانیال کا دوست) کی بیوی، جن کے گھر اس وقت وہ موجود تھے۔

''السلام وعلیکم اور صبح بخیر۔''

''وعلیکم السلام بھابھی آئیے۔''

''نہیں میں آپ لوگوں کو ناشتے کے لئے بلانے آئی تھی۔'' وہ واپس چلی گئیں۔

''آؤ نیچے چلیں۔'' دانیال نے نرمی سے اسے مخاطب کیا، وہ جواب دیئے بغیر واش روم میں چلی گئی اچھی طرح منہ ہاتھ دھو کر ڈھنگ کا لباس پہنا اور تھوڑا بہت میک اپ کر کے تیار ہو گئی، دانیال نے گہری سانس لے کر جیسے شکر ادا کیا تھا۔

''بھابھی تو بہت ہی کم بولتی ہیں دانیال بھائی؟'' شازمین نے زینیا کی مسلسل چپ کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں یہ ذرا دیر سے ہی فری ہوتی ہے۔''

پھر شام میں ہی وہ اسے اسی گھر میں لے آیا تھا جہاں کچھ دن پہلے تنہائی میں لا کر اس سے یہ ان چاہا فیصلہ کروایا تھا۔

''کل سے تم کالج جانا شروع کر دو۔''

''میں کہیں بھی نہیں جا رہی بلکہ یہیں اس قبر

میں رہوں گی جو آپ نے میرے لئے تیار کی ہے۔"

"فضول مت بولو۔"

"تو نہ بلوائیں۔" وہ دو بہ دو جواب دے رہی تھی۔

"دیکھو زینیا میں طلحہ کے گھر اسی لئے خاموش تھا کہ پرائے گھر میں تماشا نہیں کھڑا کرنا چاہ رہا تھا، لیکن یہ میرا گھر ہے اور یہاں وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔" وہ بھی غصے میں آ گیا۔

"آپ کے گھر کی کیا شرط ہے، آپ تو دوسروں کے گھر بھی جو چاہیں وہی کرتے ہیں۔" وہ بہت زہر خند لہجے میں بولی تھی، وہ قدم بہ قدم چلتا اس کے پاس آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بہت چبا کر بولا تھا۔

"تو بس تم جان گئی ہو نا کہ میں جو چاہتا ہوں وہی کرتا ہوں، اسی لئے تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم کل سے کالج جوائن کر لو۔"

"نہیں میں نہیں کروں گی۔" وہ ہٹ دھرمی سے انکار کر رہی تھی، جواباً دانیال نے اس کے چہرے پر تھپڑ دے مارا تھا، وہ ششدر سی گال پر ہاتھ رکھے اسے دیکھتی رہ گئی تھی، وہ بدترین حالات میں بھی یہ توقع نہیں کر سکتی تھی کہ دانیال اس پر ہاتھ بھی اٹھا سکتا ہے، اسے بچپن ہی سے بہت ناز و نعم سے پالا گیا تھا، حقیقتاً اسے پھول کی چھڑی بھی نہیں چھوائی تھی، دانیال کے تھپڑ اور اس کے تیوروں سے وہ بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی، اتنی کہ رو بھی نہ پائی، دانیال نے اپنے فون پر ثانیہ کا نمبر ملا کر اسے دیا اور اس نے ان سے اپنی کتابیں اور نوٹس بھیجنے کا کہہ دیا، انہوں نے رات تک ڈرائیور کو ہر چیز دے کر بھجوا دیا تھا، وہ جو رات کو سونے کے لئے بیڈ پر آئی تو اس کے دھیان میں پچھلی رات تھی جب وہ خاموشی سے ایک سائیڈ کروٹ لے کر سو گیا تھا، اس کے لیٹتے ہی وہ اس کی طرف گھوما اور اسے خود سے قریب کر لیا، زینیا نے خوف و گھبراہٹ سے آنکھیں ہی بند کر لی تھیں۔

☆☆☆

"جلدی تیار ہو جاؤ، میں تمہیں چھوڑ کر خود ہاسپٹل جاؤں گا۔"

"میں بس تیار ہوں۔" مختصر سا کہہ کر وہ اس کے آگے چل پڑی تھی، وہ اسے کالج ڈراپ کر کے ہاسپٹل چلا گیا، مگر اس کی چھٹی کے ٹائم اسے لینے کے لئے آ پہنچا تھا، ایک ریسٹورنٹ سے کھانا کھا لینے کے بعد وہ اسے گھر لے آیا۔

"اور کچھ چاہیے تو بتا دو۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا، وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر کہیں چلا گیا، واپسی رات کو ہی ہوئی تھی، وہ کھانا بھی لے آیا تھا۔

"کل سے ملازمہ آ جائے گی، ایک دو دن میں ڈرائیور کا بھی ارینج منٹ ہو جائے گا۔" زینیا نے سر ہلا دیا۔

دوسرے دن شریفہ اپنی بیٹی رابعہ کے ساتھ آ گئی تھی، وہ کھانا پکانے اور صفائی، برتن اور کپڑوں سب کاموں کے لئے آئی تھی، دو دن وہ خود زینیا کو لاتا، لے جاتا رہا پھر ڈرائیور بھی ارینج کر لیا، وہ بہت بد دلی سے کالج جاتی تھی اس کا پڑھنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا، اس کا تو شاید زندہ رہنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا، دانیال کو شوہر کے روپ میں دیکھنا اس کے لئے اتنا خوفناک تھا کہ وہ مینٹلی اپ سیٹ ہوتی جا رہی تھی، ممی، پاپا اور شہریار اس کی طرف نہیں آتے تھے، وہ خود بھی کم ہی جاتی تھی، ہاں ممی دن میں دو بار اسے فون کرتی تھیں، اس کے باوجود وہ اکثر گم صم ہی رہتی تھی، کتابوں کو ہاتھ تک لگا کر نہیں دیکھتی تھی، اس کی یہ

کیفیت دیکھتے ہوئے دانیال نے شام والے ہاسپٹل سے ریزائن کر دیا تھا، اب وہ شام میں گھر پر ہی ہوتا تھا، خود ہی اسے پڑھاتا اور جب تک مطمئن نہیں ہوتا تھا اسے اٹھنے نہیں دیتا تھا۔

اس طرح وہ اس سے بولنے پر بھی مجبور ہوتی تھی اور اس کی کچھ نہ کچھ عادی بھی ہو رہی تھی۔

اس دن وہ بہت ڈھیلی سی لگ رہی تھی، سست اور تھکی تھکی، جب وہ کھانا کھانے لگے تو ایکدم زینیا نے ہاتھ روک لیا۔

''کیا ہوا، کھاؤ نا؟'' دانیال نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، متلی سی ہو رہی ہے۔'' وہ اٹھ گئی، دو تین دن سے اسے یہ متلی سی محسوس ہو رہی تھی پر آج تو یوں لگا کہ آنتیں ہی الٹ جائیں گی، وہ صوفے پر بیٹھی، دانیال سوفٹ ڈرنک ڈال کر لے آیا۔

''یہ پی کر دیکھو۔'' اس نے ایک گھونٹ پیا ہی تھا کہ ایسی ابکائی آئی کہ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر واش روم بھاگی تھی، دانیال وہیں کھڑا آنکھیں سکیڑے اسے بغور دیکھ رہا تھا، وہ کتنی ہی دیر بیسن پر جھکی رہی مگر الٹی نہیں ہوئی تھی، وہ واپس آ کر بیٹھی تو دانیال اپنا اسٹیتھ اسکوپ لے کر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا اور کتنی ہی دیر اس کی دھڑکن چیک کرتا رہا، پھر کلائی تھام کر نبض کی رفتار محسوس کی، اب اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''تم خود ڈاکٹر بن رہی ہو اور تمہیں اپنی کنڈیشن کا علم ہی نہیں۔'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کنڈیشن، کیسی کنڈیشن؟'' وہ بڑی دلکشی سے مسکرایا۔

''یہ کہ تم پریگنٹ ہو۔'' زینیا جھٹکے سے پیچھے ہوئی تھی، اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

''پریگنٹ؟ یا اللہ۔'' اس نے چکراتے سر کو تھاما ابھی تو وہ اس شادی کو ہی قبول نہیں کر پائی تھی اوپر سے یہ نئی مصیبت، خدایا، دانیال اس کی کیفیت کا پل پل جائزہ لے رہا تھا۔

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی، تمہیں تو بچے بہت اچھے لگتے تھے نا، یہ تو تمہارا اپنا بچہ ہوگا۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا، دانیال نے اپنے دوست ڈاکٹر سلمان کو فون کر کے ان سے گائنی ڈاکٹر کا پوچھا تھا۔

''چلو اٹھو تیار ہو جاؤ، ڈاکٹر ابھی موجود ہے۔''

لیڈی ڈاکٹر نے اس کا تفصیلی چیک اپ کیا تھا، جو دوائیں لکھ کر دیں، وہ دانیال لیتا آیا تھا، وہ بہت خوش تھا، خوشی اس کے ہر انداز سے چھلکی پڑتی تھی، زینیا کے اندر تو طوفان اٹھ رہے تھے، نفرت کی آندھیاں چل رہی تھیں، اس کے بس میں ہوتا تو وہ اس کے چہرے سے یہ خوشی نوچ کر پھینک دیتی، سب کچھ تہس نہس کر دیتی، یہ شخص اس سے برداشت نہیں ہوتا تو اس کا بچہ مزید ناقابل برداشت، وہ سوچتے ہوئے بھول گئی تھی کہ وہ عین اس کے سامنے بیٹھا اس کے پل پل بدلتے تاثرات نوٹ کر رہا تھا، اس پر نظر پڑتے ہی وہ گڑبڑا گئی۔

''تم کوئی ٹینشن مت لو، صرف یہ پیریڈ گزار لو، بعد میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، یہ میرا تم سے وعدہ ہے، میں بچے کے لئے گورنس رکھ لوں گا۔''

وہ حسب سابق چپ ہی رہی تھی، وہ واقعی اس کا بہت خیال رکھتا تھا، دوائیں اپنے ہاتھ سے کھلاتا، جوس، فروٹ ہر چیز اپنے ہاتھوں سے کھلاتا پلاتا، رات کے کھانے کے بعد اسے اپنے ساتھ واک پر باہر لے جاتا، اکثر اس کا اچانک

کسی چیز کے لئے دل چاہتا، وہ بغیر وقت کا خیال کئے گاڑی لے کر نکل جاتا اور وہ چیز لے کر ہی آتا، کئی بار رات کو گھٹن سے اس کی آنکھ کھل جاتی اور وہ کتنی ہی گہری نیند کیوں نہ سویا ہوتا، ایکدم اٹھ جاتا۔

''کیا بات ہے زینیا، کیا مسئلہ ہے؟''

''گھٹن ہو رہی ہے۔'' وہ کہتی اور وہ بستر سے نکل آتا۔

''آؤ باہر لان میں چلیں۔'' کتنی کتنی دیر ٹہلتے، باتیں کرتے رات بھی بیت جاتی مگر کبھی اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑا، وہ اسی طرح ہنستا مسکراتا تیار ہو کر ہاسپٹل چلا جاتا، ممی الگ فون پر نصیحتیں، ہدایتیں دیتیں، یہ کرو، یہ نہ کرو، صد شکر کہ ایگزیم چھٹے مہینے میں ہی ہو گئے تھے ورنہ اپنے بے ڈول ہوتے سراپے کے ساتھ کالج جانا اسے بہت آکورڈ لگتا تھا، اس کی ایک کلاس میٹ نے تو کہہ بھی دیا کہ ''یار تمہارے ہسبینڈ کو تھوڑا ویٹ کر لینا چاہیے تھا، تمہارا میڈیکل کمپلیٹ ہو جاتا تو......'' اور جب ڈاکٹر نے الٹرا ساؤنڈ کے بعد بتایا کہ ٹوئنز بے بیز ہیں تو وہ غش کھاتے کھاتے رہ گئی، ایگزیم کے بعد ممی نے اسے اپنے پاس بلا لیا تھا، دانیال نے شکر کیا کہ کم از کم اب اس کی کیئر تو اچھے طریقے سے ہو پائے گی، وہ اپنی سخت ڈیوٹیز میں اسے وہ ٹائم نہیں دے پا رہا تھا، جو اس کا حق تھا، وہ بار بار فون پر اس کی طبیعت پوچھتا رہتا تھا، اس دن وہ ہاسپٹل جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا جب فون کی بیل ہونے لگی، اس نے تو زینیا کا نام بلنک ہوتے دیکھ کر حیران رہ گیا، وہ خود سے اسے کبھی فون نہیں کرتی تھی، اس نے جھپٹ کر فون اٹھایا۔

''ہیلو زینیا۔''

''ہیلو، میں ہاسپٹل جا رہی ہوں۔''

''اوکے میں تھوڑی دیر میں فون کرتا ہوں۔'' وہ سمجھ گیا کہ کیا طبیعت خراب ہے، وہ عجلت میں ناشتہ کئے بغیر اپنے ہاسپٹل آ گیا، وہ اپنے کولیگ ڈاکٹر کو بتا کر تیزی سے وہاں پہنچا، ثانیہ بھابھی سامنے ہی بیٹھی کوئی ورد کر رہی تھیں، ان کے ہلتے ہوئے لب یہی بتا رہے تھے، وہ سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا، شہریار باہر کی طرف سے آیا، اسے دیکھ کر پہلے تو ٹھٹک گیا پھر آہستگی سے سلام کرتا ماں کے پاس بیٹھ گیا تھا، تینوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی، اسی طرح کافی دیر گزر گئی جب اندر سے ہنستی ہوئی نرس دونوں بازوؤں میں دو بچے لے کر باہر آئی تھی۔

''آنٹی جی آپ کو بہت بہت مبارک ہو، دو دونواسے ہوئے ہیں آپ کے۔''

''زینیا کیسی ہے؟'' انہوں نے اتنی دیر میں پہلی بار لب کشائی کی۔

''ٹھیک ہیں وہ، ہم ابھی انہیں بھی روم میں لاتے ہیں۔''

ایک بچہ ثانیہ کے پاس تھا اور دوسرا شہریار کے پاس، بچے کو چومتے ہوئے شہریار کی نظر اوپر اٹھی، دانیال خاموشی سے سینے پر ہاتھ باندھے، دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''مبارک ہو۔'' اس نے بچہ دانیال کی طرف بڑھایا، وہ ہلکا سا مسکرایا اور بچہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے سامنے کیا، بہت پیارا گلابی گڈا، اس نے اپنے ہونٹ اس کی ننھی سی پیشانی پر رکھے، اتنے میں شہریار دوسرے کو بھی لے آیا، دانیال نے اسے بھی اٹھا لیا، اس کا دل تو چاہ رہا تھا وہ دونوں کو اپنے سینے میں بھینچ لئے پر وہ بہت چھوٹے تھے، وہ تینوں روم میں آ گئے جہاں کچھ ہی دیر میں زینیا کو لایا گیا، ثانیہ لپک کر اس کے پاس گئیں، شہریار کو انہوں نے چائے لینے کے

لئے بھیج دیا اور خود کاؤنٹر پر زینیا سے متعلق ہدایات لینے کے لئے چلی گئیں، اصل میں تو وہ دونوں کو تنہائی کا موقع دینا چاہ رہی تھیں، ان کے باہر جاتے ہی دانیال اس کے پاس آیا۔

''بہت بہت مبارک ہو۔'' وہ خاموش رہی، اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا، دانیال نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔

''تم نے دیکھے ہیں اپنے بیٹے؟'' وہ اسی طرح خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، دانیال کے مسکراتے ہوئے لب سکڑ گئے، آج دو ماہ بعد اسے دیکھا تھا، اس کا ہر دن کتنی مشکل سے کٹا تھا اور وہ ویسی کی ویسی تھی، پتھر، اگر دانیال کے دل میں یہ خوش فہمی تھی بھی کہ بچوں کی پیدائش زینیا کا مزاج بدل دے گی تو اس کا بری طرح سے خاتمہ ہوا تھا۔

''گھر چلیں؟''

''نہیں میں ممی کے ساتھ جاؤں گی۔'' بمشکل وہ بول پائی۔

''پھر گھر کب آؤ گی؟'' اس نے ہونٹوں کو یوں بھینچا جیسے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا ہو، لیکن دانیال کو یہی لگا جیسے وہ کبھی نہیں کہتے کہتے رک گئی ہو، وہ گہری سانس لیتا پیچھے ہٹ گیا۔

''اچھا پھر میں چلتا ہوں، بائے۔'' وہ تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا، ثانیہ نے حیرت سے اسے جاتے دیکھا اور کمرے میں آ گئیں۔

''دانیال نے تو میرے آنے کا بھی انتظار نہیں کیا اور تمہیں اکیلا چھوڑ کر چلا گیا، ایسی کیا آفت آ گئی تھی؟''

''پتا نہیں ممی۔'' وہ بے زاری سے کہتی کروٹ بدل گئی، وہ بغور اسے دیکھتی کچھ سوچنے لگیں تھیں۔

☆☆☆

''دانیال نے آنا تو دور کی بات فون تک نہیں کیا، آتے جاتے لوگ اس کے متعلق پوچھتے ہیں، ملازمین بھی دیکھ رہے ہیں، تمہارے پاپا بھی مجھ سے پوچھ رہے تھے، تم ایسا کرو خود فون کر لو۔''

بہت مجبور ہو کر ثانیہ کو اس سے یہ کہنا پڑا تھا، سوا دو مہینوں سے وہ ان کے پاس تھی اور وہ دیکھ رہی تھیں کہ ان کی بیٹی میں کوئی بات بھی تو شادی شدہ لڑکیوں والی نہیں تھی، جب جب دانیال کا فون آتا تھا، وہ اتنے روکھے لہجے میں مختصر جواب دیتی کہ آگے سے وہ بھی فون بند کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔

بچوں کی پیدائش کے موقع پر ہاسپٹل میں زینیا کا رویہ دانیال سے کتنا کھنچا کھنچا تھا انہوں نے یہ خوبی نوٹس کیا تھا، ان کے باہر جانے کے بعد کچھ تو ایسی بات ہوئی تھی کہ وہ فون تک نہیں کر رہا تھا، ان سے بھی تو کھل کر بات نہیں کرتی تھی وہ کہ ثانیہ اسے کچھ سمجھا پاتیں، پہلے وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ان سے ڈسکس کیا کرتی تھی لیکن اب تو وہ چپ کی چادر اوڑھ لی تھی کہ مجال ہے کوئی فالتو لفظ منہ سے نکل جائے، اب بھی جواب میں خاموشی تھی۔

''زینیا میں کچھ کہہ رہی ہوں نا، فون اٹھاؤ اور بات کرو اس سے۔'' وہ ڈپٹ کر بولیں، فون اس کے ہاتھ میں پکڑا کر وہ باہر آ گئیں اور جب واپس گئیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ وہ سامان سمیٹ رہی تھی۔

''یہ کیا، یہ کیا کر رہی ہو، سامان کیوں اکٹھا کر رہی ہو؟''

''دانیال آ رہے ہیں لینے کے لئے۔'' سپاٹ لہجے میں مختصر جواب۔

''لیکن میں تمہیں ہرگز نہیں جانے دوں گی، ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں، اپنی حالت دیکھو،

اتنے چھوٹے چھوٹے بچے، کیسے سنبھالو گی پاگل تو نہیں ہو گئی ہو کچھ، میں نے تمہیں اس سے رابطہ کرنے کا کہا تھا، یہ تو نہیں کہا تھا کہ اٹھ کر چل پڑو۔" ثانیہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، وہ بدستور پیکنگ میں لگی رہی۔

"میں کیا کہہ رہی ہوں زینیا؟"

"میں نے یہی کہا تھا مگر وہ کہہ رہے ہیں، وہ مینج کرلیں گے اب بہت دن ہو چکے ہیں گھر چلو۔"

"لیکن تم ان دونوں کو کیسے سنبھالو گی، ساری رات جگاتے......"

"پلیز ممی، ہو جائے گا سب، آپ ٹینشن مت لیں۔"

کچھ ہی دیر میں واقعی دانیال آ گیا، شادی کے بعد آج وہ پہلی بار آیا تھا، وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئیں، وہ انہیں دیکھ کر احتراماً کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام، بہت جلدی نہیں لے جا رہے تم زینیا کو۔"

"میرے خیال میں تو کافی دن ہو گئے ہیں اسے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا، وہ سمجھ گئیں کہ مزید کچھ کہنا بے کار تھا، وہ زینیا کے پاس چلی آئیں، اسے دیکھ کر ان دل بھر آیا، کتنی کمزور ہو رہی تھی اور ضدی اتنی ہو گئی تھی کہ انہوں نے اپنا پریشان ہونا ظاہر کیا اور وہ اٹھ کر چل پڑی تھی، انہوں نے کتنی ہی دیر اسے خود سے لپٹائے رکھا، بچوں کو بہت سارا پیار کیا۔

"میرا دل اب کیسے لگے گا ان کے بغیر، مجھے تو ان کی عادت ہی ہو گئی ہے۔"

"آپ آ جایئے گا نا ان سے ملنے کے لئے۔" اس نے کوئی پہلی ڈھنگ کی بات کی، وہ روتی آنکھوں سے مسکرا دیں۔

☆☆☆

گھر آتے ہی وہ بیڈ پر لیٹ گئی، بچوں کی طرف تو دیکھا تک نہیں کہ وہ کہاں ہیں اور کس کے پاس ہیں، دانیال نے بغور اس کا رویہ دیکھا مگر کہا تو اتنا "انہیں خود فیڈ کرواتی ہو یا ڈبے کے دودھ سے فیڈ کرتے ہیں؟" اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

"اس میں ان کا دودھ اور فیڈر ہیں۔"

یعنی سب موجود ہے، جو کرنا ہے خود کرو، اس سے توقع بھی نہ رکھو کہ وہ بچوں کے لئے کچھ کرے گی، وہ بیگ اٹھا کر باہر لے آیا، اماں شریفاں کی بیٹی رابعہ کے سر پر کھڑے ہو کر اس سے وہ فیڈر تیار کروائے اور خود اپنے ہاتھوں سے انہیں پلائے، ساری رات وہ ان دونوں کے ساتھ لگا رہا اور وہ آرام سے سوتی رہی، دوسرے دن دانیال نے چھٹی کی اور پہلی فرصت میں ایک ڈھنگ کی گورنس لے آیا، جس کے لئے اس نے کافی عرصے سے طلحہ کو کہہ رکھا تھا، ساتھ والا کمرہ بچوں کے لئے سیٹ کر کے ان کی گورنس کے حوالے کرنے کے بعد اس نے سکھ کا سانس لیا تھا، یہی نہیں تھا کہ وہ صرف بچوں کے لئے فکرمند تھا، زینیا کا بھی اس نے پوری طرح خیال رکھا تھا، اس کی غذا، اس کی دوائیں، اس کی صحت سے متعلق ہر چیز کا، البتہ زینیا کی بے نیازی کا وہی عالم تھا، اتنی جوان اور خوبصورت گورنس جو رات کو اکثر بچوں کو کوئی تکلیف ہو جانے پر دانیال کو بتاتی اور جب تک بچہ ٹھیک نہ ہو جاتا، وہ وہیں بیٹھا رہتا مگر زینیا کو کوئی پرواہ نہیں تھی، حالانکہ دروازہ ناک ہونے کی صورت میں آنکھ اس کی بھی کھل جاتی تھی اور جب دانیال واپس کمرے میں آتا تو وہ بھی اسے پتا چل جاتا تھا مگر اس نے کبھی کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا، شاز مین،

طلحہ کے ساتھ بچوں کی مبارکباد دینے کے لئے آئی تو نگہت (گورنس) کا بار بار دانیال کو مخاطب کرنا اور دانیال کا بچوں کے کمرے میں جا کر کتنی ہی دیر بیٹھے رہنا، دیکھ کر چکرا گئی۔

"زینیا تم تو بہت ہی بھولی ہو، یہ تو مجھے دانیال بھائی پر فدا ہوئی لگتی ہے، کیسے بہانے بہانے سے انہیں بلاتی ہے اور تم سب اس پر چھوڑے بیٹھی ہو، کچھ تو خیال کرو اور اسے کہو کہ آئندہ تمہیں بلائے، تم بھی تو ڈاکٹر ہو، وہ کیا بچوں کے ڈاکٹر ہیں، حد ہوگئی۔" وہ کتنی ہی دیر اپنا سر کھپاتی رہی مگر زینیا ہی کیا جس پر اثر ہو جائے۔

☆☆☆

دن گزرتے جا رہے تھے، بچے پہلے بیٹھنا سیکھے، پھر کرالنگ کرنا اور اب چلنا بھی، پاؤں پاؤں چلتے لڑھکتے اس کے پاس آ جاتے، ان دنوں اس کا فائنل پراف چل رہا تھا، وہ ان کی مداخلت سے جھنجھلا جاتی۔

"نگہت!" وہ زور سے پکارتی۔

"دیکھ بھی رہی ہو میں اپنی اسٹڈی میں بزی ہوں اور یہ ڈسٹرب کرتے ہیں تو اس ٹائم ان کو کہیں اور بزی کر دیا کرو۔"

"سوری میم! یہ اب باہر آنے کے لئے روتے ہیں اور باہر آتے ہی آپ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔" حالانکہ کہنا تو وہ یہ چاہتی تھی کہ بچے ماں کی فطری کشش میں کھنچے چلے آتے ہیں لیکن ایسی بے حس ماں بھی کسی نے کہاں دیکھی ہوگی۔

"ایشال، میکال۔" دانیال کی آواز آئی، وہ دروازے میں کھڑا تھا دونوں بازو پھیلائے۔

"یہ بے وقت کہاں سے آ ٹپکے؟" زینیا کی کوفت میں مزید اضافہ ہوا تھا، وہ دونوں خوشی سے چیختے، چلاتے، گرتے پڑتے باپ کی ٹانگوں سے آ لپٹے، اس نے ایک ساتھ دونوں کو اٹھا لیا۔

"باہر چلیں؟" دونوں خوشی سے چیخنے لگے، دانیال مسکراتا ہوا انہیں باہر لے گیا تھا، وہ شکر کا سانس لیتی دوبارہ اپنے نوٹس پر جھک گئی تھی۔

☆☆☆

وقت کچھ اور آگے سرکا، اس نے فائنل کا ایگزام دے لیا، کچھ عرصے بعد رزلٹ بھی آ گیا، جب ہاؤس جاب کا مسئلہ ہوا تو دانیال نے پوری کوشش کر کے اپنے ہاسپٹل میں ہی لگوا لیا، ہاؤس جاب جس میں معمولی غلطی کی بھی سینئر ڈاکٹر گرفت کر لیتے ہیں، وہ دانیال ہی کی وجہ سے بچ پاتی تھی، اس کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں پر وہ یوں پردہ ڈالتا تھا کہ کسی کے نوٹس میں بھی نہ آ پاتی تھیں، اس دن وہ ایک Sevier سرجری کر کے M.S کے آفس میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ انہوں نے زینیا کو اندر بلایا، وہ چونک کر سیدھا ہوا، زینیا اندر آئی تو انہوں نے اسے اور اسی کے بیچ کی ایک اور ڈاکٹر کو ایک مریضہ کی فائل تیار کر کے لانے کا کہا اور اس وقت لگائے جانے والے انجکشن بھی لگا دینے کی تاکید کی، اس کے باہر جاتے ہی دانیال ضروری کام کا بہانہ کر کے اٹھ گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے پاس جا پہنچا، زینیا نے اندر سے سکھ کا سانس لیا، باہر سے چاہے کچھ نہ ظاہر ہونے دیا ہو، دراصل انجکشن لگاتے ہوئے اس کے ہاتھ ہلکے سے کپکپانے لگتے تھے، یہ مریضہ ایک سیریس آپریشن سے گزری تھی، اس کے معاملے میں غفلت یا کوتاہی کسی بڑے نقصان کا سبب بن سکتی تھی، دانیال نے پوری فائل خود تیار کروائی، انجکشن خود لگائے اور جب باہر آنے لگا تو مریضہ کی اٹنڈنٹ جو بڑی ہی خوش اخلاق تھیں، انہوں نے اس مخاطب کیا تھا۔

"ایک منٹ ڈاکٹر صاحب؟" وہ رک گیا۔

"جی؟"

''آپ دونوں ڈاکٹرز کا آپس میں کوئی ریلیشن بھی ہے؟''
''جی؟'' وہ حیران رہ گیا، یہ ایک ڈاکٹر سے پوچھا جانے والا سوال تو نہیں تھا۔
''پلیز مائنڈ نہ کیجئے گا، آپ دونوں کے کٹس بہت ملتے جلتے ہیں نا اس لئے میں نے پوچھا ہے۔''
دانیال نے بے اختیار زینیا کو دیکھا، اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا تھا۔
''صحیح سمجھی ہیں آپ، یہ میری مسز ہیں اور اس سے پہلے ہم کزنز بھی ہیں۔''
''اوہ زبردست، ماشاء اللہ سے بہت ہی اچھے لگ رہے ہیں آپ دونوں ایک ساتھ، پرفیکٹ کپل ہے آپ دونوں کا۔''
''Thanks for compliments'' وہ مسکرا کر کہتا باہر آیا، جہاں وہ سست قدموں سے چلتی ہوئی جا رہی تھی۔
''کافی تھکن ہو رہی ہے، ایک کپ چائے پی لیں۔''
''نہیں میرے کولیگز انتظار کر رہے ہوں گے۔'' وہ تیز تیز چلتی کامن روم کی طرف چلی گئی اور وہ کتنی ہی دیر وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

شہریار کی شادی طے پا گئی تھی، ممی زینیا کو کتنے دن سے بلا رہی تھیں اور وہ جا نہیں پا رہی تھی، آج اس نے کسی طرح بھی ٹائم نکالا، نگہت سے بچوں کو تیار کرنے کا کہہ کر وہ خود بھی نہا دھو کر تیار ہو گئی، ممی کے ہاں تو وہ ان دونوں کے بغیر بالکل نہیں جا سکتی تھی، وہ تو اس کا جینا ہی حرام کر دیتیں، وہ سارا راستہ اس کا سر کھا گئے۔
''نانو کے گھر جا رہے ہیں نا؟''
''جی جی اب آپ خاموش ہو جائیں۔'' وہ کہاں خاموش رہنے والے تھے، سارا وقت چہکتے رہے اپنی توتلی زبان میں نجانے کیا کہتے رہے، صد شکر کہ گھر آیا، پاپا بھی گھر ہی تھے، ایشال، میکال کی تو موج ہو گئی، کہاں سارا دن گورنس اور ملازموں کا منہ دیکھتے تھے کہیں شام کو تھکے ہارے ماں باپ نظر آتے تھے اور یہاں گودوں سے ہی نہیں اترتے تھے، تھوڑی سی دیر میں شہریار کے ساتھ باہر جانے کو تیار کھڑے تھے، ممی نے ناراضگی دکھائی۔
''یہ کیا ابھی آئے اور ابھی باہر بھی جانے لگے۔''
''ابھی آتے ہیں۔'' تسلی دی نانی کو، پاپا نے ایشال کا ہاتھ پکڑا۔
''میرے لئے کیا لاؤ گے؟''
''آئس کریم۔'' جھٹ جواب دیا، سب ہنس پڑے۔
''اپنی پسندیدہ چیز سب کے لئے۔'' ممی نے اسے اپنی تیاریوں سے آگاہ کیا، تیار شدہ ملبوسات اور جیولری دکھائی اور کئی چیزوں کے بارے میں مشورہ بھی کیا۔
''دانیال آئے گا نا؟'' وہ خاموش ہو گئی، پاپا نے کہا۔
''بلاؤ گی تو کیوں نہیں آئے گا۔''
''آپ چلیں گے اسے انوائیٹ کرنے؟'' ممی کے سوال نے پاپا کو کچھ دیر کے لئے بالکل چپ کروا دیا تھا، وہ اپنا دل کتنا ہی بڑا کر لیتے مگر دانیال کا سامنا کرنے کا دل ہی نہیں چاہتا تھا، جب اس نے وہ خوفناک اقدام کیا تھا تو ان کے اندر تو جوار بھاٹے اٹھ رہے تھے کہ وہ اسے جان سے مار ڈالتے تو وہ بھی کم ہوتا لیکن ان کے سامنے چاچا، چاچی آ کھڑے ہوئے، جن کا وہ ایک ہی ایک بیٹا تھا، ان کی نشانی، جس کے لئے

انہوں نے بارہا وعدے لئے تھے۔

"عمر، دانیال کا بہت خیال رکھنا، وہ بہت چھوٹا ہے، اسے کوئی کمی نہ محسوس ہونے دینا، اس سے غلطی ہو جائے تو معاف کر دینا۔" پر وہ اتنی بڑی غلطی کرے گا اس کا تو انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا، ایسی غلطی جس نے ان کی زندگیاں ہی بدل دی تھیں، اب اگر ان کے دل میں اتنی گنجائش پیدا ہوئی تو اس لئے کہ اس نے زینیا کی تعلیم مکمل کروائی تھی، اس پر بچوں کے سلسلے میں کوئی پریشر نہیں ڈالا تھا، سب سے بڑی بات کبھی ان کے سامنے آ کر انہیں آزمائش میں نہیں ڈالا تھا، اب سامنا تو ناگزیر تھا، شادی میں وہ آتا تو سامنا تو ہونا ہی تھا اور اگر نہ آتا تو سب کی باتیں سننا اور مشکل، مشکل تو دونوں صورتوں میں ہی تھی۔

"تم شہریار کے ساتھ چلی جانا، دعوت تو دینی ہی ہے، آخر داماد ہے۔" وہ آہستگی سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے، ثانیہ زینیا کو اس کے کمرے میں لے آئیں اور دونوں شادی سے متعلق دیگر امور پر ڈسکس کرنے لگی تھیں۔

☆☆☆

ثانیہ شہریار کے ساتھ بغیر اطلاع کے زینیا کے گھر آئی تھیں اور وہاں پہنچ کر تو وہ چکرا ہی گئیں، زینیا تو شاید اپنے بیڈ روم میں تھی جبکہ دانیال اور نگہت بچوں کے ساتھ بچہ بنے خوب اودھم مچا رہے تھے، بڑی سی بال تھی جو کبھی نگہت دانیال کو دے مارتی اور کبھی دانیال نگہت کی طرف پھینکتا اور زوردار ہرے کا نعرہ لگتا، بچے خوب تالیاں پیٹ پیٹ کر ہنس رہے تھے، انہیں ان کی آمد کا علم بھی نہیں ہو پایا، وہ تو شہریار جان بوجھ کر کھنکارا تھا، ایشال اور میکال تو چیختے ہوئے ماموں، ماموں کہتے ہوئے بھاگتے ہوئے آئے تھے، دانیال کا چہرہ مسلسل ہنسنے سے سرخ ہو رہا تھا، لیکن ان دونوں پر نظر پڑتے ہی رنگ بدل گیا تھا، تین سال میں وہ لوگ کبھی اس گھر میں نہیں آئے تھے، اس لئے انہیں دیکھ کر وہ حیران تھا۔

"السلام وعلیکم بھابھی، آئیں بیٹھیں۔" وہ آگے آیا شہریار سے ملا، انہیں صوفے پر بٹھا کر خود بھی بیٹھنے لگا تھا کہ بھابھی نے پوچھا۔

"زینیا کہاں ہے؟"

"اپنے روم میں ہے، میں بلاتا ہوں۔" وہ اپنے بیڈ روم میں چلا گیا، کچھ ہی دیر بعد زینیا کو ساتھ لئے آیا تھا، اس کا حلیہ بالکل رف ہو رہا تھا، سلوٹ زدہ لباس، بکھرے بال، ثانیہ نے تاسف سے اسے دیکھا، اس سے کتنی اچھی تو وہ نگہت تیار تھی، اب (زینیا) وہ دانیال کے ساتھ کھڑی تھی جو بلیک ٹی شرٹ اور جینز میں بے حد خوبصورت لگ رہا تھا، مارے کوفت کے انہوں نے رسمی باتوں کے بجائے ڈائریکٹ اپنی آمد کا مقصد بیان کیا اور اٹھ گئیں، دانیال اصرار ہی کرتا رہ گیا۔

"بھابھی بیٹھیں پلیز، چائے تو پی لیں، ایسے کیوں جا رہی ہیں؟"

"نہیں بہت کام ہیں مجھے، اب تم ضرور آنا۔"

"جی ضرور۔" وہ باہر تک ان کے ساتھ آیا تھا۔

☆☆☆

زینیا کی ساری تیاری ثانیہ نے خود کی تھی اور صحیح طریقے سے جھاڑا تھا۔

"غضب خدا کا وہ گورنس ہو کر اتنی فری ہو کر دانیال کے ساتھ بچے کھلا رہی تھی اور دانیال بھی نجانے بچے کھلا رہا تھا یا اپنا دل بہلا رہا تھا، بیوی ایسا حلیہ بنا کے منہ سر لپیٹے اندر کمرے میں

بڑی ہو تو اس نے بھی تو کوئی راہ نکالنی ہے نا اور گھر میں ایسی خوبصورت بنی ٹھنی لڑکی موجود ہو تو دوسری راہ نکالنے کی ضرورت بھی نہیں، تمہاری یہ غفلت کسی بڑے نقصان کا باعث نہ بن جائے۔''

''اور کیا نقصان ہو گا اب؟'' وہ بڑبڑائی تھی۔

''کوئی نقصان نہیں ہوا اور آئندہ بھی نقصان سے بچنے کی کوشش کروں۔''

☆☆☆

شہریار کی اور ندا کی مہندی کا مشترکہ ہوٹل کے لان میں ارینج کیا گیا تھا، زینیا کو ثانیہ خود بیوٹی پارلر سے تیار کروا کر لائی تھیں، کوپر اور بلیک کنٹراسٹ کے سوٹ میں تیار ہو کر وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ دانیال جو سیدھا ہوٹل ہی آیا تھا کتنی دیر مبہوت کھڑا رہ گیا تھا۔

''پاپا آ دیئے۔'' میکال کی نظر دانیال پر پڑی تو اس کی طرف بھاگا، ایشال، زینیا کو ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگا۔

''پپا پاس۔'' طوعاً و کرہاً جانا ہی پڑا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام کیسی ہو؟'' وہ بڑی فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا، اس نے اثبات میں سر ہلایا، آج تقریباً سارے مردوں اور لڑکوں نے وائٹ کرتا شلوار پہنا تھا مگر دانیال سفید شرٹ اور اسکائی بلو جینز میں ملبوس تھا، وہ قمیض شلوار پہنتا ہی نہیں تھا، پانچ سال امریکہ میں رہنے سے یہ عادت ہی نہیں رہی تھی، ثانیہ نے ننھے میکال اور ایشال کو بھی سفید کرتا، شلوار اور پیلے پٹکے پہنائے تھے، دانیال نے دونوں کو باری باری چوما۔

''میرے بیٹے تو پرنس لگ رہے ہیں۔''

''آپ بھی پہنیں۔'' ایشال نے اپنے کرتے کا دامن پکڑ کر کہا۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں ایسے ہی۔'' وہ مسکراتا ہوا سیدھا ہوا۔

''مما تو دیکھیں۔'' اب میکال نے اسے سجی سنوری زینیا کی طرف دیکھنے کے لئے کہا۔

''انہی کو تو دیکھ رہا ہوں۔'' وہ اس کے پاس ہو کر آہستگی سے بولا، وہ بے نیازی بن کر آگے اسٹیج کی طرف بڑھ گئی، دانیال بمشکل ایک گھنٹہ رکا تھا پھر معذرت کرتا وہاں سے رخصت ہو گیا، بارات میں بھی وہ سیدھا ہوٹل آیا تھا، وہ بھی خاصا لیٹ، بلیک ڈنر سوٹ میں اپنے شاندار سراپے سمیت کتنے دلوں کی آہوں کا باعث بنا تھا، زینیا اور ثانیہ فرداً فرداً سب مہمانوں سے مل رہی تھیں، جب کسی رشتے دار خاتون کا یہ جملہ ان کے کانوں میں پڑا۔

''ایک اکلوتا، شاندار لڑکا، قابل سرجن ڈاکٹر، فٹافٹ اپنی بیٹی دے کر قابو کر لیا، اب جا کر ڈاکٹر بنی ہے، ابھی پڑھ رہی تھی کہ شادی کر دی۔''

''ہاں تو اچھے رشتے ملتے بھی کہاں ہیں، یہی چالاکیاں کرنی پڑتی ہیں۔'' زینیا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، وہ مڑنے ہی لگی تھی کہ ثانیہ نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا، سارا وقت اس کا موڈ سخت خراب رہا تھا، دانیال اسے برابر نوٹس کرتا رہا تھا، جانے سے پہلے اس کے قریب آیا۔

''اتنی اچھی ڈریسنگ کے ساتھ یہ موڈ کچھ جچا نہیں، بھائی کی شادی ہے کچھ تو خوشی چہرے پر لاؤ۔''

''مجھے کوئی ضرورت نہیں جھوٹی خوشی دکھانے کی۔''

''جھوٹی خوشی، اوہ مائے گڈنیس، یعنی تمہیں سرے سے خوشی ہی محسوس نہیں ہوئی۔'' اس کے لہجے میں سراسر شرارت تھی، جسے محسوس کر کے وہ

تپ گئی تھی۔

''ہاں نہیں ہوئی، میری ساری حسیات ہی ختم ہو گئیں ہیں خوشی، غمی، جیلیسی کچھ بھی پتا نہیں چلتا۔''

''چلو اچھی بات ہے یہ تو، کوئی ٹینشن بھی نہیں ہوتی ہو گی۔'' وہ پرسکون تھا ہمیشہ کی طرح وہ چپ رہی۔

''او کے میں چلتا ہوں اب، یہی بتانے آیا تھا۔'' اس کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا تھا، ویسے میں تو آتے ہی اس نے زینیا کو گھر چلنے کے لئے کہا تھا، فنکشن ختم ہوتے ہی ممی پاپا سے اجازت لینے وہ ان کے پاس پہنچ گئی، ثانیہ کا تو دل تھا کہ وہ ابھی کچھ دن رکتی، لیکن عمر نے فوراً اجازت دے دی تھی، بچے راستے ہی میں سو گئے تھے، انہیں نگہت کے حوالے کرنے کے بعد وہ دونوں اپنے بیڈ روم میں آ گئے تھے، وہ چینج کرنے کے لئے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی ہی تھی کہ دانیال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

''ابھی تو میں نے تمہیں اچھی طرح سے دیکھا بھی نہیں، بہت اچھی لگتی رہی سارے فنکشنز میں لیکن دور دور سے، اب قریب سے بھی تو دیکھنے دو۔''

''مجھے الجھن ہو رہی ہے اتنی بھاری ساڑھی سے۔''

''شام سے پہنی ہوئی ہے نا، اب تھوڑی دیر اور برداشت کر لو۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے مزید قریب ہوا تھا۔

''برداشت ہی تو کر رہی ہوں تین سالوں سے۔'' ایکدم اس کے منہ سے پھسلا تھا، دانیال وہیں منجمد ہو گیا تھا، وہ جو اتنے خوشگوار موڈ میں اسے گھر لے کر آیا تھا سب اڑنچھو ہو گیا تھا، وہ یہی تو کرتی تھی، جب وہ ذرا سا بھی خوش نظر آتا تھا، وہ کچھ نہ کچھ ایسا کہہ دیتی کہ وہ کتنی ہی دیر بولنے تک کے قابل نہیں رہتا تھا۔

☆☆☆

اس دن دانیال کے دوست ڈاکٹر سلمان اور ان کی مسز اپنی تین ماہ کی بچی کے ہمراہ ان کے ہاں آئے ہوئے تھے، ایشال اور میکال پروانوں کی طرح اس بچی کے گرد چکراتے رہے، جب وہ جانے لگے تو انہوں نے وہ اودھم مچایا، وہ روئے وہ تڑپے کہ سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

''ہم کل چل کر آپ کے لئے گڑیا لے آئیں گے۔'' دانیال نے بہلانے کی کوشش کی۔

''نہیں یہ والی ڈڑیا۔'' ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔

''یہ والی گڑیا تو آپ کی مما ہی لا سکتی ہیں۔'' ڈاکٹر سلمان نے شرارت سے دانیال کو آنکھ ماری، جواباً میکال نے زوردار قہقہہ لگایا تھا، زینیا سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ ثمن بھابھی کے پیچھے ہو گئی تھی، انہوں نے ہنستے ہوئے سرگوشی کی۔

''بات تو سچ ہے، غور کریں۔''

اف کیسے وہ لوگ گئے اور کیسے جتنوں سے دانیال انہیں بہلا پھسلا کر اندر لایا تھا، مگر تھے وہ پھر بھی بگڑے ہوئے۔

''آنٹی گندی ہیں، ڈڑیا لے گئیں۔''

''بس ہم اب اپنی گڑیا لا کر رہیں گے اور جو ہماری گڑیا ہو گی وہ کوئی نہیں لے جا پائے گا، ہمارے پاس ہی رہے گی ہمیشہ۔'' دانیال کے ہونٹوں پر شریر مسکراہٹ مچل رہی تھی اور نظریں زینیا پر جمی ہوئی تھیں، جو بے نیاز نظر آنے کی پوری شعوری کوشش کر رہی تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ راضی ہوئے۔

''ویسے یار بہت شکریہ، جس بات کی طرف

میرا دھیان نہیں گیا تھا وہ آپ دونوں کی مہربانی سے ذہن میں تو آئی، اب آپ وعدہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ گڑیا ہی دیں، آپ کی مما جیسی نک چڑھی اور بہت پیاری۔'' وہ مسلسل اسے دیکھ رہا تھا، جس کا چہرہ پل پل رنگ بدل رہا تھا۔

''اب چلیں، انا نے آپ کو سلانا بھی ہے اور کچھ کھلانا بھی ہے، ہوں اٹھو ہری اپ پلیز۔''

''نہیں ابھی نہیں۔'' دونوں اپنی اپنی کہانیاں دانیال کو سنا رہے تھے، زینیا نے اپنے گئی رکے ہوئے کاموں کا سوچا تو اٹھ گئی، اتنے میں میکال آکر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

''مما، ڈریالائیں گی نا؟''

''میکال ہٹو، مجھے کام ہے کچھ۔''

''نہیں ڈریالا دیں گی نا۔''

''What a nonsens mecal go away۔'' اس نے ہٹانا چاہا پر وہ تو ایسا لپٹا کہ ہٹائے نہ ہٹے، اسے غصہ آگیا، اس نے واقعی جھٹکے سے اسے الگ کیا تھا لیکن وہ الٹ کر سائیڈ ٹیبل سے ٹکرایا کو چیخ مار کر تڑپنے لگا، اس کے سر سے خون نکل رہا تھا، وہ گھبرا کر اس کے پاس آئی لیکن دانیال چھلانگ لگا کر اس تک پہنچ چکا تھا، اس کی پیشانی سے بہت خون بہہ رہا تھا، دانیال نے اسے بیڈ پر لٹا کر فرسٹ ایڈ باکس نکالا اور زخم صاف کر کے بینڈ تیج کر دی، وہ مسلسل اسے تھپک تھپک کر چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ بری طرح رو رہا تھا، بینڈ تیج کرتے ہی دانیال اسے اٹھا کر باہر لے گیا تھا، حالانکہ اس کے کپڑوں پر بھی خون لگ گیا تھا، مگر وہ باہر نکلتا چلا گیا تھا، اس تمام عرصے میں اس نے زینیا سے کوئی بات نہیں کی، اس کی طرف دیکھا تک نہیں، زینیا کا دل جیسے مسلا جا رہا تھا، اتنے چھوٹے سے بچے کا اتنا سارا خون، اس نے اپنا نچلا ہونٹ کچل ڈالا تھا، ایشال سہا ہوا بیڈ پر بیٹھا تھا، زینیا نے اسے اٹھایا اور لاؤنج میں آگئی، جہاں نگہت ٹی وی کے سامنے بیٹھی تھی۔

''جی میم۔'' اس نے ایشال کی طرف ہاتھ بڑھائے، وہ یہی سمجھی تھی کہ وہ اسے دینے آئی ہے۔

''میں دانیال کو دیکھنے آئی تھی، وہ میکال کو لے کر گئے ہیں نا۔''

''ہاں وہ بابا کو چوٹ آئی ہے نا تو بہت رو رہے تو سر شاید بہلانے کے لئے لے گئے ہیں۔''

وہ کچھ دیر انتظار کے بعد دوبارہ کمرے میں آگئی۔

خاصی دیر بعد دانیال، میکال کو لئے آیا تھا، وہ بے تابی سے آگے بڑھی۔

''مجھے دیں، دیکھوں چوٹ زیادہ تو نہیں لگی۔''

''نہیں رہنے دو، سو گیا ہے۔'' وہ بہت سرد مہری سے کہہ کر بیڈ کی طرف گیا اور اسے لٹا دیا، ایشال پہلے ہی سو چکا تھا، وہ دوسری طرف سے میکال کے پاس آبیٹھی، ہلکے سے بینڈ تیج کو چھوا، وہ کسمسایا تو اس نے ڈر کر ہاتھ ہٹا لیا۔

''اسے ڈسٹرب مت کرو، بہت مشکل سے سویا ہے۔''

''میں جگا تو نہیں رہی، بس دیکھ رہی ہوں۔''

''کیا دیکھ رہی ہو کہ کتنی چوٹ لگانے میں کامیاب ہوئی ہو، تمہاری فکر مندی کا ڈرامہ میری سمجھ میں تو آ بھی نہیں رہا۔'' اس کے تلخ لہجے پر اسے غصہ آگیا۔

''کیوں ڈرامہ کیوں، میرے بچے نہیں ہیں یہ، مجھے فکر نہیں ہو سکتی۔''

''اچھا؟'' اس نے طنزیہ اسے سر سے پاؤں

تک دیکھا۔

''تو تم تسلیم کرتی ہو کہ یہ تمہارے بچے ہیں گریٹ، سوائے انہیں جنم دینے کے ماں ہونے کے کون سے حقوق پورے کیے ہیں تم نے؟''

''میں آپ کی یہ فضول باتیں نہیں سننا چاہتی۔'' وہ اٹھ گئی۔

''تم کچھ بھی نہیں سننا چاہتیں، معصوم بچہ بھی تم سے کچھ کہہ دے تو تم اسے بھی دھکیل کر گرا سکتی ہو اور پھر ہمدردی کے ڈرامے کرتی ہو۔''

''معصوم بچہ اتنی بڑی بات ایسے ہی نہیں کہہ رہا تھا، وہ آپ اس سے کہلوا رہے تھے۔''

''تو تم نے میرا غصہ اس پر نکالا تھا۔'' وہ اس کے پاس آ گیا۔

''مجھے اپنی باتیں بچوں سے کہلوانے کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے اگر مزید اولاد کی خواہش ہو گی تو اس پر عمل درآمد کروانا مجھے اچھی طرح آتا ہے، تم ہو کس گمان میں؟'' وہ بہت بری طرح بھڑکا تھا، وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹی تھی۔

''تم جس طرح سے آج تک رہتی رہی ہو، اسی طرح رہو تو تمہارے لئے بہتر ہے، اگر میرے بچوں کو آئندہ تمہاری طرف سے تکلیف پہنچی تو تمہارے ساتھ بھی میں بہت برا کروں گا۔''

''آپ مجھے دھمکا رہے ہیں؟'' وہ غم و غصے کی ملی جلی کیفیت میں بولی۔

''وارننگ دے رہا ہوں تاکہ تم اپنی لمٹس میں رہو۔''

''کیا ہیں میری لمٹس، ذرا بتائیں؟''

''تم نے خود ہی اپنی لمٹس طے کی ہیں، خود اپنے لئے ایک ہیٹرن آف لائف بنایا ہوا ہے، جس میں نہ شوہر کے لئے کوئی ٹائم ہے نہ بچوں کے لئے اور اب جبکہ عادت ہی ہو گئی ہے تو بہتر یہی ہے کہ آئندہ بھی اس راہ پر چلتی رہو، ورنہ؟''

''ورنہ؟'' اس نے سوال کیا۔

''ورنہ شاید ہمارے راستے الگ ہو جائیں۔''

یہ دھماکا زینیا کے اعصاب کے لئے بہت کافی ثابت ہوا تھا اس نے انتہائی بے یقینی سے دانیال کو دیکھا جس کی آنکھوں میں نہ مروت تھی، نہ محبت پھر وہ کیوں لحاظ کرتی۔

''بہت سی مائیں بچوں کو ان کی غلطی پر مارتی بھی ہیں، سرزنش بھی کرتی ہیں، آپ نادانستگی میں لگی چوٹ پر اتنی انتہا کو پہنچ گئے، راستے الگ کرنے کا شوق ہے تو انتظار کس لئے، ابھی کیوں نہیں؟'' اس نے دوپٹہ شانوں پر برابر کیا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئی، نہ پرس نہ فون کچھ بھی لینے کی ضرورت محسوس کیے بغیر، باہر آ کر اس نے رکشہ لیا اور ممی کے ہاں جا پہنچی، افضل سے ممی کو فون کروا کر کرائے کے پیسے منگوا کر رکشہ والے کو دیئے اور خود اندر آ گئی، ثانیہ حیران پریشان اسے دیکھ رہی تھیں، خالی ہاتھ، خالی گود، وہ یہ کس طرح آئی تھی۔

''زینیا ایسے کیسے آئی ہو اور اس وقت؟''

''کیوں اس وقت آنا منع ہے؟'' وہ تلخی سے کہتی اپنے کمرے میں چلی آئی، ثانیہ بھی پیچھے تھیں۔

''بچے کہاں ہیں؟''

''اپنے باپ کے پاس۔'' اس کا وہی لہجہ تھا، ثانیہ کھٹک تو گئی تھیں لیکن فی الحال خاموشی ہی بہتر تھی، کھانے کا پوچھا۔

''کھا چکی ہوں۔''

''کیا دانیال سے ناراضگی ہوئی ہے کوئی؟'' انہوں نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

''ہم راضی ہی کب تھے؟''

''وہ تو میں نے دیکھا تھا جیسے تم وہاں رہ رہی تھیں، یہ رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں، شادی شدہ لڑکیوں کے، نہ میاں کا خیال نہ بچوں کی پرواہ، صبح دیکھنا ندا کو کیسے شہریار کے آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے، آج کل کے لڑکوں کی بہت دلچسپیاں ہیں، بیویاں یوں دھیان نہ رکھیں تو وہ دوسری طرف منہ مارتے دیر نہیں کرتے۔''

''ممی پلیز مجھے نیند آرہی ہے۔'' اس نے لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا، دوسرے دن وہ ہاسپٹل بھی نہیں گئی، پاپا سے شاید ممی بات کر چکی تھیں، انہوں نے اس سے کچھ بھی نہیں پوچھا، شہریار اور ندا بھی اس سے خوشگوار انداز میں بات چیت کرتے رہے، پر اس کا دل پتا نہیں کیوں اتنا اداس تھا، میکال اور ایشال، وہ بچے جنہیں وہ کوئی توجہ ہی نہیں دیتی تھی، سارا دن گورنس کے رحم و کرم پر رہنے والے اس کو اتنی بری طرح یاد آ رہے تھے کہ وہ خود حیران تھی، میکال کے سر کی چوٹ اس کے دل میں ٹیسیں اٹھا رہی تھی اور وہ دانیال جس کے ساتھ ساڑھے تین سال اس نے کبھی سیدھے منہ بات نہیں کی تھی، ساری رات اس کے حواسوں پر سوار رہا تھا، جس کی محبت کو اس نے بظاہر قبول ہی نہیں کیا تھا وہ اندر یوں اپنے پنجے گاڑ چکی تھی کہ اس کے حواسوں کو جکڑ لیا تھا۔

''میں اس سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ وہ نہ بھی کرے تو میری محبت ساری خالی جگہوں کو بھر دے گی۔'' اور اس نے یہ ثابت بھی کیا تھا، ہر طرح سے اپنی محبت کا ثبوت دیا تھا، وہ گھر کا بچوں کا، یا دانیال کا کوئی کام نہیں کرتی تھی، وہ بیمار ہوں یا تندرست اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی مگر وہ اس کا بے تحاشا خیال رکھتا تھا، اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے ٹائم نکال کر اسے اور بچوں کو وقت دیتا تھا، ان کی شاپنگ خود کر کے لاتا تھا کیونکہ وہ ان چیزوں میں کوئی دلچسپی ہی ظاہر نہیں کرتی تھی نہ ہی ساتھ جاتی تھی، اب کہاں کہاں وہ اسے ڈرا ڈرا کر کام نکلواتا، سو کچھ معاملوں میں اسے اس کے حال پر چھوڑ رکھا تھا، بس ایک رات ہوتی تھی جس میں وہ اپنے جذبات کے اظہار کے لئے بالکل آزاد ہوتا تھا، وہ اس سے محبت کرتا تھا اور دل و جان سے کرتا تھا اور اس محبت کو اس پر بے طرح نچھاور بھی کرتا تھا، ہر رات وہ اسے اپنے بازوؤں میں لے کر اپنے ساتھ لپٹا کر سوتا تھا، جیسے اس کے ہونے کا یقین کرنا چاہتا ہو، پہلے پہل اسے ناگواری کے ساتھ الجھن بھی ہوتی، مگر پھر وہ عادی ہوتی چلی گئی، آج گزری رات اور اس سے پہلے شہریار کی شادی میں جب وہ ممی کے ہاں رہ رہی تھی۔

خالی پن کا احساس اس کے سکون کی راہ میں حائل ہوتا اسے ڈسٹرب کرتا رہا، وہ یہ سوچنا تک نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی عادت بن چکا ہے، دھیرے دھیرے اسے اپنے سحر میں گرفتار کر چکا ہے، ابھی تین دن پہلے ہاسپٹل میں ایمر جنسی کیسز لائے گئے، وہ سرجریز کر کر کے رات گئے جب گھر آیا تو تھکاوٹ سے برا حال تھا، ایک کپ کافی کی شدید طلب تھی مگر اماں شریفاں بھی اپنے کوارٹر جا چکی تھیں، خود بنانے کی تو ہمت ہی نہیں تھی، سو وہ اپنی طلب دباتا واش روم میں چلا گیا، ایک لمبا شاور لے کر نائٹ سوٹ پہن کر بیڈ پر آیا تو تھکاوٹ سے جسم ٹوٹ رہا تھا، زینیا اتنی دیر سے سب نوٹ کر رہی تھی، اسے لیٹتے دیکھ کر سوتی بن گئی، دانیال نے زور دار انگڑائی لے کر اس کی طرف کروٹ لی اور اسے اپنی بانہوں میں لیتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''میرے بغیر نیند نہیں آرہی تھی نا۔'' یعنی وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ سونے کی ایکٹنگ کر رہی تھی، وہ

نرمی سے اس کے بال سہلاتا رہا اور وہ سچ مچ سو گئی تھی، اس نے سر کو جھٹکا وہ ساری سوچوں سے نجات پا رہی تھی، سامنے نگاہ اٹھی تو وہ چونک گئی، پاپا اس کے سامنے بیٹھے بغور اس کا جائزہ لے رہے تھے، وہ کب آئے، اسے علم ہی نہیں ہوا، اس نے انہیں دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی، وہ ہلکا سا مسکرائے اور اس کا سر تھپک کر وہاں سے چلے گئے۔

☆☆☆

وہ پہلی بار اس کے گھر آئے تھے، سر گھما کر ادھر ادھر کا جائزہ لیتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئے، رابعہ گڑبڑا گئی۔

''کون؟''

''میں زینیا کا والد ہوں، دانیال سے ملنا ہے۔'' وہ پھرتی سے انہیں لاؤنج میں لائی تھی، سامنے صوفے پر دانیال ٹانگیں لمبی کیے، سینے پر بازو لپیٹے، ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے تھا مگر ایک نظر دیکھتے ہی پتا چل جاتا تھا کہ وہ ٹی وی دیکھنے کے بجائے گہری سوچ میں گم تھا، جس کا ثبوت یہ تھا کہ وہ دروازے پر کھڑے تھے اور اسے ان کی آمد کا کوئی علم نہیں تھا، انہوں نے انگلی سے کھلے ہوئے دروازے پر دستک دی، اس نے چونک کر دیکھا اور انہیں دیکھ کر مارے حیرت کے کتنی ہی دیر اسی پوزیشن میں بیٹھا رہ گیا۔

''السلام علیکم!'' وہ اندر آ گئے، وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا، وہ اس کے کہے بغیر خود ہی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے، وہ بھی بیٹھ گیا۔

''بچے کہاں ہیں؟''

''سو گئے ہیں۔'' وہ بہت دھیمی آواز میں بولا تھا۔

''زینیا کو تم نے بھیجا ہے یا وہ خود گئی ہے؟'' وہ ڈائریکٹ موضوع کی طرف آئے۔

"اس نے آپ کو کیا بتایا ہے؟"

"میری ابھی اس سے کوئی بات نہیں ہوئی، ثانیہ کا البتہ یہ خیال ہے کہ وہ ناراض ہو کر آئی ہے، ایسی کیا ناراضگی ہوئی کہ وہ بچوں تک کو نہیں لے کر گئی؟"

"آپ میری بات کا یقین کر لیں گے؟"

"میرا خیال ہے میں اسی لئے اس سے کچھ پوچھنے کے بجائے تمہارے پاس آیا ہوں۔" وہ جتانے والے انداز میں بولے تھے، وہ کچھ دیر چپ رہا۔

"کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہوئی تھی، بس بچوں کو لے کر ذرا سی بحث ہوئی اور وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی، وہ اصل میں یہاں خوش ہی نہیں تھی بلکہ میرے ساتھ وہ قطعاً خوش نہیں تھی، میں نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی، بہت غلط کیا، مجھے واپس پاکستان آنا ہی نہیں چاہیے تھا یا کم از کم زینیا کا خیال چھوڑ دینا چاہیے تھا، میرے ذہن میں ممی نے یہ خیال بچپن سے ڈال دیا تھا، وہ ہمیشہ مجھے کہتی تھیں میں تمہاری شادی زینیا سے کروں گی، میں شروع سے اس کی محبت میں مبتلا تھا، آپ کے کسی انداز سے مجھے کبھی نہیں لگا کہ آپ کے ذہن میں ایسا کوئی خیال ہے یا ممی نے آپ سے اس سلسلے میں کوئی بات ہی کی ہے، جب آپ نے مجھے اس کے رشتے کا بتایا تو مجھے ایسا لگا، میری سانس رکنے لگی ہو، میں اس کے کسی اور کے ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، مجبوراً میں اسے بہانے سے یہاں لے کر آیا اور اسے خوفزدہ کر کے خود سے شادی پر زبردستی مجبور کیا، زینیا نے مجھے اس کے لئے کبھی معاف نہیں کیا، اسے مجھ سے یا بچوں سے کوئی لگاؤ نہیں، اس کی بے اعتنائی کا یہ عالم رہتا ہے کہ وہ یہ تک نہیں دیکھتی کہ وہ سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں، بیمار ہیں یا تندرست، بھوکے ہیں یا کھا پی چکے ہیں، اسے کوئی دلچسپی نہیں، وہ خود بھی بالکل خاموش رہتی ہے، یوں لاتعلق جیسے کوئی مہمان، مہمان بھی کچھ دلچسپی تو گھر میں یا گھر کے افراد میں لیتے ہیں، وہ اتنا بھی نہیں کرتی، اپنے یکطرفہ فیصلے کی بہت سخت سزا پائی ہے، جس سے محبت کرتا ہوں، دن رات اسی کی نفرت سہتا ہوں، کل میکال یونہی ضد کر رہا تھا، زینیا نے دھکا دیا تو وہ سائیڈ ٹیبل سے جا ٹکرایا، اس کے ماتھے سے بہتا خون دیکھ کر مجھے پہلی بار غصہ آیا اور وہ لمحوں میں گھر چھوڑ کر چلی گئی، اسے نہ تو معصوم بچوں کی محبت روک پائی نہ......" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ہونٹ بھینچ لئے تھے، اذیت اس کے چہرے سے ظاہر تھی، عمر نے گہری سانس لی۔

"بچے جب بڑوں کے ہوتے ہوئے فیصلے اپنے ہاتھ میں لے لیں تو یہی نتائج سامنے آتے ہیں، چاچی نے زینیا کے پیدا ہوتے ہی تمہارے لئے مانگ لیا تھا، اگر وہ زندہ ہوتیں تو سب کچھ قرینے اور قاعدے سے ہوتا، پھر تم پڑھنے باہر چلے گئے، واپس آتے تو مجھے کیسے تمہاری پسند نا پسند کا علم ہوتا، خود زینیا کا باپ ہو کر اس کے متعلق تمہاری رائے کیسے لیتا، صرف تمہارا ارادہ معلوم کرنے کے لئے ہی میں نے تمہارے سامنے زینیا کے رشتے کا ذکر کیا تھا، جس کا جواب تم نے اس فضول حرکت سے دیا۔" وہ خاموش ہو کر خود پر قابو پانے لگے، یہ ذکر ان کے خون میں کھولاؤ پیدا کر دیتا تھا، دانیال نے نگاہیں جھکا لیں۔

"ثانیہ نے بارہا مجھ سے کہا کہ وہ زینیا کو تم سے متعلق رشتے سے آگاہ کر دے کیونکہ وہ تو شہر یار ہی کی طرح دانی کا کا، دانی کا کا کرتی پھرتی ہے لیکن میں نے ہمیشہ اسے منع کر دیا، میں تمہارے خیالات جانے بغیر اپنی بچی کے دل میں

ایسے جذبات پیدا نہیں ہونے دے سکتا تھا جو کل اس کی آئندہ زندگی کو جہنم بنا دیتے، اگر تم مجھ سے بات کرتے تو زینیا کا ذہن بنانا کیا مشکل تھا، وہ تو کورے کاغذ کی طرح تھی، جس پر جو تحریر کر دیا جاتا وہی انمٹ ہوتا، ابھی بھی تم نے کہا اسے تم سے یا بچوں سے کوئی دلچسپی نہیں تو اب سے تھوڑی دیر پہلے وہ بالکل اسی طرح خیالات میں گم بیٹھی تھی جیسے تم، نہ اسے میرے آنے کا پتا چلا نہ تمہیں، جذبات الگ ہیں تو کیفیات ایک جیسی کیوں؟ میں نے کسی کو نہیں بتایا اور یہاں آ گیا ہوں تاکہ تم سے تمہارا فیصلہ پوچھ سکوں۔" وہ تو ان کی یہی بات سن کر کہ وہ خیالات میں گم تھی، ساکت ہو گیا تھا۔

"ہاں تو کیا فیصلہ ہے تمہارا؟"

"پلیز لالہ آپ مائنڈ نہ کیجئے گا لیکن یہ آپ زینیا سے پوچھئے۔" وہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر جیسے ایک فیصلے پر پہنچ گئے۔

"ایسا کرو تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ میں آمنے سامنے بٹھا کر دونوں کا فیصلہ معلوم کر لوں۔" وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔

"چلیں۔"

"بچے؟" ان کے سوال پر وہ چپ ہو گیا۔

"وہ بہت مشکل سے سوئے ہیں، وہ اسے بہت مس کر رہے ہیں۔" انہوں نے گہری نگاہوں سے اس کے بے خواب آنکھوں والے ستے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"صرف بچے؟"

"انہیں ساتھ لے لو۔" وہ اثبات میں سر ہلا کر اندر گیا اور جب آیا تو دونوں کندھوں پر بچے اٹھائے ہوئے تھا، انہوں نے ہاتھ بڑھا کر میکال کو لے لیا جس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔

☆☆☆

زینیا کو لگا بچوں کی آواز آئی ہو۔ مجھے وہم ہو رہا ہے، اس نے سر جھٹکا، آواز پھر آئی۔

"مما...... مما۔" وہ ٹھٹک گئی، اب واضح طور پر آوازیں آ رہی تھیں، وہ تیزی سے لاؤنج سے نکل کر باہر آئی، وہ دونوں اسے پکارتے ہوئے خوشی سے چہکتے ہوئے دوڑے چلے آ رہے تھے۔

"مما...... مما۔" زینیا نے نیچے بیٹھ کر بانہیں وا کی تھیں، دونوں ایک ساتھ اس سے لپٹ گئے تھے، اس نے دونوں کو باری باری چوم لیا۔

"چلو اندر لے چلو انہیں، سو کر اٹھے ہیں تو بھوک لگی ہو گی، انہیں کچھ کھلا بھی دو۔" پاپا نے اس کا سر تھپکا، سامنے دانیال گم صم کھڑا اسے بچوں سے پیار کرتے دیکھ رہا تھا، عمر اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر اسے اندر لے آئے۔

"ثانیہ اچھی سی چائے تیار کرو۔" حیران کھڑی ثانیہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھی۔

"زینیا!" عمر نے اسے پکارا، وہ میکال کو اٹھائے ان کے پاس آ گئی۔

"جی پاپا!" ایشال ثانیہ کے پاس تھا۔

"یہاں بیٹھو، مجھے تم دونوں کی رائے لینی ہے۔" اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"دانیال کا کہنا ہے کہ تم اس کے ساتھ خوش نہیں ہو، اس کے مطابق تم دونوں کا مزید ساتھ رہنا بھی مشکل ہے، تم کیا کہتی ہو؟"

"ان کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ میں بچوں سے بالکل پیار نہیں کرتی، صرف انہیں ان سے محبت ہے یا اس نگہت کو۔" اس نے دانت پیسے۔

"پاپا کیا ماں اپنے بچوں کو ڈانٹ نہیں سکتی، جھڑک کر پیچھے نہیں ہٹا سکتی، کل انہوں نے مجھے اتنی باتیں سنائیں کہ میکال کو چوٹ لگ گئی تو، انہوں نے کہا کہ آئندہ اگر بچوں کو میری وجہ سے

کوئی تکلیف پہنچی تو میرے ساتھ بھی بہت برا ہو گا اور یہ بھی کہ میں جیسے پہلے رہتی رہی ہوں اسی طرح رہوں ورنہ ہمارے راستے الگ بھی ہو سکتے ہیں، اصل میں یہ اب مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں، اس لئے یہ نہیں چاہتے کہ میں بچوں کے قریب ہوں، ویسے بھی بچوں کو تو انہوں نے اپنے کنٹرول میں کیا ہوا ہے تو مجھ سے الگ ہونا کیا مشکل ہے۔" وہ بالکل ساڑھے تین سال پہلے والی زینیا لگ رہی تھی، تیز تیز بولتی ہوئی، دانیال کو تو آنکھوں کے ساتھ منہ بھی کھلا رہ گیا تھا، عمر بھی پہلے تو حیرت سے اسے دیکھتے رہ گئے تھے، پھر دانیال سے مخاطب ہوئے۔

"یہ تو ساری فرد جرم تم پر عائد ہو رہی ہے، پھر کیا فیصلہ کیا جائے۔" وہ مسکراہٹ چھپانے کی بہت کوشش کر رہے تھے مگر آنکھیں ان کی کوشش کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھیں۔

"آپ جو فیصلہ کریں، مجھے منظور ہو گا۔" اس نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا۔

"ہوں۔" انہوں نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔

"دیکھو زینیا، تم اگر دانیال کے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں یا تمہیں یہ لگتا ہے کہ دانیال تمہارے ساتھ زیادتی کر رہا ہے تو تمہیں اختیار ہے کہ تم علیحدگی اختیار کر سکتی ہو، یہ بچے بھی تمہیں دینے کو راضی ہے، تم بس فیصلہ سنا دو۔"

"مگر بچے......" وہ گھبرا گئی۔

"بچے تو ان سے بہت اٹیچ ہیں، وہ تو ان کے بغیر نہیں رہیں گے۔"

"رہتے تو وہ تمہارے بغیر بھی نہیں ہیں۔"

"مگر ان کے ساتھ تو بہت......" وہ چپ کر گئی، اسے اپنا مدعا بیان کرنے کو الفاظ نہیں سوجھ رہے تھے۔

"بچے تو بچے ہیں، کچھ عرصہ تنگ کریں گے، پھر بہل جائیں گے، تم اپنی بات کرو۔" زینیا نے پریشانی سے دانیال کو دیکھا، وہ یوں سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے اپنی زبان بھی عمر کے پاس گروی رکھ دی ہو۔

"بولو بیٹا، کھل کر بات کرو، کوئی پریشر نہیں ہے تم پر۔"

"بچے بہت ڈسٹرب ہو جائیں گے۔" اس نے جیسے خود کلامی کی تھی۔

"میں تم سے تمہاری مرضی پوچھ رہا ہوں، تم بار بار بچوں کا ذکر لے آتی ہو۔" وہ غصے سے بولے، وہ چند لمحے مخمصے میں گھری رہی پھر ڈائریکٹ دانیال سے مخاطب ہوئی۔

"آپ واقعی بچوں کو چھوڑ دیں گے؟" عمر نے بے ساختہ مسکراہٹ کو چھپانے کے لئے رخ موڑ لیا تھا، دانیال نے کنکھیوں سے انہیں دیکھ پھر زینیا کی طرف دیکھتے ہوئے نفی کا اشارہ کر کے دوبارہ سر جھکا لیا۔

"ایکٹر نہ ہو تو۔" وہ سکون کا سانس لیتی سیدھی ہو بیٹھی۔

"پاپا میں بچوں کی خاطر دانیال کے ساتھ ہی رہوں گی۔"

"تم نے اچھی طرح سوچ لیا ہے؟"

"جی پاپا۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"یہاں آؤ میرے پاس۔"

وہ ان کے پاس آ کر بیٹھی، انہوں نے اس کے کندھوں کے گرد اپنا بازو پھیلایا۔

"چھوٹے موٹے جھگڑے تو ہر جگہ ہو جاتے ہیں لیکن انہیں گھر سے باہر نہیں آنا چاہیے، گھر میں ہی نمٹانے کی کوشش کرتے ہیں، میاں بیوی کے جھگڑوں میں بچے بہت اپ سیٹ ہو جاتے ہیں، ان کی خاطر بھی خود پر قابو رکھنا

چاہیے، ہم نے تمہیں یہ ماحول تو نہیں دیا تھا نا۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”او کے پھر جاؤ دانیال کے ساتھ یہ سوچ کر کہ غلطیاں انسانوں سے ہی ہوا کرتی ہیں اور جو اپنی غلطی تسلیم کر کے شرمندہ ہو وہ زیادہ بڑا انسان ہے۔“ اچھی سی چائے کے بعد وہ انہیں رخصت کرنے پورچ تک آئے تھے، انہوں نے اپنی چابیاں دانیال کی طرف بڑھائیں۔

”ابھی تو میری گاڑی لے جاؤ۔“ وہ ان کے گلے لگا پھر ثانیہ کی طرف بڑھا، انہوں نے اس کا ماتھا چوم لیا، وہ پہلے اس سے یونہی ملا کرتی تھیں۔

کیا کیا گنوا کر پایا تھا، جس کا شکرانہ واجب تھا، گھر جا کر بھی بچے بڑی مشکل سے سوئے تھے، نکہت انہیں لے گئی تو زینیا بھی اٹھی۔

”میں ذرا تیاری کر لوں، آج ہاسپٹل نہیں گئی تھی اور کل کی چھٹی افورڈ نہیں کر سکتی۔“

”میں کب گیا ہوں، توبہ بچوں نے تو مجھے پاگل کر کے رکھ دیا تھا۔“

”بچوں نے صرف۔“ اس نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔

”نہیں میرے دل نے بھی۔“ اس نے منہ لٹکایا، وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، وہ اسے دیکھتا رہا۔

”آج تو بالکل پہلے والی زینیا لگ رہی ہو، ہنستی مسکراتی۔“

”تو یہ ہنسی چھینی کس نے تھی؟“

”تب واقعی میری عقل کام چھوڑ گئی تھی یہ تو آج لالہ سے پتا چلا کہ تم تو ہمیشہ سے میرے لئے منتخب کر لی گئیں تھیں۔“

”کیا مطلب؟“ زینیا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا، دانیال نے اسے تفصیل بتائی۔

”اوہ کاش ممی ہی مجھے کچھ بتا دیتیں، تو میری وہ حالت تو نہ ہوتی، مجھ سے یہ رشتہ قبول ہی نہیں کیا جا رہا تھا یا آپ ہی اپنا بی ہیور ایسا رکھتے کہ۔“ وہ جھجک گئی، وہ شرارت سے مسکرایا۔

”میرا بی ہیو تو تھا ہی ایک محبت بھرا مگر آپ کی کھوپڑی میں کچھ سماتا ہی نہیں تھا۔“ وہ مسکراتی ہوئی ڈریسنگ روم کی طرف مڑی تھی، کہ دانیال نے بازو سے پکڑ کر قریب کیا۔

”وہ ایک ریکوئسٹ کرنی تھی تم سے، وہ میرے بچوں کی ایک معصوم سی خواہش کے متعلق، وہ وہی بہن والی۔“

”آپ کیوں ریکوئسٹ کرنے لگے، آپ کو تو عمل درآمد کروانا آتا ہے نا۔“ اس کے طنز پر وہ کھلکھلایا۔

”ہاں یار، میں ویسے ہی تمہارے گرد بڑھا رہا ہوں، بس نکہت سے اجازت لینی پڑے گی۔“ وہ تیزی سے پلٹی تھی۔

”کس بات کی اجازت؟“ تیور بھی تیکھے تھے، دانیال نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

”وہ...... یہ پوچھنا ہے کہ وہ ہمارے ایک اور بچے کو پال لے گی یا کوئی اور بندوبست کرنا پڑے گا۔“ وہ مسکراہٹ دباتی ڈریسنگ روم میں چلی گئی، واپس آئی تو وہ لیپ ٹاپ پہ لگا ہوا تھا، اسے دیکھ کر لیپ ٹاپ بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور اس کے قریب آ کر حسب معمول اسے بانہوں میں لے لیا۔

”یہ تم سونے کا ارادہ بندھ رہی ہو؟“ آواز میں صدمہ تھا۔

”کیا مطلب، ٹائم بھی تو دیکھیں بارہ بج رہے ہیں۔“

”میں تو کچھ اور سوچ رہا تھا۔“ زینیا نے ایک مکا اس کے سینے پر دے مارا۔

”ہائے ظالم۔“ وہ مصنوعی کراہا تھا۔

''سو جائیں، آپ کو نیند کی بہت ضرورت ہے۔'' وہ اوپر سے جتنی بے نیاز بنتی تھی، اتنی تھی نہیں، اس کی آنکھوں سے اس کی کل کی بے خوابی بھانپ لی تھی۔

''یہ نگہت بے چاری کے ذکر پر ایسا ری ایکٹ کیوں۔'' اس کی حسیات بہت تیز تھیں، وہ اس کا تیکھا لہجہ بھانپ گیا تھا۔

''کیونکہ ممی کو لگتا ہے آپ اس کے ساتھ انوالو ہیں؟'' اس نے بھی سچ بتانے کی ٹھانی۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' وہ یہی کہہ سکا تھا۔

''تو کیوں اس کے ساتھ اتنے فری ہوتے ہیں؟''

''یار میں تو اپنے بچوں کے لئے...... ویسے کیا مطلب ہے بھابھی کا کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا، شک ہے انہیں مجھ پر۔''

''ظاہر ہے، شک ہے تبھی تو کہا ہے؟'' وہ اطمینان سے آنکھیں بند کئے بولی تھی مگر اگلے جملے نے اس کی آنکھیں پٹ سے کھول دی تھیں۔

''میں ایسا کرتا ہوں انہیں اپنی محبت کا ثبوت پیش کر دیتا ہوں، ان محبت بھرے لمحات کی ویڈیو بنا کر انہیں بھیج دیتا ہوں۔'' اس بار زینیا کا مکا سچ مچ بہت زوردار تھا، اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ بھی حقیقی تھی۔

''اوئے ہٹلر کی نانی۔''

''چلو بیٹی آئی نہیں، اس کا بیٹا ہٹلر بھی بن گیا۔''

وہ کتنی ہی دیر ہنستا رہا تھا، وہ بھی مسکراتی ہوئی پھر سے سونے کی کوشش کرنے لگی تھی اور کچھ ہی دیر میں سو بھی گئی تھی، دانیال محبت سے اسے دیکھتا رہا، اس نے وہ جو کچھ بھی کیا تھا، اس کو پانے کے لئے کیا تھا، اس کا مقصد صرف زینیا کو خوفزدہ کرنا تھا اور وہ اس میں کامیاب بھی رہا تھا اس دن ورنہ وہ جس طرح رو رہی تھی اس سے خود برداشت نہیں ہو رہا تھا، ایک لمحے کے لئے تو اس کا دل چاہا کہ وہ سارے ڈرامے کو گولی مار دے اور اسے چپ کروا لے مگر پھر اس نے خود پر قابو پائے رکھا، وہ اسے پانے کے لئے ہر حد سے گزر گیا تھا، عمر لالہ، ثانیہ بھابھی اور شہریار سب کو اس نے دلی رنج پہنچایا تھا، مگر صرف زینیا کو پانے کے لئے، اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا اور اسی کی وجہ سے اسے کھوتے کھوتے بھی بچا لیا تھا، کل اور آج اس کے بغیر جیسے وقت اس کے لئے سزا بن گیا تھا، صد شکر کہ وہ آئی تو پہلے والی زینیا بن کر جو اس کی روح کو بھی سرشار کر دیتی تھی، اس نے خود بھی آنکھیں بند کر لیں۔

ان بند آنکھوں سے اب وہ اپنے سہانے مستقبل کے سارے خواب دیکھ سکتا تھا، اس یقین کے ساتھ وہ نیند کی وادیوں میں اترتا چلا گیا۔

☆☆☆

تو میری ضرورت ہے

درثمن بلال

ابرش کا رشتہ اس کی رضا مندی سے طے کر دیا گیا تھا، آج کل اس کے تھیسس کا کام ہو رہا تھا، اسی وجہ سے آج اس کا یونیورسٹی پوائنٹ مس ہو گیا تھا اور وہ اپنی فرینڈ کے ساتھ لوکل بس میں سفر کر رہی تھی جو کہ مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، بس میں سیٹ خالی نہ ہونے کے باعث وہ اپنی فرینڈ کے ساتھ کھڑی تھی، ایک ہاتھ

اس نے بس کے درمیان لگے پائپ کو تھام رکھا تھا، کچھ ہی دیر کے بعد ایک جگہ بس رکنے پہ اس بس میں ایک خوش شکل اور ویل ڈریس نوجوان سوار ہوا تھا اور اتفاقاً وہ ابرش اور اس کی فرینڈ کے قریب کھڑا ہو گیا تھا، ایک تو بس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی دوسرا روڈ خراب ہونے اور دھکم پیل کے باعث غیر ارادی طور پہ دو تین بار اس نوجوان کا

ناولٹ

کندھا ابرش سے ٹکرایا تھا، جب تیسری بار ایسا ہوا تو ابرش نے اس نوجوان کو سخت سست سنانے کے لئے اپنے لب کھولے ہی تھے کہ دفعتاً ایک اسپیڈ بریکر کی بدولت اس نوجوان کو اپنے عقب سے ایک زور دار دھکا پڑا تھا اور وہ اپنا توازن کھو کر بے ساختہ اپنے قریب کھڑی ابرش پہ گر گیا تھا، ابرش نے ایک ہاتھ اس کے سینے پہ رکھ کر اگلے ہی لمحے اسے خود سے ہٹایا تھا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک زور دار تھپڑ اس نوجوان کے منہ پہ دے مارا تھا، وہ جو اس اچانک افتاد پہ اس سے ایکسکیوز کرنے ہی والا تھا کہ اس کے ہولناک تھپڑ نے اس نوجوان کے لبوں سے الفاظ ہی چھین لئے تھے، شرمندگی نہایت غصے اور بے یقینی کی ایک لہر اس کے بدن میں دوڑ گئی تھی اور وہ تھی کہ تھپڑ کے ساتھ ساتھ اس پہ مزید برس رہی تھی۔

''لڑکیوں کو چھیڑنے کے یہ طریقے بہت پرانے ہو چکے ہیں مسٹر، اب نہ یہ طریقے رہے ہیں اور نہ وہ بزدل لڑکیاں رہی ہیں جو آپ جیسے

پانچویں قسط

چیپ اور آوارہ لڑکوں کو ایسی بے ہودہ حرکتوں پہ خاموش ہو جایا کرتی تھیں، لہٰذا آئندہ کسی بھی لڑکی کو یوں چھیڑنے اور تنگ کرنے سے پہلے اس تھپڑ کو یاد ضرور کر لیا کرنا۔'' ابرش کی جرأت اور غصے پہ پوری بس میں سکوت چھا گیا تھا، بس میں موجود تمام خواتین و حضرات اس نوجوان کو حقارت دلچسپ اور قابل رحم نظروں سے دیکھ رہے تھے، اتنے لوگوں کے درمیان ایک لڑکی نے اسے ایک تماشہ بنا کر رکھ دیا تھا۔

وہ نوجوان از حد حیرت بے یقینی اور نہایت غصے سے ابرش کو یوں گھور رہا تھا جیسے اسے کچا چبا جائے گا، اس نوجوان کی نظروں میں اس کے لئے خون اترنے لگا تھا، ابرش کی فرینڈ نے اسے کہنی مار کر خاموش رہنے کو کہا تھا، اگلے چند لمحوں کے بعد ابرش اور اس کی فرینڈ کا پوائنٹ آ گیا تھا اور وہ ہنوز غصے سے اپنی فرینڈ کے ساتھ بس سے نیچے اتری تھی، وہ ایک دلیر اور بہادر بھائی کی بہن تھی، اپنی حفاظت کرنا بھی جانتی تھی، کلاس میں کسی لڑکے کو اس سے بات چیت کرنے یا دوستی کی خواہش اس پہ ظاہر کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی تھی، لہٰذا ابرش کے لئے بس میں ہونے والا یہ واقع نہایت معمولی نوعیت کا تھا، جسے یاد رکھنا اس کے لئے ضروری نہ تھا۔

مگر اس نوجوان کے لئے یہ واقع کوئی معمولی واقع نہ تھا، ایک راہ چلتی لڑکی نے محض ایک غلط فہمی کے باعث اسے لوگوں سے بھری بس میں ذلیل کر دیا تھا، اس کی عزت اسے تھپڑ مار کر دو کوڑی کی کر دی تھی، وہ اپنے آپ سے بھی شرمندہ ہو رہا تھا اور سر اٹھانے کے قابل نہ رہا تھا لڑکیاں اس سے دوستی کی خواہش کیا کرتی تھیں اور اس لڑکی نے اسے چند لمحوں میں بے عزت کر دیا تھا، اس کا خون کھول رہا تھا۔

☆☆☆

مولوی صاحب اسٹیج پہ آ چکے تھے، وہ نکاح پڑھوانے کی تیاری کر رہے تھے، وہ اسٹیج پہ عین ذوناش کے پیچھے کھڑا تھا، مرسل نے ایک لمحے کے لئے گردن موڑ کر اپنے اور ذوناش کے پیچھے کھڑے کومیل کو ناگواری سے دیکھا تھا، جواباً کومیل نے اس کی ناگواری بھانپ کر دھیرے سے اسے جواب دیا تھا۔

''سوری سر! اٹس مائے ڈیوٹی، میم کی سیکورٹی کے لئے میرا یہاں کھڑے رہنا ضروری ہے۔'' کومیل نے پروفیشنل انداز میں کہا تو مرسل سیدھا ہو بیٹھا، مولوی صاحب نے نکاح پڑھوانا شروع کیا۔

''بیٹی ذوناش ہم سنت رسولؐ کے مطابق آپ کا نکاح بعوض پچاس لاکھ روپے حق مہر معجّل عزیزم مرسل قریشی ولد کبیر قریشی کے ساتھ پڑھنا چاہتے ہیں کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے؟'' مولوی صاحب نے ذوناش سے اجازت لی۔

کومیل کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا تھا، اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا، توقف کے بعد وہ آہستگی سے بولی تھی۔

''جی اجازت ہے۔'' اس کے بعد مولوی صاحب مرسل سے مخاطب ہوئے۔

''عزیزم مرسل قریشی ہم آپ کا نکاح بعوض پچاس لاکھ روپے حق مہر معجّل ذوناش بنت کمال قریشی سے کروا رہے ہیں، کیا آپ کو قبول ہے؟'' اس سے پہلے کہ مرسل مولوی صاحب کے سوال پہ قبول ہے کہتا، کومیل نے ایک جھٹکے سے ذوناش کو عقب سے پکڑ کر دائیں جانب صوفے پہ گرا دیا تھا، اس اچانک اور غیر متوقع افتاد پہ ذوناش کے لبوں سے چیخ نکل گئی تھی۔

اگلے ہی لمحے ایک اندھی گولی کومیل کے کندھے کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی، خون تیزی سے بہتے ہوئے اس کی شرٹ کو بھگو رہا تھا، صرف ایک لمحے کا کھیل تھا اگر وہ ایک لمحہ بھی تاخیر کر دیتا تو وہ اندھی گولی ذوناش کے سر میں پیوست ہو کر اس کا کام تمام کر دیتی۔

کومیل کے کندھے سے بہتا ہوا خون دیکھ کر ذوناش کی چیخیں نکل گئی تھیں، ہر طرف بھگدڑ مچ گئی تھی۔

کومیل اگلے چند لمحوں کے بعد عقب سے نکل کر لان کے اس حصے کی جانب بھاگا تھا جہاں فائر کرنے والے کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

''کومیل رک جاؤ، آگے مت جاؤ۔'' عقب سے ذوناش نے چیختے ہوئے اسے پکارا تھا، وہ شدید خوف و حراس میں مبتلا تھی، مرسل اس ہنگامی صورت حال میں اسٹیج سے نا جانے کہاں غائب ہو گیا تھا، ایک لمحے کے لئے کومیل نے گردن موڑ کر چلاتے ہوئے ذوناش کو ہدایت دی تھی۔

''Zonash go to your room hurry up your life is in danger hurry uo۔'' کومیل اسے ہدایت دے کر اپنے کندھے سے بہتے خون کی پرواہ نہ کرتے ہوئے لان کے اس حصے کی جانب فائر کرتے ہوئے بڑھ گیا تھا، جہاں سے ذوناش پہ گولی چلائی گئی تھی، کمال قریشی حواس باختہ سے ذوناش کے پاس آئے تھے اور خوف و حیرت سے کانپتی ذوناش کا ہاتھ تھام کر تقریباً بھاگتے ہوئے مین انٹرس کی جانب بڑھے تھے، ہر طرف افراتفری کا عالم تھا، نکاح کی تقریب میں مدعو مہمان شدید خوف و حراس میں مبتلا ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے، اس دوران گھر کے کسی ملازم نے قریبی پولیس اسٹیشن میں فون کر کے اس واقعہ کی اطلاع دے دی تھی۔

کومیل فائر کرنے والے شخص کو زندہ پکڑنا چاہتا تھا، تاکہ اس شخص تک رسائی ممکن ہو سکے جس کے تھرو وکرم سنگاپور سے پاکستان میں ذوناش پہ یوں حملے کروا رہا تھا۔

کومیل اب آہستہ آہستہ چھپ چھپا کر درختوں کے جھنڈ کے قریب جا رہا تھا، فائر کرنے والا اپنی پوزیشن بدلنے کے لئے ایک درخت کی اوٹ سے نکل کر بھاگا تھا مگر اگلے ہی لمحے کومیل نے اس کی ٹانگوں پہ فائر داغ دیا تھا، اب وہ شخص زمین بوس ہو کر کراہنے لگا تھا۔

کومیل درخت کی اوٹ سے نکل کر اس شخص کی جانب لپکا تھا لیکن وہ شخص بھی خاصا ٹرینڈ قسم کا قاتل تھا، اس نے کومیل پہ ہی فائر کر دیا تھا، کومیل اس کی گولی سے بچنے کے لئے کسی گوریلے کی طرح قلابازی مار کر ایک سائیڈ پہ ہو گیا تھا۔

اس پھرتی کے باوجود اس شخص کا دوسرا فائر اس کی کمر میں پیوست ہو گیا تھا، اپنے بچاؤ کے لئے جواباً کومیل نے اس پہ فائر کیا تو وہ جانبر نہ ہو سکا، گولی اس شخص کے سینے میں جا لگی تھی، اب وہ بے حس و حرکت زمین پہ گرا ہوا تھا، کومیل کے جسم سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا، شدید نقاہت کے باوجود وہ اپنی ہمت جمع کیے رینگتے ہوئے اس نا معلوم شخص کے پاس آ گیا تھا، فضا میں پولیس کی گاڑی کے سائرن بجنے کی آواز آ رہی تھی، دفعتاً کومیل کو اس شخص کے قریب موبائل کی بپ سنائی دی، کوئی مسلسل اس مجرم کو کال کر رہا تھا۔

کومیل نے اپنا پسٹل گھاس پہ پھینکا اور ہنوز رینگتا ہوا مزید اس شخص کے پاس آیا اور اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا، بالآخر اس کی دائیں پاکٹ سے اسے موبائل مل گیا تھا، کومیل نے جلدی سے

موبائل اس کی جیب سے نکال کر کال پک کی اور موبائل کان سے لگا لیا، کسی کی عجلت میں سرگوشی بھری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''جیدے کہاں ہو تم؟ ابھی تک باہر کیوں نہیں نکلے، جلدی یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو، جلدی، میں نے اس گھر کے عقبی گیٹ پہ موجود گن مین کو ہدایت کر دی ہے اس نے گیٹ پہ موجود سی سی ٹی وی کیمرہ آف کر دیا ہے، جلدی یہاں سے بھاگو، وہ گن مین پچھلے گیٹ سے تمہارے فرار ہونے میں مدد کرے گا میں فون بند کر رہا ہوں۔'' اور پھر کال بند ہو گئی، کومیل پتھر کا ہو گیا تھا اس کی نظریں ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ مرکوز تھیں۔

اس کا وجود سوکھے پتے کی طرح کانپ اٹھا تھا، وہ مرسل قریشی کی آواز با آسانی پہچان سکتا تھا، اس انکشاف نے کومیل کا رہا سہا خون بھی نچوڑ لیا تھا، شدید نقاہت طاری ہو رہی تھی اس پہ۔

پولیس کی بھاری نفری اب کمال پیلس کے اندر داخل ہو چکی تھی، عجلت میں کومیل نے کیاری کے قریب رکھی کھرپی اٹھا کر کیاری کھودنی شروع کی اور پھر وہ موبائل آف کر کے اس نے کیاری میں دبا دیا تھا، اس کے کندھے اور کمر سے زیادہ خون بہہ جانے کے باعث بالآخر وہ کیاری کے قریب ہی گر گیا تھا۔

کمال پیلس میں رونما ہونے والا یہ واقع کوئی معمولی واقع نہ تھا اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے کمال قریشی نے پوری پنجاب پولیس کو الرٹ کر دیا تھا۔

تمام گارڈز کو حراست میں لے لیا گیا تھا، جن سے تفتیش کے باوجود کوئی سراغ نہ مل سکا تھا، گھر کے جس عقبی گیٹ کا سی سی ٹی وی کیمرہ بند کیا گیا تھا، اس گیٹ پہ موجود گارڈ کی پولیس حراست میں ڈیتھ ہو گئی تھی، اس واقع کے پیچھے اصل مجرم کون تھا؟ دو ہفتے گزر جانے کے باوجود یہ معمہ حل نہ ہو سکا تھا۔

☆☆☆

ذوناش نے زندگی میں اتنی رو رو کر کسی کے لئے دعائیں نہ مانگیں تھیں جتنی اس نے کومیل کی صحت تندرستی اور زندگی کی دعائیں مانگیں تھیں، ایک بار پھر اس نے اپنی جان پہ کھیل کر اللہ کے حکم سے ذوناش کو بچا لیا تھا، بہترین علاج اور سب کی دعاؤں سے اب وہ تیزی سے صحت یاب ہو رہا تھا، یہی وجہ تھی کہ اسے ڈسچارج کر کے گھر بھجوا دیا گیا تھا، وہ جتنے دن ہاسپٹل میں رہا تھا ذوناش اسے دن میں کئی کئی بار فون کر کے اس کی خیریت پوچھتی تھی، کومیل نے فون پہ ذوناش کو خفیہ طور پہ اس کیاری سے موبائل نکال کر اپنے پاس چھپا لینے کی ہدایت کر دی تھی اور ذوناش نے اس کے حکم کے مطابق ویسا ہی کیا تھا۔

ذوناش اس کو دیکھنے اس سے ملنے کے لئے سخت بے تاب تھی مگر اس کی سیکیورٹی کے باعث کمال قریشی اسے کمال پیلس سے نکلنے کی اجازت نہ دے رہے تھے، دوسری طرف کومیل نے اس مجرم شخص کے موبائل پہ آنے والی فون کال کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا۔

وہ مرسل قریشی کے خلاف مزید کسی ٹھوس ثبوت کے ساتھ ایکشن لینا چاہتا تھا، وہ بہت با اثر تھا، اس اثر و رسوخ کی بنیاد پہ ہی تو اس نے گارڈ کو پولیس حراست کے دوران مروا دیا تھا، تاکہ وہ شخص اپنی زبان نہ کھول سکے، اس انکشاف نے کومیل کو گھما کر رکھ دیا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ذوناش کو کیوں مروانا چاہتا تھا؟ اس کا وکرم سے کیا تعلق تھا؟ ذوناش اس کی کزن تھی اس کی

ہونے والی بیوی تھی، کروڑوں کی جائیداد کی مالک تھی بے پناہ حسین و جمیل لڑکی تھی، پھر وہ ایک بے ضرر لڑکی کو کیوں مروانا چاہتا تھا؟ ایسے بہت سے سوال تھے جو اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے، وہ جلد از جلد صحت یاب ہو کر دوبارہ اپنی ڈیوٹی جوائن کرنا چاہتا تھا، اس معاملے کو ذوناش کے روبرو بیٹھ کر ڈسکس کرنا چاہتا تھا۔

اس کے علاج معالجے کا تمام خرچ کمال قریشی نے اٹھا رکھا تھا، اس نے اپنی جان پہ کھیل کر ایک بار پھر کمال قریشی کی عزیز از جاں بیٹی کو بچالیا تھا جو زندگی بن کر اس کی زندگی میں سانس لینے لگی تھی۔

ابھی بھی وہ اپنے کمرے میں اپنے بیڈ پہ لیٹا انہی سوالوں میں الجھا ہوا تھا، جب اس کے موبائل کی بپ سنائی دی تھی، اس نے بے دلی سے موبائل اٹھایا مگر اس کی اسکرین پہ آنے والے نمبر نے کومیل کے لبوں پہ مسکراہٹ کھلا دی تھی۔

''ہیلو السلام علیکم؟'' کومیل نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام، کیسے ہو کومیل؟'' دوسری جانب سے بے چینی سے پوچھا گیا تھا۔

''بہتر ہوں، ابھی میں آپ کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔'' بے ساختہ وہ کہہ بیٹھا۔

''میں اتنی خوش نصیب کب سے ہوگئی کہ تم میرے بارے میں سوچنے لگو؟'' دھیرے سے پوچھا گیا۔

''یہ سچ ہے کہ میں آپ کی محبت کے آگے ہار گیا ہوں، میرا دل اب میری بات نہیں مانتا، آپ کی طلب کرتا ہے اور کسی نافرمان اولاد کی طرح ہر وقت مجھے ستاتا رہتا ہے۔'' کومیل کے اظہار نے اس کے جملوں نے اس کی آنکھیں بھگو دی تھیں جواباً وہ کچھ بول ہی نہیں سکی تھی۔

''آپ رو رہی ہیں؟'' سوال کیا گیا۔

''ہاں کبھی کبھی محبت ایسے ہی رولا دیتی ہے بلاوجہ۔''

''پلیز مت روئیں مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔'' کومیل نے تڑپ کر التجا کی تو دوسری طرف ذوناش نے اپنے آنسو صاف کر لیے۔

''تم ایک بہترین اور اعظیم انسان ہو کومیل۔'' ذوناش نے اعتراف کیا۔

''پلیز آپ ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ مت کیا کریں، انسان بہت خطا کار ہوتا ہے، مجھے فرشتہ سمجھنا چھوڑ دیں۔'' وہ بہت عاجزی پسند تھا، چیزوں کا کریڈٹ لینا اسے ہرگز نہیں آتا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے کومیل تمہیں زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔'' ذوناش نے شکر ادا کیا۔

''جی بالکل آپ سب کی دعائیں ہیں۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ کیسا فیل کر رہے ہو؟'' ذوناش کے انداز میں بے قراری تھی، وہ دھیرے سے مسکرا دیا، ذوناش کا فکرمند سا چہرہ اس کی نگاہوں میں گھوم گیا تھا۔

''آپ کی فون کالز کی بدولت اب تیزی سے بہتر ہو رہا ہوں اور جس دن آپ کو دیکھ لوں گا اس دن مکمل صحت یاب ہو جاؤں گا۔'' کومیل نے گمبھیر آواز میں اپنے اندر کا سچ بتایا تو دوسری طرف ذوناش بلش ہوگئی تھی۔

''بیماری میں خوب رومانس جھاڑ رہے ہو مجھ پہ، زخمی ہو کر کچھ زیادہ ہی رومانٹک نہیں ہو گئے تم؟''

''یہ سچ ہے ذوناش آپ میری ضرورت ہیں، زندگی بن کر میری رگوں میں دوڑنے لگی ہیں، دھڑکن بن کر میرے دل کو زندہ رہنے کا احساس دلاتی رہتی ہیں آپ اور یہ سب کب کیسے

اور کیوں ہوا؟ میں نہیں جانتا، محبت خاموشی سے دبے پاؤں ایک مکڑی کی طرح کب اور کیسے میرے گرد آپ کی محبت کا جالا بنتی رہی مجھے کچھ خبر نہ ہو سکی اور میں کسی اسٹوپڈ مکھی کی طرح نا جانے کیسے اور کیوں اس جالے میں پھنس گیا؟'' کومیل آج اعتراف کر لینا چاہتا تھا، دل کی باتیں دل میں رکھ کر اس نے بہت تکلیف اٹھائی تھی۔

''محبت ایسی ہی ہوتی ہے کومیل، چپکے چپکے دیمک بن کر کھا جاتی ہے، اپنی ذات سے کسی دوسرے کی ذات تک کی رسائی کا جو سفر ہوتا ہے ناں، یہ عمر بھر کے لئے کافی ہوتا ہے، بہت کرب سہنا پڑتا ہے اس محبت میں، بہت ستم سہنے پڑتے ہیں اس کم بخت محبت میں۔'' ذوناش دھیرے دھیرے بول رہی تھی، آج اس کا حرف حرف کومیل کو سچ لگ رہا تھا۔

''ویسے اب تو تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ محبت کتنی پین فل چیز ہے؟'' ذوناش کے سوال پہ وہ مسکرانے لگا تھا۔

''ہاں جان چکا ہوں۔

دل کی رگ رگ نچوڑ لیتا ہے
عشق میں یہ بڑی مصیبت ہے''

اس کی بے چارگی پہ ذوناش ہنسنے لگی تھی، آج وہ کتنے ہی دنوں کے بعد یوں ہنسی تھی۔

''چلو اسی بہانے تمہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ کسی کو محبت میں تڑپانے کی سزا کیا ہوتی ہے؟''

''آپ اندازے کی بات کر رہی ہیں، میرے چودہ طبق روشن کر دیئے ہیں اس محبت نے۔'' اس کے انداز میں بے بسی تھی، ذوناش کے لبوں پہ ایک دلفریب مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی۔

''بس تم جلدی سے ٹھیک ہو کر واپس آ جاؤ، میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں اور تمہارے بغیر خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی ہوں۔'' ذوناش نے بے ساختہ اسے بتایا۔

''انشاء اللہ آپ کی دعاؤں سے میں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا، آپ اپنا بہت خیال رکھئے گا اور پلیز جب تک میں واپس نہیں آ جاتا آپ لان، ٹیرس میں نہیں بیٹھیں گی اور نہ ہی اکیلے مرسل صاحب کے ساتھ کہیں باہر جائیں گی۔'' کومیل نے اسے تنبیہ کی۔

''او کے بابا نہیں جاؤں گی، تم سو بار مجھے یہ نصیحت کر چکے ہو اور ہاں وہ کون سی ایسی خاص بات ہے جو تم مجھے بتانا چاہتے ہو؟'' ذوناش نے پوچھا۔

''وہ میں آپ کو فون پہ نہیں بتا سکتا، واپس آؤں گا تو آپ کو بتاؤں گا۔'' وہ ٹال گیا تھا۔

''او کے بس جلدی سے ٹھیک ہو کر واپس آ جاؤ، میں اب فون رکھ رہی ہوں، ورنہ نماز قضا ہو جائے گی مجھ سے۔''

''آپ کے اندر آپ کی لائف میں آنے والی تبدیلی نے آپ کو صحیح معنوں میں خوبصورت بنا دیا ہے، مرد اگر دین دار ہو جائے تو دین گھر کی دہلیز تک پہنچ جاتا ہے اور اگر گھر کی عورت دین دار ہو جائے تو دین نسلوں تک پہنچ جاتا ہے۔'' کومیل نے اس کو سراہا۔

''اور یہ سب تمہارا میری زندگی میں آنے کے بعد ہوا، ورنہ نا جانے میں کب تک گمراہی کی زندگی گزارتی رہتی؟'' اس نے تسلیم کیا۔

''اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے، بس اللہ نے ہمیں ہدایت دینے کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر رکھا ہوتا ہے۔'' کومیل نے انکساری سے کہا۔

''اینی وے اپنا بہت خیال رکھیئے گا، جب تک میں واپس نہیں آ جاتا۔'' کومیل نے بات کو

مختصر کیا، اس کے کمرے کے دروازے پہ دستک ہو رہی تھی۔

''اوکے ٹیک کیئر۔'' دوسری طرف سے ذوناش نے بھی مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا تھا، اسی اثناء میں عائشہ بیگم ٹرے میں سوپ کا باؤل ٹرے میں رکھے کمرے میں داخل ہوئیں۔

''کومیل میری جان میں سوپ بنا کر لائی ہوں تمہارے لئے۔'' عائشہ بیگم نے ٹرے اس کے سامنے بیڈ پہ رکھی اور خود بھی اس کے سامنے بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔

''ماں کیوں خواہ مخواہ خود کو ایسے کاموں میں تھکاتی ہیں، میں اب ٹھیک ہوں بالکل۔'' کومیل نے عقیدت سے انہیں دیکھا۔

''کہاں ٹھیک ہو تم، دیکھو کیسا پیلا رنگ ہو رہا ہے تمہارا؟'' عائشہ بیگم کی فکر اور تشویش دیکھ کر کومیل مسکرا دیا۔

''ماؤں کو نا جانے کیوں اپنی اولاد کے لئے ایسے وہم ہو جاتے ہیں؟ میں اب ٹھیک ہوں ماں، اب بلاوجہ پریشان ہو کر اپنا بی پی ہائی کر لیں گی۔'' کومیل کو ان کی فکر ہوئی۔

''مائیں بلاوجہ پریشان نہیں ہوتی ہیں، پر تجھے کیا پتہ ماں کے اندیشوں کا ماں کی فکروں کا؟ ماں کی سوچیں، ماں کی فکریں تو ساری دنیا سے نرالی ہوتی ہیں میرے بچے۔'' عائشہ بیگم کی آنکھوں میں پانی چھلک گیا تھا اور انہوں نے چمچ بھر کر سوپ کومیل کے لبوں کی طرف بڑھایا، تو وہ انہیں عقیدت اور محبت سے دیکھے گیا۔

''اللہ آپ کا اور ابا کا سایہ ہم پہ سلامت رکھے، ماں آپ کے دم سے ہی یہ گھر گھر ہے۔'' کومیل نے محبت سے ان کے ہاتھ تھام لئے تھے، عائشہ بیگم دھیرے سے مسکرا دیں۔

''اللہ ہمیں بھی کبھی تمہارا اور ابرش کا کوئی دکھ نہ دکھائے میرے بچے۔'' عائشہ بیگم نے اسے سوپ پلاتے ہوئے دعا دی۔

''ماں ابرش سے یاد آیا، کہاں ہے ابرش آئی نہیں ابھی؟'' کومیل نے استفسار کیا۔

''بس آنے ہی والی ہے، یونیورسٹی سے فون کر کے تمہارا حال پوچھ رہی تھی مجھ سے، اس وقت تم سو رہے تھے۔'' عائشہ بیگم نے اسے بتایا، تو وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

''ماں آپ نے بتایا نہیں اسلم چاچا اور ثریا خالہ کب آ رہے ہیں شادی کی تاریخ لینے۔'' کومیل نے پوچھا تو عائشہ بیگم پرسوچ انداز میں بولیں۔

''آج کل میں انہوں نے آنا تو تھا، مگر کچھ دنوں سے ان کی طرف سے خاموشی چھائی ہوئی ہے، اپنی آمد کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا ثریا نے اور نہ ہی اب وہ زیادہ فون کرتی ہے، پہلے تو ہر دوسرے دن فون کر کے ابرش کا اور میرا حال پوچھتی تھی۔'' عائشہ بیگم کے انداز میں تجسس اور فکرمندی جھلک رہی تھی۔

''مصروف ہوں گی ماں اور بھلا کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

''اللہ کرے کومیل ایسا ہی ہو۔'' عائشہ بیگم کا انداز اب بھی تشویش بھرا تھا۔

☆☆☆

بریگیڈیئر جواد چوہدری ابھی ابھی آفیسر کلب سے گھر آئے تھے، ان کے فوج کے کچھ پرانے دوستوں نے انہیں مدعو کر رکھا تھا۔

وہ بہت خوشگوار موڈ میں گھر داخل ہوئے تھے، مگر لاؤنج میں اپنی بیگم ثمرین کو پریشان بیٹھا دیکھ کر ان کے لبوں سے تھوڑی دیر پہلے عود آئی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

''ثمرین کیا بات ہے؟ اس طرح سے

پریشان کیوں بیٹھی ہو؟ تمہیں تو بنٹی کے ساتھ کہیں جانا تھا ناں؟'' جواد چوہدری ان کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولے۔

''دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے آپ کے بیٹے نے، اپنی حرکتوں سے کسی دن پاگل کر دے گا مجھے۔'' ثمرین بیگم نے تفکر سے سر تھام لیا۔

''ارہم کسی دن ہم دونوں میں سے کسی کی جان لے کر ہی رہے گا، بہت ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے یہ لڑکا ہماری محبت کا، فوج اس نے جوائن نہیں کی، جاب یہ نہیں کرنا چاہتا، امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس شروع کروا کر دیا ہے، یہ نالائق بزنس پہ بھی توجہ نہیں دے رہا۔''

''ضدی اور خود سر تو اتنا ہے کہ حد نہیں، پچھلے دنوں میں اس کی ضد کے مطابق اسے نئی گاڑی نہیں دلوا سکا تو ہمارا یہ اکلوتا لخت جگر ایک ہفتہ بسوں اور ویگنوں میں دھکے کھا کر سفر کرتا رہا ہے ہماری سات پشتوں میں بھی کسی نے بسوں میں دھکے نہیں کھائے۔'' جواد چوہدری ارہم کے پرانے کھاتے کھول کر بیٹھ گئے تھے۔

''ان باتوں کو چھوڑیئے، اب جو اس نے نئی ضد پکڑ رکھی ہے وہ سنیں گے تو آپ کا بھی خون کھول اٹھے گا۔'' ثمرین رو دینے کو تھیں۔

''اب کیا کہتا ہے یہ نالائق، کچھ بتاؤ گی تو پتہ چلے گا ناں مجھے۔'' جواد چوہدری جھنجلائے۔

''اب یہ لڑکا مجھے میری بہن کے سامنے ذلیل و خوار کروانے پہ تل گیا ہے۔''

''خدا کے لئے ثمرین مجھے کچھ بتاؤ کیوں پہیلیاں بجھوا رہی ہو تم۔'' جواد چوہدری کے لہجے میں اب کے بے پناہ تشویش تھی۔

''آپ کے بیٹے کو کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے کہتا ہے وہاں اس کے لئے رشتہ مانگنے جائیں۔''

ثمرین بیگم کے انکشاف پہ وہ حیرت اور غصے سے اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''واٹ ربش؟ دماغ خراب ہو گیا ہے اس لڑکے کا؟ دو سال پہلے اس اسٹوپڈ نے اپنی پسند سے رینا سے منگنی کروائی ہے، سال ڈیڑھ تک اس کی رینا سے شادی ہونے والی ہے اس کے لئے پاگل رہتا ہے یہ لڑکا۔''

''پھر یہ...... یہ نیا عشق کہاں سے آ گیا اس کی زندگی میں؟'' غصے سے جواد چوہدری کا سانس پھول گیا تھا انہیں اس انکشاف پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

''بہت سمجھایا ہے میں نے ارہم کو، مگر وہ اپنی ضد پہ اڑا ہوا ہے کہتا ہے اگر آپ لوگ میرا رشتہ مانگنے نہ گئے تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔'' ثمرین بیگم غم سے رو پڑی تھیں، کیونکہ دو سال پہلے ارہم نے ان کی چھوٹی بہن کی لاڈوں میں پلی اکلوتی بیٹی رینا سے افیئر کے بعد منگنی کروائی تھی۔

''جاتا ہے تو چلا جائے، عذاب بنا کر رکھ دی ہے اس لڑکے نے ہماری زندگی، کیا منہ دکھاؤں گا میں فاروق اور بنٹی کو؟ کس منہ سے انکار کروں گا میں اس رشتے سے؟'' غصے سے جواد چوہدری کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''ارہم کے پاس تو جیسے ہر سوال کا جواب موجود ہے، کہتا ہے بنٹی خالہ اور رینا سے میں خود بات کر لوں گا۔'' ثمرین بیگم نے اپنا ماتھا مسلا، اس دوران گھر کی ملازمہ چائے کی ٹرے اٹھائے اندر آئی اور انہیں چائے سرو کرنے لگی۔

''اینی وے اس بار چاہے یہ لڑکا کچھ بھی کہے، اس کی یہ ضد کسی بھی صورت نہیں مانی جائے گی۔'' بریگیڈئر جواد چوہدری نے جیسے اپنا فیصلہ سنا کر بات ختم کر دی تھی۔

''اور میری ایک بات یاد رکھنا یہ لڑکا

عنقریب پاگل ہو جائے گا اور اپنے ساتھ ساتھ ہمیں بھی، پاگل خانے لے کر جائے گا اسے فی الحال بیوی کی نہیں کسی سیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔" جواد صاحب کا پارہ ہائی ہو چکا تھا سو وہ دل کی خوب بھڑاس نکال رہے تھے۔

☆☆☆

کومیل کو دو دن کے بعد واپس کمال پیلس چلے جانا تھا، سو عائشہ بیگم نے کومیل کی فرمائش پہ ناشتے میں آلو کے پراٹھے بنائے تھے۔

آج چونکہ اتوار تھی تو ابرش بھی گھر ہی تھی اور کچن میں عائشہ بیگم کے ساتھ ہیلپ کروا رہی تھی، قریب ہی کومیل کچن میں چھوٹے سے ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔

"ماں آپ بھی ناشتہ کر لیں، باقی کے پراٹھے میں بناتی ہوں۔" ابرش نے عائشہ بیگم کے ہاتھ سے پیڑا لیا۔

"بس اب دو تین ہی پراٹھے بنانا، ورنہ پڑیں رہیں گے یونہی۔" عائشہ بیگم قریب ہی لگے سینک میں ہاتھ دھوتے ہوئے بولیں تو ابرش اثبات میں سر ہلا گئی۔

"ماں ابا کہاں ہیں؟ آئے کیوں نہیں ابھی تک؟" کومیل نے فکر مندی سے پوچھا تو عائشہ بیگم اپنے دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی کومیل کے پاس بیٹھ گئیں۔

"فجر کی نماز کے بعد بھائی اسلم کی طرف گئے ہیں، بھائی اسلم نے تمہارے ابا کو فون کر کے بلایا تھا۔"

"اچھا خیریت؟" کومیل نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

"اللہ کرے خیر ہی ہو، اب یہ تو تمہارے ابا آ کر ہی بتائیں گے۔" عائشہ بیگم نے اپنے سامنے رکھے پراٹھے کا نوالہ توڑا۔

اسی دوران کچن میں متفکر سے اکرام صاحب داخل ہوئے، ان کے چہرے پہ پریشانی درج تھی۔

"آ گئے آپ؟ اب جلدی سے آ جائیں اور ناشتہ کر لیں۔" عائشہ بیگم نے لحظہ بھر ان کے چہرے کو دیکھا تو اپنا اگلا جملہ بھول گئیں۔

"بھوک نہیں ہے مجھے عائشہ، بس ایک گلاس پانی پلا دو مجھے۔" وہ ہنوز پریشانی سے چیئر گھسیٹ کر کومیل کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔

"اکرام صاحب خیر تو ہے آپ اتنے پریشان کیوں دیکھائی دے رہے ہیں؟" عائشہ بیگم نے ٹیبل سے جگ اٹھا کر پانی گلاس میں انڈیلا اور اکرام صاحب کی طرف بڑھایا۔

"نہیں خیر نہیں ہے۔" انہوں نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے گلاس عائشہ بیگم کے ہاتھ میں تھمایا۔

"ابا بتایئے ناں، سب ٹھیک تو ہے آپ اسلم چچا کی طرف گئے تھے؟ آج کل انہوں نے شادی کی تاریخ لینے آنا تھا۔" کومیل نے رخ موڑ کر اکرام صاحب کو دیکھا۔

"اب نہیں لینے آئیں گے وہ شادی کی تاریخ۔" اکرام صاحب نے پانی کا گھونٹ بھر کر گلاس ٹیبل پہ رکھ دیا، عائشہ بیگم کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ گیا تھا۔

"مگر کیوں؟"

"اعجاز نے انکار کر دیا ہے اس رشتے سے۔" اکرام صاحب کے انکشاف پہ ابرش کے ہاتھ سے بھی آٹے کا پیڑا چھوٹ کر خشک آٹے میں گر گیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں ابا؟" کومیل کو جیسے اپنے کانوں پہ یقین نہ آیا تھا اور یہی حالت ابرش اور عائشہ بیگم کی تھی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں، اسلم نے اسی لئے مجھے بلایا تھا، وہ بہت شرمندگی سے مجھ سے معذرت کر رہا تھا، نا جانے کیوں اعجاز نے اس رشتے سے انکار کیا ہے، اسلم خود بھی بہت پریشان تھا اس نے اعجاز سے بہت بار پرس کرنے کی کوشش کی کہ آخر کس وجہ سے وہ اس شادی سے انکاری ہوا ہے مگر اعجاز نے وجہ نہیں بتائی۔" اکرام صاحب کے لہجے میں بے بسی تھی، کرب تھا۔

کومیل کی غصے سے بھنویں سکیڑ گئی تھیں، ابرش توے سے روٹی اتار کر کچن سے باہر نکل گئی تھی، اسے اعجاز سے کوئی عشق و محبت نہ تھا، اس نے اپنے ماں باپ کی پسند پہ فرمانبرداری سے اعجاز کے لئے ہاں کہہ دی تھی، مگر یوں اچانک ریجکشن کا احساس اس کی آنکھوں میں آنسو بن کر چھلک گیا تھا۔

کومیل نے لحظہ بھر نظریں چراتی کچن سے نکلتی ابرش کو دیکھا اور غصے سے بولا۔

"نہیں مانتا اعجاز تو بھاڑ میں جائے، اگر اس کو یہ شادی قبول نہیں تھی تو اس کے گھر والے رشتہ مانگنے ہی کیوں آئے؟ کوئی ضرورت نہیں آپ لوگوں کو ابرش کے لئے پریشان ہونے کی، میری بہن کو رشتوں کی کمی نہیں ہے، صرف ایک وہی لڑکا نہیں تھا میری بہن کے لئے، آپ ان کی منگنی پہ دی ہوئی چیزیں واپس کر دیں، کوئی ضرورت نہیں ہے اسلم چاچا یا ثریا خالہ سے مزید کوئی سوال کرنے کی۔" کومیل غصے میں چیئر سے اٹھ کر کچن سے باہر نکل گیا تھا، عائشہ بیگم کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

"لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے سو سو سوال کریں گے کہ آخر یہ رشتہ ٹوٹا تو کیوں ٹوٹا؟ کیا جواب دوں گی میں لوگوں کو؟" عائشہ بیگم آبدیدہ لہجے میں بولیں تھیں۔

"پریشان مت ہو عائشہ! اور اللہ کے لئے لوگوں کی پرواہ مت کیا کرو، اللہ بہتر لے کر بہترین سے نوازنے والا ہے، اس کی ذات پاک پہ بھروسہ رکھو، یقیناً اس ذات پاک نے ہماری ابرش کے لئے کچھ اچھا ہی سوچ رکھا ہو گا اور ویسے بھی کومیل ٹھیک کہتا ہے ہماری ابرش میں کیا کمی ہے؟ ہماری بیٹی کی کون سی عمر نکلی جا رہی ہے، اس کی روٹی بھاری نہیں ہے مجھ پہ، انشاء اللہ وہ بابرکت ذات بہتر کرے گی۔" اکرام صاحب نے عائشہ بیگم کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر دھیرے سے دبایا۔

☆☆☆

اور پھر ایک انہونی ہو گئی تھی اور وہ انہونی یہ تھی کہ راہم نے رینائل کو راضی کر لیا تھا، اسے منا لیا تھا، اس سے اجازت لے لی تھی شادی کی اور اس سلسلے میں رینائل نے خود کو بریگیڈیئر جواد اور اپنی خالہ ثمرین سے بات کی تھی کہ وہ راہم کا رشتہ مانگنے اس لڑکی کے گھر ضرور جائیں جہاں راہم شادی کرنا چاہتا تھا، تاہم بنٹی خالہ اور فاروق میاں کا رویہ خفگی لئے ہوئے تھا مگر رینا نے انہیں اس معاملے میں سختی سے خاموشی اختیار کرنے کی ہدایت کر رکھی تھی، جواد چوہدری اور ثمرین کے لئے اس معمے کو سمجھنا بہت مشکل ہو رہا تھا، نا جانے راہم کیا کر رہا تھا اور کیا کرنے والا تھا؟

بریگیڈیئر جواد لان میں اخبار پڑھ رہے تھے اور ان کے قریب ثمرین بیگم بیٹھی اپنے نیل فائل کر رہی تھی۔

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ رینا اور بنٹی راہم کے اس محبت کے بخار کا قصہ سن کر بھڑک اٹھیں گی، انہیں فیس کرنا میرے لئے مشکل ہو جائے گا، مگر ایسا کوئی سین نہیں ہوا اور تو اور فاروق نے بھی کوئی لمبی چوڑی بحث نہیں کی۔" ثمرین بیگم

کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

''ہاں حیران تو میں بھی بہت ہوں اس اچانک کایا پلٹ پہ، مگر پھر جب تمہارے صاحبزادے کے پچھلے کرتوت دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ ہمیں حیران اور پریشان کرنا تو اس لڑکے کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، کوئی گیم چلا کر کوئی کہانی ڈال کر راضی کر لیا ہوگا اس لڑکے نے انہیں۔'' جواد چوہدری نے اخبار تہہ کرتے ہوئے ٹیبل پہ رکھی اور اپنی رائے دی۔

راہم چوہدری ان کی اکلوتی اولاد تھا، ثمرین اور جواد کی لو میرج تھی جب شادی کے بعد پانچ سال تک ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو مختلف ڈاکٹرز سے چیک اپ اور علاج کروانے کے بعد ثمرین بیگم پہ یہ انکشاف ہوا کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکیں گی۔

مایوسی کے اندھیرے نے جواد اور ثمرین کی زندگی کو جیسے اندھیر کر دیا تھا پھر شادی کے بارہ سال کے بعد معجزاتی طور پہ ان کے ہاں راہم کی ولادت ہوئی اور ان کی زندگی خوشیوں سے بھر گئی، ثمرین اور جواد اس کے معاملے میں بے انتہا کریزی تھے اور ہر جائز و ناجائز خواہش صرف راہم کی خوشی کی خاطر پوری کی جاتی تھی، یہی وجہ تھی کہ راہم کو اپنی بات ضد، ہڈ دھرمی سے منوانے کی عادت ہوگئی تھی، وہ جس چیز کے بارے میں ٹھان لیتا وہ کام کر کے ہی چھوڑتا۔

مگر اب ثمرین اور جواد اس کی ان عادتوں سے نالاں رہنے لگے تھے، تنگ آ گئے تھے اس کے رویے سے، اس کی غیر سنجیدگی سے۔

''نا جانے کیسی ہے وہ لڑکی؟ کس فیملی سے تعلق رکھتی ہے وہ؟'' ثمرین بیگم اب اپنے ناخنوں پہ نیل پالش لگانے لگی تھیں اور انہوں نے قیاس کیا تھا۔

''اس بات کا فائدہ تو اب ان لوگوں سے ملنے کے بعد ہی ہوگا۔'' جواد چوہدری نے ثمرین کی بات کا جواب دیا۔

اسی اثناء میں ارہم مین انٹرس کا دروازہ کھول کر لان میں داخل ہوا اور پھر ان کے پاس ہی لان چیئر پہ بیٹھ گیا۔

''ہائے مام اینڈ ڈیڈ ہاؤ آر یو؟''

''تمہاری حرکتوں سے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس لئے ہمارا حال مت پوچھا کرو۔'' جواد صاحب نے قہر آلود نگاہ اس پہ ڈالتے ہوئے جواب دیا تو ارہم نے مسکراتے ہوئے ٹیبل سے اخبار اٹھا لیا۔

''کم آن ڈیڈ کیوں اتنا غصہ کرتے ہیں آپ؟ کبھی تو نارمل انداز میں بات کر لیا کریں۔'' ارہم نے اخبار کھول کر اخبار کی سرخیوں پہ نظر دوڑائی۔

''تمہاری حرکتیں جس دن نارمل ہو جائیں گی، میں بھی اس دن نارمل ہو جاؤں گا۔'' ہنوز غصہ۔

''لگتا ہے آپ ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں؟'' ارہم نے لحظہ بھر باپ کی خفگی بھرا چہرہ دیکھا۔

''تم نے مجھے اور اپنے ڈیڈ کو بنٹی فاروق اور رینا کے سامنے جتنا شرمندہ کروایا ہے اس کے بدلے میں ناراضگی بہت چھوٹا لفظ ہے۔'' ثمرین بیگم نے نیل پالش ٹیبل پہ رکھتے ہوئے ارہم کو خفگی سے دیکھا تو ارہم نے جھنجھلا کر اخبار تہہ کی اور دوبارہ ٹیبل پہ رکھی۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا جب رینا اور بنٹی خالہ کو میرے اس رشتے پہ کوئی اعتراض نہیں ہے تو آپ لوگوں کو کیا پرابلم ہے؟ اگر تمہیں رینا سے شادی نہیں کرنی تھی تو اس سے منگنی کروانے کی کیا

ضرورت تھی تمہیں؟'' ثمرین بیگم کے چبھتے سوال پہ جھنجھلا گیا تھا وہ۔

''فار گاڈ سیک مام، پچھلے پانچ دن میں پانچ سو بار آپ یہ سوال مجھ سے کر چکی ہیں، میں نے کہا ناں، آپ کے اس سوال کا جواب میں ابھی نہیں دے سکتا ہوں۔''

''ثمرین کیوں اس لڑکے سے الجھ کر اپنا دماغ کھپا رہی ہو؟ اس کو تو بس اب اللہ ہی ہدایت دے سکتا ہے، تم اور میں اس کو ہدایت نہیں دے سکتا۔'' جواد صاحب کا غصہ ہنوز قائم تھا۔

''کم آن ڈیڈ، بد دعائیں نہ دیں مجھے اور یہ ایڈریس ہے اس لڑکی کا، جسے میں آپ کی بہو بنانا چاہتا ہوں۔'' ارہم نے اپنی جینز کی پاکٹ سے ایک چٹ نکالی اور جواد صاحب کے آگے ٹیبل پہ رکھی۔

جسے بے دلی سے انہوں نے اٹھا کر دیکھا تھا اور پھر اگلے ہی لمحے انہوں نے از حد حیرت سے ارہم کو دیکھا تھا۔

''یہ...... یہ ایڈریس تو صوبیدار اکرام کے گھر کا ہے کومیل کا ایڈریس ہے یہ۔''

''صوبیدار اکرام؟ آپ جانتے ہیں انہیں؟'' ثمرین بیگم نے جواد صاحب سے استفسار کیا۔

''ہاں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں، کومیل میری سیکیورٹی کمپنی کا سب سے بہادر اور جینئس گارڈ رہ چکا ہے آج کل اس مشہور ڈائمنڈ ڈیلر، کمال قریشی کے گھر جاب کر رہا ہے، مگر ان میں اور ہمارے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔'' جواد صاحب نے چٹ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے بتایا۔

''اگر لڑکی پسند کرنی ہی تھی تو خاندان تو ڈھنگ کا ڈھونڈ لیتے؟ زندگی کے ہر معاملے میں ہمیں ذلیل کروانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے جیسے تم نے، کیا کہیں گے خاندان والے اور ہمارے سوشل سرکل کے لوگ؟ کہ ہمیں یہی لوگ ملے تھے ایسی رشتے داری کے لئے؟ جنرل فاروق کی اکلوتی بیٹی کو ٹھکرا کر ارہم چوہدری نے شادی کی تو وہ بھی ایک معمولی صوبیدار کی بیٹی سے، واہ ارہم واہ تمہارا ابھی جواب نہیں۔'' ثمرین بیگم غصے سے بھڑک اٹھی تھیں۔

''مام فار گاڈ سیک، ایسی فضول باتیں سوچیں گی تو دنیا کبھی جینے نہیں دے گی ہمیں، شادی ایک پرسنل میٹر ہے، اس کے بارے میں کسی کو اپنے رائے دینے کا حق ہمیں کس کو بھی نہیں دینا چاہیے۔'' ارہم کی بات پہ جواد صاحب ایک طویل سانس لے کر رہ گئے۔

''تمہیں کیا ضرورت ہے دنیا کو فیس کرنے کی، ذلیل ہونے کے لئے ہم جو ہیں۔'' ثمرین بیگم نے ہنوز غصے سے ارہم کو دیکھا۔

''او کے آپ جو مرضی سوچیں، میں آپ سے مزید بحث نہیں کرنا چاہتا، آپ دونوں کا میرا رشتہ لے کر ان کے گھر جا رہے ہیں دیٹس اٹ، ان کا لیونگ سٹائل کیا ہے، ان کا اسٹیٹس ہم سے ملتا ہے یا نہیں، میں سمجھ نہیں جانتا۔'' ارہم چیئر سے اٹھ کر اپنا جملہ مکمل کر کے واپس گھر کے اندر بڑھ گیا تھا۔

''دن بہ دن ارہم کی ڈھٹائی بڑھتی جا رہی ہے نا جانے ہمارے بڑھاپے میں کیا سلوک کرے گا یہ ہم سے۔'' ثمرین بیگم کا صبح ہی صبح پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

''او کے چیئر اپ، تم زیادہ ٹینشن مت لو، ڈپریشن ہو جائے گا تمہیں، ویسے شریف اور با عزت گھرانے سے تعلق ہے صوبیدار اکرام کا اور کومیل بھی بہت اچھا لڑکا ہے۔'' جواد صاحب

نے ثمرین کو گویا تسلی دی۔

''ایسی شرافت کا ہم کیا کریں گے؟ جن سے ہمارا اسٹیٹس ہی نہ میچ ہوتا ہو، ہم نے ان کی شرافت کا اچار نہیں ڈالنا۔'' ثمرین بیگم بھی غصے سے اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

اور پھر دوسرے دن ارہم کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر جواد صاحب اور ثمرین بیگم کو نا چاہتے ہوئے بھی اکرام صاحب کے گھر جانا پڑا تھا، اکرام صاحب نے اپنی اوقات سے بڑھ کر ان کی خاطر خدمت کی تھی، جواد صاحب تو بالکل نارمل انداز میں اکرام صاحب اور کومیل سے گپ شپ لگاتے رہے تھے مگر ثمرین بیگم کا موڈ بہت لیا دیا سا تھا، انہوں نے زیادہ گفتگو میں حصہ نہیں لیا تھا جیسے مجبوراً وہاں بیٹھی ٹائم پاس کر رہی ہوں۔

ابرش کا بے پناہ حسن، اس کی سادگی، اس کی تعلیم و تربیت اور شرافت نے بریگیڈئیر جواد چوہدری کو بہت حد تک مطمئن کر دیا تھا کہ ارہم کا انتخاب ایسا غلط بھی نہیں تھا، جواد صاحب کا ارہم کے لئے ابرش کا رشتہ مانگنا، کومیل اور اکرام صاحب کے لئے خاصا حیران کن تھا، وہ تو سمجھ رہے تھے کہ جواد اور ثمرین یونہی ان کے گھر آئے تھے، مگر ابرش کے رشتے کا سن کر اکرام صاحب کو خوش گوار حیرت ہوئی تھی اور انہوں نے ایک دو دن کے بعد جواب دینے کی درخواست کی تھی، دو تین گھنٹے ان کے ساتھ خوش گوار موڈ میں گزارنے کے بعد جواد صاحب واپسی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

☆☆☆

''عائشہ میں نے کہا تھا ناں اللہ جو کرتا ہے، بہتر ہی کرتا ہے وہ بڑا رحمان و کریم ہے، وہ جب تک دوسرا در کھول نہیں دیتا پہلا در بند نہیں کرتا، اعجاز اور اسلم کے گھرانے سے کہیں اچھا گھرانہ ڈھونڈا ہے اللہ نے ہماری ابرش کے لئے۔''

اکرام صاحب اور کومیل، جواد صاحب اور ثمرین بیگم کو سی آف کرنے کے بعد دوبارہ کمرے میں آئے تو اکرام صاحب عائشہ بیگم کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے، کومیل بھی وہیں ان کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

''میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہماری ابرش کے لئے اتنے اچھے خاندان کا رشتہ آ جائے گا اور وہ بھی اتنی جلدی۔'' عائشہ بیگم چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے بولیں، ان کے لہجے سے بھی خوشی عیاں ہو رہی تھی۔

''بس عائشہ بیگم یہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے، ہم نے اللہ کی بجائے انسانوں سے امیدیں لگا رکھی ہیں، اللہ کو راضی کرنے کے بجائے ہم ہر وقت انسانوں کو راضی کرنے کی کوشش میں اللہ سے دور ہو چکے ہیں، اگر ہم اپنے دل میں یہ یقین پیدا کر لیں کے اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی بہتری ہوتی ہے، وہ جو کرتا ہے ہماری بھلائی کے لئے کرتا ہے تو، ہماری زبان کبھی شکوہ نہ کرے، ہم شکر ادا کرنے والوں میں شمار ہو جائیں تو ہماری زندگی سے مسائل خود بہ خود ختم ہو جائیں۔'' اکرام صاحب کی بات پہ عائشہ بیگم اثبات میں سر ہلا گئی تھیں۔

''جی اکرام صاحب کہتے تو آپ بالکل ٹھیک ہیں، اللہ ہم سب کو اچھا انسان اور بہترین مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے، مجھے تو خود یہ رشتہ بہت پسند آیا ہے، مگر ایک بات کا ڈر سا ہے جواد صاحب کی مسز ثمرین بیگم کا مزاج اور انداز سے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ مجبوراً ہمارے گھر آئی ہوں۔''

''میں نے دو تین بار ان سے گفتگو کرنا چاہی مگر ان کی خاموشی اور مختصر جوابات کے بعد

میری تو ہمت ہی نہ ہوئی ان سے مزید بات چیت کرنے کی۔'' عائشہ بیگم خالی برتن ٹرے میں رکھتے ہوئے بولیں تو کومیل نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''ماں آپ وہم مت کریں اگر ان کا دل یہاں رشتہ طے کرنے پہ نہ ہوتا تو وہ جواد صاحب کے ساتھ آتی ہی کیوں؟''

''ہاں عائشہ کومیل ٹھیک کہہ رہا ہے، تم اپنے دل سے خواہ مخواہ کے وسوسے نکال دو اور ابرش سے اس رشتے کے سلسلے میں رضا مندی لو، تاکہ اس بات کو آگے بڑھایا جائے۔'' اکرام صاحب نے عائشہ بیگم سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر ٹرے اٹھائے کمرے سے نکل گئیں۔

☆☆☆

کمال قریشی نے کومیل کے لئے گاڑی بھیجی تھی اسے آج پھر سے اپنی ڈیوٹی جوائن کرنی تھی، فی الحال ذوناش اور مرتسل کے نکاح والی بات رک گئی تھی، اس کی آمد کی خبر سن کر خوشی ذوناش کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی ڈرائیور جب کومیل کو لے کر کمال پیلس پہنچا تو وہ اپنے کمرے کی گلاس وال کے پردے ہٹائے وہاں کھڑی تھی، پورچ میں گاڑی رک گئی تھی ذوناش نے خوشی سے اسے ہاتھ ہلایا تھا جواباً وہ اسے دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

جب تک وہ مین انٹرس سے گھر کے اندر آیا تھا ذوناش بھی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

پنک سمپل سے ٹراؤزر شرٹ پہ سوٹ کے ساتھ ہی کا دوپٹہ سر پہ پھیلائے وہ بہت ڈیسنٹ اور کیوٹ لگ رہی تھی۔

اسے دیکھ کومیل کے بے چین سے دل کو جیسے قرار سا مل گیا تھا۔

''السلام علیکم!'' کومیل نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' ذوناش کی نظریں بے اختیار جھک گئی تھیں۔

''کیسے ہو کومیل تم؟'' ذوناش کے لہجے میں بے قراری تھی۔

''اب بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔'' کومیل کی نظریں اب بھی اس کے چہرے پہ مرکوز تھیں، پاکیزگی نے ایک عجیب سا سحر باندھ رکھا تھا ذوناش کے اردگرد، وہ کومیل کو پہلے سے کہیں زیادہ حسین لگ رہی تھی، آج اسے دیکھنے سے دل نہیں بھر رہا تھا اس کا۔

''کومیل محبت کا سب سے خوبصورت اظہار نکاح ہے، اگر تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہو گئی ہے تو مجھ سے نکاح کر لو، میں...... میں تمہارے علاوہ کسی اور کے ساتھ خوش اور مطمئن زندگی نہیں گزار سکوں گی، تمہارے علاوہ کوئی بھی مجھے خوش نہیں رکھ سکے گا۔'' وہ بے ساختہ اسے کہے گئی۔

''میرا بھی آپ کی محبت میں ایسا ہی حال ہے مگر مجھے سمجھ نہیں آتی میں...... میں کیسے اس سلسلے میں کمال صاحب سے بات کروں گا؟ اور ان کا ریکشن کیسا ہو گا؟'' کومیل کے لہجے میں تشویش تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا، میں خود ڈیڈ سے بات کروں گی۔'' ذوناش نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا، اسی دوران مریم خاتون کہیں سے ان کے قریب آئیں۔

''کومیل ویلکم تو ہوم مائے چائلڈ، تھینکس گارڈ تم گھر آ گیا ہے، ہم تمہارے لئے بہت پریشان تھا۔'' مریم خاتون نے آگے بڑھ کر کومیل کو گلے لگایا۔

''دیکھ لیجئے آپ سب کی دعاؤں نے مجھے بالکل ٹھیک کر دیا ہے۔'' کومیل دھیرے سے مسکرا

دیا۔

''اب کیا یہیں کھڑا رہے گا تم، آؤ بیٹھو، ہم تمہارے لئے سوپ بنوار ہا ہے صاحب نے ہمیں تمہارا خاص خیال رکھنے کی ہدایت کر رکھا ہے۔'' مریم خاتون اپنی شفقت کا اظہار کر رہی تھیں، کومیل مسکراتے ہوئے، قریبی صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

''آپ کا حکم سر آنکھوں پہ، دیکھ لیجئے بیٹھ گیا ہوں میں۔''

''او کے تم یہاں بیٹھو، ہم تمہارے لئے سوپ بھجواتا ہے۔'' مریم خاتون مسکراتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

''کل مرسل اور زوئے مجھے اپنے ساتھ ڈنر پہ لے جانا چاہتے تھے، مگر تم نے مجھے اس کے ساتھ آنے جانے سے منع کر رکھا تھا تو میں نے اس سے ایکسکیوز کر لیا، ویسے وہ خود بھی اس دن ہونے والے اس واقع پہ خاصا اپ سیٹ ہے، بہت پریشان رہا ہے وہ۔'' ذوناش اس کے مقابل صوفے پہ بیٹھتے ہوئے بولی، تو کومیل نے چونکتے ہوئے اس کو دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے اس کی بھنویں سکڑ گئی تھیں۔

''ہاں اپ سیٹ ہونا تو بنتا ہے مرسل صاحب کا، وہ اپنے مقصد میں کامیاب جو نہیں ہو سکے۔'' کومیل کے چبھتے جواب نے اب کے ذوناش کو چونکا دیا تھا۔

''کیا مطلب میں کچھ سمجھی نہیں؟'' ذوناش نے حیرت سے کومیل کو دیکھا۔

''وہ موبائل کہاں ہے جو میں نے آپ سے لان کی کیاری سے نکال کر سنبھالنے کو کہا تھا؟'' کومیل کے سوال پہ وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں وہ میرے پاس ہے میں ابھی لے کر آتی ہوں۔'' ذوناش اٹھ کر اپنے روم کی طرف بڑھ گئی تھی اور پھر کچھ لمحوں کے بعد وہ ہاتھ میں وہی موبائل لئے اس کے سامنے موجود تھی۔

''یہ لو...... اب بتاؤ اس موبائل کی اصل کہانی کیا ہے؟'' وہ ایک بار پھر اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

''آپ کے نکاح والے دن آپ پر قاتلانہ حملہ کروانے والا کوئی اور نہیں آپ کا تایا زاد مرسل قریشی ہے۔'' کومیل کا انکشاف تھا یا ذوناش کے اردگرد کوئی بلاسٹ ہوا تھا وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے کومیل کو دیکھنے لگی تھی۔

''نن...... نہیں...... کک...... کومیل...... ایسا...... کک...... کیسے ہو سکتا ہے؟ تم کو...... کک...... کوئی غلط...... فہمی ہوئی ہے۔'' وہ ورطہ حیرت میں مبتلا تھی، اس کے الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

''میری بھی یہی حالت ہوئی تھی جب مرسل صاحب اس قاتل کو یہاں سے بھاگنے کی ہدایت دے رہے تھے، جس نے آپ پہ گولی چلائی تھی، اسی نمبر پہ مرسل صاحب نے اس قاتل سے رابطہ کیا تھا، میں نے خود سنی تھی وہ کال۔''

''کک...... کومیل یہ...... یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں ذوناش، پلیز میری بات کا یقین کریں، ہوا کچھ یوں کہ۔'' اور پھر کومیل نے تمام قصہ اس کے گوش گزار کر دیا تھا، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے لبوں پہ ہاتھ رکھے یک ٹک کومیل کو دیکھ رہی تھی اس انکشاف پہ ذوناش کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔

''کومیل یہ...... یہ بھی ہو سکتا ہے ناں کہ اس مجرم کو کال کرنے والے کی آواز مرسل سے ملتی ہو؟'' ذوناش کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

کومیل نے اس مجرم کا موبائل آن کیا۔

''اس میں یہ لاسٹ کالر کا نمبر چیک کریں اور دیکھیں یہ نمبر مرسل کا ہے؟'' کومیل نے نمبر نکال کر ذوناش کو دکھایا تو اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''مجرم چاہے کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو ایک نہ ایک دن وہ اپنی ہی کسی غلطی سے پھنس جاتا ہے، اس کا جرم عیاں ہو جاتا ہے۔''

''یہ...... یہ تو واقعی مرسل کا پرانا نمبر ہے جسے آج سے بیس دن پہلے اس واقعے کے بعد اس نے چینج کر دیا تھا، او مائے گاڈ۔'' ذوناش نے اپنا سر تھام لیا تھا۔

''آپ خود سوچیں، جس گیٹ سے وہ مجرم کمال پیلس میں داخل ہوا تھا اس گیٹ پہ موجود گارڈ کو پولیس حراست میں مروا دیا گیا تاکہ وہ اپنی زبان نہ کھول دے۔''

''میں نے یہ موبائل اس لئے چھپا دیا تھا اور اپنے بیان میں اس موبائل کا اس لئے ذکر نہیں کیا تھا کہ مرسل پولیس کو بھاری رشوت دے کر موبائل غائب نہ کروالے، اب یہ بات یقینی ہو چکی ہے کہ مرسل کا تعلق وکرم سے بھی ہے، ذوناش اس سلسلے میں اب ہمیں نہایت خاموشی اور چالاکی سے مزید ثبوت اکٹھے کرنے ہوں گے، اگر مرسل یہ سب آپ کی تمام پراپرٹی حاصل کرنے کے لئے کر رہا تھا تو کمال صاحب تو ویسے بھی آپ کی شادی مرسل سے طے کر چکے ہیں، وہ اپنی تمام پراپرٹی بقول آپ کے نام کر چکے ہیں اور انہوں نے اس سلسلے میں اپنی وصیت بھی تیار کروا رکھی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ سے شادی کر کے تو ویسے بھی مرسل کو سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے پھر وہ آپ کی جان کا دشمن کیوں بنا؟ جب اسے ہر چیز آسانی سے حاصل ہو رہی ہے تو پھر آپ پر قاتلانہ حملہ کیوں کروایا اس نے؟ یہ راز جاننا بہت ضروری ہے۔'' کومیل پرسوچ انداز میں اپنی رائے دے رہا تھا اور ذوناش ہنوز حیرت و پریشانی سے کومیل کو دیکھ رہی تھی اس کے اردگرد جھکڑ سے چل رہے تھے اس کے پاس الفاظ ختم ہو گئے تھے، وہ جیسے پتھر کی ہو گئی تھی، کمال قریشی مرسل پہ اندھا اعتماد کرتے تھے، بھتیجا ہونے کے ناطے اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے اپنا تمام بزنس انہوں نے مرسل کے سپرد کر رکھا تھا، اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کی شادی اس سے طے کر چکے تھے اور اسی شخص نے ان باپ بیٹی کو ڈسنے کی کوشش کی تھی؟

☆☆☆

اور پھر ابرش کا رشتہ ارہم سے طے ہو گیا تھا، بات پکی ہوتے ہی ارہم نے شادی کا شور مچا دیا تھا، یوں دونوں گھرانوں کی باہمی رضامندی سے جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ بن کر ان دونوں کی شادی کی تاریخ طے کر دی گئی تھی، نکاح کی رسم تو نہایت سادگی سے ادا کی گئی تھی، ثمرین بیگم کا چہرہ بیٹے کی شادی پہ بھی سپاٹ ہی تھا، انہوں نے ایک رتی بھی خوشی کا اظہار نہ کیا تھا، بالآخر ابرش کو رخصت کروا کر کاشانہ ارہم لے آیا گیا تھا، تمام راستے وہ روتی ہوئی آئی تھی، ماں باپ کا گھر چھوڑنے کا فطری غم آنسو بن کر اس کی آنکھوں سے بہتا رہا تھا، مگر کسی نے بھی اسے چپ کروانے یا تسلی دینے کی کوشش نہیں کی تھی، یہاں تک کہ گاڑی کاشانہ ارہم میں داخل ہو گئی تھی، ڈرائیور نے گاڑی پورچ میں روک دی تھی اور باہر نکل کر ان کے لئے دروازہ کھولا تھا۔

جواد صاحب اگلی نشست سے نکل کر پچھلے دروازے کے قریب ہی کھڑے ہو گئے تھے، ثمرین بیگم ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی گاڑی سے

باہر نکلی تھیں اور اس کے بعد، بھاری ریڈ عروسی لباس کے ساتھ ابرش اپنی مدد آپ کے تحت خود ہی گاڑی سے باہر نکلی تھی اس کے ساتھ دوسری طرف بیٹھے ارہم نے اس کے گاڑی سے باہر نکلنے میں ایک رتی مدد نہ کی تھی، وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر کھڑا ہو گیا تھا۔

''خوش آمدید بیٹا، اللہ تمہیں اس گھر میں دائمی خوشیاں نصیب کرے اور تم دونوں کو نئی زندگی کا یہ نیا سفر مبارک ہو۔'' جواد صاحب نے شفقت سے ابرش کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے خوشگوار انداز میں انہیں دعا دی تو ثمرین بیگم پہلو بدل کر رہ گئیں اور ٹک ٹک کرتی اندر کی جانب بڑھ گئیں، ابرش نے ایک لمحے کے لئے سر اٹھا کر ثمرین بیگم کے انداز و اطوار دیکھے اور سر جھکا لیا۔

جواد صاحب کو عجیب سی شرمندگی نے گھیر لیا تھا اور وہ نظریں چرا گئے تھے۔

''ارہم بھئی ادھر آؤ، وہاں کیوں کھڑے ہو؟''

''جی ڈیڈ!'' ارہم ان کے قریب آیا۔

''بھئی ابرش کو اپنے روم میں لے جاؤ، اب کیا یہیں کھڑے رکھو گے اسے؟'' جواد صاحب نے اسے حکم دیا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اندر کی طرف بڑھ گیا، ابرش بھی حیرت سے اردگرد نگاہ دوڑاتی ہوئی دونوں ہاتھوں سے اپنا عروسی لباس سنبھالتی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

جانے یہ کیسی شادی تھی؟ نہ گھر میں لائٹنگ لگائی گئی تھی اور نہ ہی اس کا استقبال کیا گیا تھا، شادی والے گھر میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی، وہ انہیں سوچوں میں گم حیران و پریشان ارہم کی معیت میں اس کے ساتھ چل رہی تھی، یہاں تک کہ ارہم اسے اپنے کمرے میں لے آیا تھا، کمرہ دیکھ کر اسے مزید حیرت ہوئی تھی، نہ کوئی سجاوٹ نہ کوئی پھول اور نہ پھولوں کا کوئی بو کے وہاں موجود تھا۔

ارہم کمرے میں آتے ہی اپنی پاکٹ سے والٹ، موبائل اور گھڑی اتار کر واش روم میں گھس گیا تھا، اس نے ابھی تک ابرش سے کوئی بات نہ کی تھی، اسے بیٹھنے تک کو نہیں کہا تھا، وہ مکمل طور پہ جیسے اسے اگنور کر رہا تھا۔

وہ کمرے پہ ایک سرسری سی نگاہ دوڑاتے ہوئے خود ہی اپنا عروسی لباس سنبھالتی ہوئی بیڈ پہ بیٹھ گئی تھی، اچانک اس کی نظر سامنے دیوار پہ لگی بڑے سے سائز کی تصویر پہ پڑی تھی، ایک اچھی اور خوبصورت شکل و صورت کی لڑکی، ارہم کے بالکل ساتھ کھڑی تھی اور ارہم نے اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا رکھے تھے، وہ دونوں اس تصویر میں مسکرا رہے تھے، اس کا ذہن مزید الجھ گیا تھا، جانے وہ لڑکی کون تھی؟ اسی اثناء میں واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی اور ابرش نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔

ارہم چینج کرنے کے بعد چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا بیڈ کے قریب آ گیا تھا اور چند لمحے سرخ عروسی لہنگے میں ملبوس سر جھکائے ابرش کو دیکھتا رہا اور پھر اس کے سامنے بیڈ پہ تکیے کے سہارے آڑھا ترچھا لیٹ گیا، اس کے یوں بے تکلفی سے بیٹھنے اور پھر آڑھے ترچھے اس کے بالکل سامنے لیٹنے سے وہ فطری شرم و حیاء کے پیش نظر سمٹ سی گئی تھی۔

دونوں ہاتھوں میں مہندی لگائے کلائیوں میں چوڑیاں پہنے، دلہن کے روپ میں بلاشبہ وہ انتہا کی خوبصورت لگ رہی تھی، اس پہ روپ بھی بلا کا آیا تھا کیونکہ وہ عام زندگی میں بہت سادہ رہا کرتی تھی، بس کبھی عید تہوار یا کالج یونیورسٹی کے کسی فنکشن میں تیار ہو جاتی، ارہم کی نظریں اس

کے معصوم اور حسین چہرے پہ مرکوز تھیں، دفعتاً
اسے بس میں بھرے مجمعے میں ابرش کا وہ زوردار
تھپڑ یاد آیا تھا اور پھر شدید غصے کی ایک لہر اس
کے تن بدن میں آگ لگا گئی تھی اور پھر اگلے ہی
لمحے ارہم کا ہاتھ بلند ہوا تھا اور اس نے ابرش کو
اتنی زور سے تھپڑ مارا تھا کہ وہ دائیں جانب بیڈ پہ
گر گئی تھی، اس کے لئے یہ صورتحال اتنی غیر متوقع
تھی کہ وہ بے یقینی و حیرت سے پھٹی پھٹی نگاہوں
سے ارہم کو دیکھنے لگی تھی، آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس
کے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔

''یہ تمہاری منہ دیکھائی تھی اور اس تھپڑ کا
جواب بھی، جو تم نے لوگوں سے بھری ہوئی بس
میں محض ایک غلط فہمی کے نتیجے میں مجھے مارا تھا۔''
وہ نہایت پرسکون سے انداز میں اب اس کے
سامنے ہنوز آڑھا ترچھا لیٹا ہوا تھا اور وہ حیرت و
دکھ سے اسے دیکھے جا رہی تھی، اسے ایسا لگ رہا
تھا جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو، پھر
ارہم نے اس کے ماتھے پہ سجا ہوا ٹیکا نوچ کر کھینچا،
تو اس کے لبوں سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

''کیا لگا تھا تمہیں اس وقت کہ میں تمہارے
گلے لگنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا؟ تم جیسی دو
ٹکے کی لڑکیوں کی طرف میں دیکھنا بھی گوارا نہیں
کرتا سمجھی تم۔'' ارہم نے آگے بڑھ کر اس کے
کانوں سے بندے نوچتے ہوئے نفرت سے کہا،
کھینچ کر بندے اتارنے سے اس کے کانوں سے
خون رسنے لگا تھا اور اس نے روتے ہوئے اپنی
چیخ کو روکنے کے لئے اپنا ہاتھ لبوں پہ رکھ لیا تھا،
ابرش کو لگا جیسے کسی نے ساتوں آسمان سے زمین
پہ پھینک دیا تھا۔

''تمہارے سابقہ منگیتر کو میں نے تم سے
منگنی توڑ دینے پہ مجبور کیا تھا، تمہاری اپنے ساتھ
کچھ فیک تصاویر بنوا کر اسے بھجوائی تھیں میں
نے۔'' اب ارہم نے اس کے گلے میں سجا
خوبصورت ہار کھینچا تھا، وہ اس کے انکشافات پہ
بت بنی اسے دیکھ رہی تھی، جیسے اسے اپنی نظروں
پہ اپنے کانوں پہ یقین نہ آ رہا ہو، وہ ایک ٹرانس
کی کیفیت میں تھی۔

''اور جانتی ہو، تم سے نکاح کرنے کا مقصد،
صرف اور صرف اس تھپڑ کا بدلہ لینا تھا، ویسے میں
نے سوچا تھا کہ تمہیں اس تھپڑ کی سزا دے کر تم پہ
طلاق کا لیبل لگا کر ولیمے کی صبح تمہیں تمہارے گھر
بھجوا دوں گا، لیکن ایک تھپڑ سے میرا غصہ ابھی
ٹھنڈا نہیں ہوا، میرے خیال میں کچھ دن اور اس
کھیل کو کھیلا جائے، کچھ دن تمہیں اور ایسے تھپڑ
مارے جائیں کیا خیال ہے تمہارا؟'' ارہم نے
یکدم اس کی کلائی مروڑتے ہوئے پوچھا تو بے
ساختہ اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی اور وہ پھوٹ
پھوٹ کر رونے لگی۔

''پلیز مجھے چھوڑ دیں۔''

''تمہاری بے بسی دیکھ کر بہت سکون مل رہا
ہے مجھے۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا۔

''میں تمہاری اکڑ اور تمہارا غرور، تمہارا اوور
کانفیڈینس خاک میں ملانا چاہتا تھا، تمہیں اپنے
سامنے گڑگڑاتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا، مجھ پہ تھپڑ
برسانے والا ابھی اس دنیا میں پیدا نہیں ہوا،
تمہیں یہ بات بتانا اور سمجھانا چاہتا تھا میں۔''
ارہم نے اس کی کلائی چھوڑ دی تھی، اس کی
آنکھوں میں تو جیسے خون اترا ہوا تھا، دفعتاً اس
کے موبائل پہ بجنے والی بیل نے ارہم کی توجہ
مبذول کروائی تھی اور وہ اس پہ ایک قہر آلود نگاہ
ڈالتے ہوئے بیڈ سے اٹھ گیا تھا، رینا اسے کال
کر رہی تھی۔

''ہاں سویٹی کیسی ہو؟'' اس نے کال پک
کر کے موبائل کان سے لگایا۔

”ٹھیک ہوں، تم بتاؤ، اس کے قریب تو نہیں گئے؟“ دوسری طرف رینا کی تشویش نے دھیرے سے اسے مسکرانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

”میری زندگی میں آج تک رینا کے علاوہ ایسی کوئی لڑکی نہیں آئی جس کے قریب جانے کو میرا دل چاہا ہو اور یہ بات تم اچھی طرح سے جانتی ہو سویٹی۔“ ارہم کے محبت بھرے انداز پہ دوسری طرف رینا پھولے نہ سمار ہی تھی۔

”جانتی ہوں میں، بس ویسے ہی دل گھبرا رہا تھا میرا، تو پوچھ لیا۔“ وہ اترائی۔

”تو پھر اپنے دل کو سمجھا لو، تم ہی میری پہلی اور آخری محبت ہو، میری ہونے والی بیوی۔“ اس کے لہجے میں رینا کے لئے بے پناہ محبت تھی، ابرش اسے دیکھ کر حیرت سے بے آواز رو رہی تھی۔

”تم آج ہی اسے طلاق دے دینا۔“ رینائل نے اسے یاد دلایا۔

”نہیں میری جان آج نہیں، اسے پانے کے لئے بڑے پاپڑ بیلے ہیں میں نے، صرف ایک تھپڑ مار کر اسے فارغ کرنے کو دل نہیں مان رہا میرا، اسے کچھ دن اور اس اذیت میں مبتلا رکھنا چاہتا، ورنہ مجھے سکون نہیں ملے گا۔“

”مگر ارہم تم نے تو کہا تھا کہ تم اس لڑکی کو آج ہی طلاق دے دو گے؟“ رینا نے تشویش سے اسے یاد دلایا۔

”ہاں میں نے کہا تھا، مگر میں نے کہا ناں، اتنی جلدی اسے فارغ کر دینے سے مجھے سکون نہیں ملے گا، میں اس کی وجہ سے ایک مہینہ اور دس دن بے سکون رہا ہوں، کم از کم اتنے ہی دن اسے سزا دینا تو بنتا ہے میرا۔“ اس نے گردن موڑ کر ایک بار پھر نفرت سے ابرش کو دیکھا۔

”او کے ارہم، اگر اس طرح سے تمہارا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو ایسے ہی سہی مگر تم پرامس کرو ٹھیک ایک مہینے اور دس دن کے بعد تم اس لڑکی کو فارغ کر دو گے، ورنہ ممی اور پاپا کو تمہارے لئے پھر سے شادی کے لئے منانا میرے لئے مشکل ہو جائے گا۔“ رینائل نے دوسری طرف اسے تنبیہ کی تو وہ مسکرا دیا۔

”کیوں پریشان ہوتی ہو سویٹی؟ کیا تمہیں میرے وعدے پہ یقین نہیں ہے۔“

”یقین ہے ارہم، اسی لئے تو تمہیں اس لڑکی سے نکاح کی اجازت دی تھی میں نے، بس تم ایک بات کا خیال رکھنا۔“

”کیسی بات؟“

”تم اس کے قریب نہیں جاؤ گے۔“ رینا کی وارننگ پہ وہ مسکرا دیا۔

”کم آن سویٹی، اس طرح کی باتیں کر کے میری محبت کو بے یقین بنا رہی ہو تم۔“ ارہم نے شکوہ کیا۔

”محبت میں یقین اور بے یقینی کے درمیان صرف ایک لمحہ ہی تو ہوتا ہے اور پھر مردوں کا کیا بھروسہ؟ وہ اس یقین کو کب اور کیسے بے یقینی میں بدل دیں۔“ رینا اب اسے چھیڑ رہی تھی۔

”تم اچھی طرح سے جانتی ہو میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں۔“ ارہم نے احتجاج کیا۔

”جانتی ہوں بس ایسے ہی تمہیں تنگ کر رہی تھی، اینی وے، صبح ملاقات ہوتی ہے، میں اب رکھتی ہوں۔“ رینائل نے اجازت لی۔

”او کے سویٹی ٹیک کیئر۔“ ارہم نے بھی اس سے اجازت چاہی اور فون بند کر دیا۔

”اس بستر سے اٹھو اور اپنے سونے کا کہیں بندوبست کرو، اس قابل نہیں ہو تم کہ تمہیں اس بستر پہ سونے کی اجازت دی جائے۔“ ارہم نے

اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ سے کھینچ کر اٹھایا اور خود بیڈ پہ لیٹ گیا، وہ ہنوز بے آواز روتی ہوئی واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی اور آئینے کے سامنے کھڑی خود کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر زاروقطار رونے لگی تھی، اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اپنی بے بسی پہ کیا کرے، ماں اور ابا کو اس ظلم کی داستان کیسے سنائے؟ وہ تو سن کر جیتے جی مر جائیں گے اس سوچ کے آگے ابرش کو کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

☆☆☆

ساری رات رونے اور اللہ سے شکوہ کرتے کرتے صبح نا جانے کس پہر اس کی آنکھ لگی تھی، ارہم اپنی روٹین کے مطابق اٹھا تھا، خود پہ لیا ہوا کمبل ہٹا کر وہ اٹھ کر بیٹھا تو اس کی نظریں سامنے صوفے پہ سکڑ سمٹی سی سوئی ابرش پر پڑیں، اسے دیکھتے ہی ارہم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے، وہ بے دلی سے بیڈ سے اٹھا اور واش روم میں جانے کے لئے اس کے قریب سے گزرا۔

نظریں بے اختیار اسے ایک بار پھر دیکھنے کی گستاخی کی تھی، وہ واش روم کی طرف بڑھتا بڑھتا ایک لمحے کے لئے اس کے قریب رکا تھا اس کے گال پہ ارہم کے تھپڑ اور انگلیوں کا واضح نشان موجود تھا، بغیر کسی کمبل یا چادر کے وہ کسی بچے کی طرح سکڑی سمٹی ہوئی تھی، اس کا ایک ہاتھ صوفے سے نیچے لٹک رہا تھا، وہ بے اختیار اس کا بازو اوپر کرنے کے لئے جھکا تھا اور اسی لمحے ابرش نے کروٹ لی تھی مگر اسے اپنے قریب دیکھ کر وہ خوف سے چیخ مار کر اٹھ گئی تھی اور گھٹنوں میں منہ دیئے بیٹھ گئی تھی، شاید وہ جھک کر اس کی گردن دبانا چاہ رہا تھا، اس سوچ نے ابرش پہ کپکپی طاری کر دی تھی اور وہ بھی جیسے ہوش میں آگیا تھا، ایک غصے سے بھرپور نگاہ اس پہ ڈالتے ہوئے وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا اور جب وہ واش روم سے باہر نکلا تھا تو وہ تب بھی ویسے ہی خوفزدہ سی صوفے پہ بیٹھی تھی، وہ اسے اگنور کرتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بال بنانے لگا، دفعتاً دروازے پہ دستک ہوئی۔

ارہم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو گھر کی ملازمہ سامنے کھڑی تھی۔

''چھوٹے صاحب بیگم صاحبہ اور بڑے صاحب آپ کو اور دلہن بی بی کو ناشتے پہ بلا رہے ہیں۔'' زرینہ نے اطلاع دی۔

''او کے تم جاؤ آتے ہیں ہم۔'' ارہم نے اسے جواب دیا اور دروازہ بند کر دیا۔

''مام اور ڈیڈ ہمیں ناشتے پہ بلا رہے ہیں، اپنی یہ رونی صورت درست کرو اور باہر آجاؤ، اگر تم نے کسی کے سامنے میرے یا اپنے تعلق کی اصل کہانیاں بیان کرتے کرتے کوئی ڈرامہ کری ایٹ کرنے کی کوشش کی تو زندہ نہیں چھوڑوں گا میں تمہیں۔'' ارہم نے اسے سختی سے تنبیہ کرتے ہوئے دھمکی دی تو وہ سر ہلا کر واش روم میں گھس گئی۔

اور پھر وہ پرپل سوٹ میں شانوں پہ اور سر پہ دوپٹہ پھیلائے ڈائننگ ہال میں آئی۔

''السلام علیکم!'' ابرش نے دھیرے سے جواد صاحب اور ثمرین بیگم کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا جیتی رہو۔'' جواد صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا مگر ثمرین بیگم اس پہ اچٹتی سی نگاہ ڈال کر اپنے لئے چائے بنانے لگی تھیں۔

''بیٹھ جاؤ، تمہیں یہاں کھڑے رہنے کے لئے نہیں بلوایا تھا، ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' یہ پہلا جملہ تھا جو ثمرین بیگم نے براہ راست ابرش سے بولا تھا۔

''ہاں بیٹا رک کیوں گئی، یہاں بیٹھو اور ہمیں

جوائن کرو۔" جواد صاحب نے ثمرین بیگم کے روکھے سے انداز پہ خفیف ہوتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے ایک چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"کم آن بیٹا، کچھ لو۔" جواد صاحب نے ارہم اور ثمرین بیگم کو اس سے لاتعلق دیکھ کر ٹیبل پہ موجود ناشتے کی طرف اشارہ کیا تو وہ جھجک کر اپنے لئے چائے بنانے لگی۔

جواد صاحب نے باری باری ارہم اور ابرش کے چہرے پہ نظر دوڑائی دونوں کے چہروں پہ کسی بھی قسم کی کوئی خوشی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے، ابرش سر جھکائے خاموشی سے گھونٹ گھونٹ چائے پیتی رہی۔

"کیا بات ہے بیٹا تم کچھ کھا نہیں رہی ہو؟" بالآخر جواد صاحب نے ابرش سے پوچھ ہی ڈالا۔

"بابا وہ بس بھوک نہیں ہے۔" ابرش نے جھجک کر کہا تو جواد صاحب مسکرا دیئے۔

"جیتی رہو بیٹا، تمہارے منہ سے اپنے لئے بابا سن کر بہت خوشی ہوئی۔" ابرش دھیرے سے سر جھکا گئی، ثمرین بیگم کی بھنویں سکڑ گئی تھیں، انہیں جواد پہ غصہ آرہا تھا وہ خواہ مخواہ اس دو ٹکے کی لڑکی کو اہمیت دے رہے تھے۔

ولیمے کی تقریب لان میں ہی منعقد کی گئی تھی جس میں صرف گنتی کے چند قریبی لوگوں کو ہی مدعو کیا گیا تھا۔

عائشہ بیگم، اکرام صاحب اور کومیل کو دیکھ کر ابرش کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا تھا، جنہیں وہ آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے بہنے سے روکنے کے لئے مزید تکلیف اٹھا رہی تھی، ابرش کی نظریں ارہم پہ جمی ہوئی تھیں، وہ بہت بڑا ایکٹر تھا، مسکراتے ہوئے خوش دلی سے اس کے گھر والوں سے مل رہا تھا۔

"ابرش میری بچی تم خوش تو ہو ناں؟" عائشہ بیگم نا جانے کب اس کے پاس آ بیٹھیں تھیں۔

"جج ...... جی ماں...... میں خوش ہوں بہت۔" اس کا دل دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

"اللہ میری بیٹی کو ہمیشہ خوش رکھے۔" انہوں نے محبت سے ابرش کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا، مگر اچانک اس کے چہرے پہ سرخ سا نشان دیکھ کر تفکر سے پوچھنے لگی تھیں۔

"ارے ابرش یہ تمہارے چہرے پہ کیا ہوا؟"

"وہ...... وہ ماں...... میں نے کبھی اتنا ہیوی میک اپ نہیں کیا ناں، شاید میک اپ سے الرجی ہو گئی ہے۔" اس نے گڑبڑا کر جھوٹ بولا۔

"نظر لگ گئی ہوگی میری بچی کو، کل روپ بھی تو بہت آیا تھا تم پہ۔" عائشہ بیگم نے ممتا سے لبریز لہجے میں کہا، تو وہ سر جھکا گئی، اس کا دل دہائی دے رہا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ اور بھائی کو ارہم کی اصلیت بتائے مگر اس کے لب خاموش تھے نا جانے کیوں؟ اس کی ماں اس کے پاس بیٹھی تھی مگر اس کے دل کے حال سے انجان، ابرش سوچ رہی تھی اللہ نے انسان کو کتنا سخت جان بنایا ہے، جس بات کا وہ تصور بھی برداشت نہیں کر سکتا جب وہی حقیقت بن کر ٹوٹ پڑتی ہے تو کیسے چپ چاپ سہہ لیتا ہے۔

"ابرش تم تو جانتی ہو، ہمارے ہاں مکلاوے کی رسم ہوتی ہے ولیمے والے دن لڑکی میکے والوں کے ساتھ جاتی ہے، تم نے اس سلسلے میں ارہم سے اجازت لی؟" عائشہ بیگم نے اس سے استفسار کیا، تو وہ غائب دماغی سے سر نفی میں ہلا گئی۔

"نن...... نہیں ماں مجھے خیال نہیں آیا ان

سے پوچھنے کا۔"

"ابرش میری بچی تمہیں پوچھنا چاہیے تھا ناں، اب تم شادی شدہ ہو اپنے اندر کی لاپروائی تمہیں اب دور کرنا ہوگی، ویسے بھی ایک اچھی بیوی وہی ہوتی ہے جس کی طرف اس کا شوہر دیکھے تو وہ اسے خوشی بخشے اور جب وہ اپنی بیوی کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی تعمیل کرے اور جب وہ گھر سے باہر جائے تو اس کی غیر موجودگی میں وہ اس کے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔" عائشہ بیگم اسے پیار سے سمجھا رہی تھیں، اسی دوران راہم بھی اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔

"راہم بیٹا اگر تمہاری اجازت ہو تو ہم ابرش کو رسم کے لئے اپنے ساتھ لے جائیں؟" عائشہ بیگم نے براہ راست ہی ارہم سے پوچھ لیا تھا۔

"اتنی جلدی؟ آنٹی ابھی کل ہی تو شادی ہوئی ہے ہماری اور آپ انہیں ساتھ لے جانے کی بات کر رہی ہیں؟"

"بیٹا یہ رسم ہے ہمارے ہاں، بلکہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو، جتنے دن ابرش ہمارے پاس رہے گی تم بھی وہیں رہنا۔" عائشہ بیگم مسکرائیں۔

"نہیں آنٹی، میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہوگا، ہم پھر کبھی آ جائیں گے اور ویسے بھی میں ابرش کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔" اس کے محبت بھرے اظہار پہ عائشہ بیگم دھیرے سے مسکرا دیں تھیں۔

"چلو بیٹا جیسے تمہاری مرضی، ہم تو تم دونوں کی خوشی میں خوش ہیں۔" عائشہ بیگم نے اٹھ کر ارہم کے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا اور پھر اس تقریب میں وہ ایسے ہی ڈرامے کرتا رہا، یہاں تک کہ باری باری سب مہمان رخصت ہوتے گئے۔

ابرش وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی اس کا بہت دل تھا کہ وہ ماں اور ابا کے ساتھ واپس چلی جائے اس چھوٹے سے جنت نما گھر میں، جہاں بہت آسائشات نہ تھیں مگر سکون بہت تھا، یہاں اس بڑے سے بنگلے میں شاید دنیا کی ہر آسائش تھی مگر سکون ہرگز نہ تھا، اسے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے خوف آ رہا تھا، تھوڑی دیر بعد ہونے والی رات سے اسے ڈر لگ رہا تھا، ارہم ابھی کمرے میں نہیں آیا تھا، وہ ویسے کا لباس بدل کر وضو کیے نماز پڑھنے لگی تھی۔

دوسری طرف جواد صاحب ثمرین بیگم اور ارہم لاؤنج میں بیٹھے کافی پی رہے تھے، جب جواد صاحب نے بات کا آغاز کیا تھا۔

"ثمرین میں جانتا ہوں، ارہم کا یہ رشتہ تمہاری رضامندی کے خلاف ہوا ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے شروع ہی سے رینائل کو ہی ہمیشہ اپنی بہو کے طور پہ دیکھا ہے، کبھی کبھی تقدیر ہمارے طے شدہ فیصلوں کو بھی بدل کر رکھ دیتی ہے، ہمیں وہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے جو ہم نے کبھی سوچا تک نہیں ہوتا۔"

"جواد سیدھی طرح بات کریں ناں، یہ تمہید کیوں باندھ رہے ہیں آپ؟" ثمرین بیگم نے مگ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے جواد صاحب کو ٹوکا، قریب ہی ارہم موبائل کھولے بیٹھا تھا اور فیس بک پہ رینا سے چیٹ کر رہا تھا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے گھر میں ابرش ہی نے بہو بن کر قدم رکھنا تھا، اس کے نصیب تھے یہاں، یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور ہمیں اللہ کے اس فیصلے کو اب خوش اسلوبی سے تسلیم کر لینا چاہیے، میں دیکھ رہا ہوں، تمہارا رویہ ابرش کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے، ابرش کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ تمہارے بیٹے کا تھا اور اپنے بیٹے

کے فیصلوں کی سزا اس معصوم کو مت دو، شریف ماں باپ کی اولاد ہے اور بہت سلجھی ہوئی بچی ہے، تمہارا اس طرح کا اکھڑا رویہ مناسب نہیں ہے اس کے ساتھ۔" جواد صاحب دھیرے سے ثمرین بیگم کو سمجھا رہے تھے۔

"بس ہو گیا ختم آپ کا لیکچر؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ دو دن میں آپ کو ابرش سے ہمدردی بھی ہو گئی؟ ایک آنکھ نہیں بھاتی مجھے وہ لڑکی اور میں اسے اپنی بہو کے روپ میں تسلیم کر لوں؟ دو ٹکے کا خاندان پسند کیا ہے اس لڑکے نے، اس کی بیوی ہے یہ نبھائے اپنی رشتے داریاں۔" ثمرین بیگم غصے سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھیں، جواد صاحب تاسف سے انہیں دیکھتے رہ گئے تھے، ارہم کے کانوں پہ جوں تک نہ رینگی تھی، وہ موبائل ہاتھ میں لئے چیٹنگ میں مصروف تھا۔

"ارہم تم ہی اپنی ماں کو کچھ سمجھاؤ، میری تو وہ سنے گی نہیں اس معاملے میں۔" جواد صاحب اب ارہم سے مخاطب ہوئے۔

"سوری ڈیڈ، مام کی سوچوں کا اپنا ہی ایک ڈرائینگ روم ہے اس ڈرائینگ روم میں اپنی مرضی کی تصویر لگا کر میں اس تصویر سے محبت کرنے پہ انہیں فورس نہیں کر سکتا، وہ جو بہتر سمجھتی ہیں انہیں کرنے دیں۔" ارہم لاپروائی سے کہتا ہوا اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سوری اگین، میں یہ بھول گیا تھا کسی بھی حوالے سے تم سے بات کرنا فضول ہے۔" جواد صاحب ارہم پہ ایک قہر آلود نگاہ ڈالتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے تھے اور وہ کندھے اچکا کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا، جہاں ابرش جائے نماز پہ بیٹھی دعا مانگ رہی تھی، آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی ہتھیلیوں پہ گر رہے تھے، ارہم اس کے قریب سے گزر کر واش روم میں چلا گیا تھا، جب وہ واش روم سے چینج کر کے باہر نکلا تو وہ تب بھی جائے نماز پہ بیٹھی تھی اور اسی طرح سے رو رہی تھی۔

"تمہاری نماز ابھی ختم نہیں ہوئی، یہ ٹسوے بہانے بند کرو اور میری بات سنو۔" وہ اسے حکم دے کر بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ دعا مانگ کر جائے نماز تہہ کرتی اٹھ گئی تھی۔

"جی بلایا تھا آپ نے۔" وہ جائے نماز رکھنے کے بعد بیڈ کے قریب آ کر اس سے پوچھنے لگی۔

"پاؤں دباؤ تھک گیا ہوں میں۔" اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا تو ابرش خاموشی سے بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے لگی، اس کی نظریں کسی غیر مرائی نقطے پہ مرکوز تھیں، نرم نرم سے ہاتھوں کے ساتھ اس کا دبانا سکون دے رہا تھا ارہم کو، بے اختیار ٹی وی اسکرین سے اس کی نظریں ہٹ کر اپنے سامنے بیٹھی ابرش پہ مرکوز ہو گئی تھیں، وہ بہت خوبصورت تھی، نماز کے لئے اس نے اپنے گرد دوپٹہ لپیٹ رکھا تھا اس کے اردگرد ایک پاکیزگی نے اپنا حصار باندھ رکھا تھا وہ ابھی ابھی نماز پڑھ کر ہٹی تھی، ارہم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آج وہ کس طرح سے اس پہ اپنی بربریت کا اظہار کرے۔

"بس اب میرے سر میں مساج کرو۔"

ارہم نے اپنے پاؤں سمیٹتے ہوئے دوٹوک انداز میں اپنا اگلا حکم جاری کیا تو وہ ہنوز خاموشی سے آئل اٹھا کر اس کے پاس آ کھڑی ہوئی، بائل سے آئل نکال کر اس کے سر پہ لگاتے ہوئے ابرش سے تھوڑا سا آئل ارہم کی شرٹ پہ اس کے کندھے پہ گر گیا تھا، بس اور کیا تھا، ارہم کا زور دار تھپڑ اسے لڑکھڑانے پہ مجبور کر گیا تھا۔

"اسٹوپڈ، نان سینس گھٹیا لڑکی، اندھی ہو گیا؟ میری ساری شرٹ گندی کر دی تم نے۔" وہ غصے میں اس پہ برس رہا تھا اور وہ اپنے گال پہ ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی تھی، دکھ اور تاسف سے۔

"اب یہاں کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو، مساج کرو میرے سر میں تمہارے گھر والوں کے سامنے خوش نظر آنے کی ایکٹنگ کرتے کرتے سر میں درد ہو گیا ہے میرے۔" وہ غصے میں مزید دھاڑا تو وہ اپنے بے جان وجود کے ساتھ ایک بار پھر اس کے قریب اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی اور آئل اس کے بالوں میں لگا کر دھیرے دھیرے مساج کرنے لگی، اس کے ہاتھوں میں ایک عجیب سکون تھا ارہم کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں، اس دوران کئی بار ابرش کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر ارہم کے بالوں میں جذب ہوتے رہے تھے۔

"بس چھوڑ دو نیند آ رہی ہے مجھے۔" اب کے دھیرے سے کہہ کر وہ بیڈ پہ لیٹ گیا تھا۔

"ٹی وی اور لائٹ آف کر دو۔" اگلا حکم دیا گیا، ابرش خاموشی سے ٹی وی اور لائٹ بند کر کے صوفے پہ آ گئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد ارہم گہری نیند سو گیا تھا، مگر اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی، زندگی ایک بھیانک روپ میں اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، ہر لڑکی کی طرح شادی کے حوالے سے جو اس کے دل میں ارمان تھے چاہے جانے کی جو خواہش تھی، وہ جذبے اس کے دل میں چیخیں مار رہے تھے، ساری رات یونہی روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی، دماغ ماؤف ہو گیا تھا اس کا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس معاملے کو کیسے حل کرے، کسی کو بتائے کہ نہ بتائے۔

دور کہیں سے فجر کی اذان سنائی دی تھی، وہ محض چند گھنٹے ہی سوئی تھی اذان کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی، عائشہ بیگم اور اکرام صاحب خود بھی نمازی تھے دین دار تھے اور انہوں نے اپنے دونوں بچوں کو باقاعدگی سے نماز کا پابند بنا رکھا تھا، مصیبت اور پریشانی میں تو ان کے گھر کثرت سے ذکر الہٰی کیا جاتا تھا، یہی وجہ تھی کہ ذکر الہٰی سے ان کے گھر سکون کا گہوارہ بن گیا تھا کثرت سے ان کے گھر اللہ کو یاد کیا جاتا تھا، اذان کے بعد وہ صوفے سے اٹھ گئی تھی، نماز پڑھنے کے بعد لان میں آ گئی تھی، صبح کی تازہ اور ٹھنڈی ہوا کے پیش نظر وہ اپنے گرد شال لپیٹے لان میں ٹہل رہی تھی، جب عقب سے جواد صاحب کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔

"ابرش بیٹا تم اتنی صبح یہاں کیا کر رہی ہو؟"

ابرش نے پلٹ کر دیکھا، جواد صاحب ٹریک سوٹ میں ملبوس جوگرز پہنے کھڑے تھے۔

"بابا وہ میں نماز پڑھ کر یہاں آ گئی فریش ائیر میں بیٹھنے کو دل چاہ رہا تھا۔" ابرش نے احترام سے جواب دیا۔

"اوکے ویری گڈ، میں ذرا جوگنگ کے لئے جا رہا تھا، تم انجوائے کرو۔" جواد صاحب اس کے سر پہ شفقت بھرا ہاتھ پھیر کر آگے بڑھ گئے تھے، وہ کافی دیر لان میں ٹہلتی رہی تھی اور اب تھک ہار کر لان چیئر پہ بیٹھ گئی تھی، خاموش فضا میں پرندوں کی آوازیں اور سرسبز و شاداب پودے دیکھ کر وہ کسی حد تک ریلیکس فیل کر رہی تھی۔

جب وہ ایک گھنٹے کے بعد واپس آئے تو اسے لان میں ہی دیکھ کر حیران ہوئے۔

"ابرش بیٹا تم ابھی تک یہاں بیٹھی ہو؟"

"جی وہ بابا یہاں بیٹھنا اچھا لگ رہا تھا۔"

وہ لان چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور مسکرانے کی زبردستی کوشش کرتے ہوئے بولی، تو جواد صاحب اثبات میں سر ہلا گئے۔

''او کے بیٹا خوش رہو، تمہیں یہاں کسی بھی قسم کا کوئی پرابلم ہو تو مجھے ضرور بتانا میں تمہارے باپ کی جگہ ہوں اور ویسے بھی جب تم مجھے بابا کہتی ہو تو بہت اچھا لگتا ہے مجھے، اللہ نے مجھے بیٹی نہیں دی، مگر اب لگتا ہے یہ کمی تم پوری کر دو گی۔'' جواد صاحب مسکرائے۔

''جی انشاء اللہ بابا میں آپ کی بیٹی ہی ہوں، آپ اندر چلئے میں آپ کے لئے ناشتہ بنواتی ہوں۔'' ابرش نے احترام سے جواب دیا اور پھر وہ کچن میں آ گئی تھی، بٹلر کے ساتھ مل کر اس نے ناشتہ بنوایا تھا، کمرے میں جانے کی بجائے اسے یہ مصروفیت اچھی اور بہتر لگی تھی۔

ارہم جب سو کر اٹھا تو وہ کمرے میں موجود نہیں تھی، کہیں وہ صبح ہی صبح ڈرائیور کے ساتھ واپس تو نہیں چلی گئی اپنے گھر، اس سوچ نے اسے بستر سے اٹھ کر بیٹھنے پہ مجبور کر دیا تھا، اس سے پہلے کہ وہ موبائل اٹھا کر ڈرائیور کو فون کر کے پوچھتا، کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی، مگر اسے بیڈ پہ بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

''کہاں تھیں تم؟'' دوٹوک انداز میں پوچھا گیا۔

''کوئی کام تھا آپ کو؟'' ابرش نے پوچھا۔

''پہلے میرے سوال کا جواب دو مجھے۔'' وہ غصے میں بلند آواز کے ساتھ بولا تو وہ چند لمحے خاموش ہو گئی۔

''کچن میں تھی۔'' آہستگی سے بتایا گیا، وہ اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھا۔

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' عقب سے ابرش کی آواز آئی، وہ ایک لمحے کے لئے رکا مگر اس نے پلٹ کر نہ دیکھا۔

''بس میں...... میں نے آپ کو تھپڑ مارا، وہ ایک عمل کا ردعمل تھا، خاص آپ کو نشانہ بنانا آپ کو بے عزت کرنا میرا مقصد ہرگز نہیں تھا آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا میرا ردعمل یہی ہوتا، آپ اس چھوٹے سے واقع کو لے کر ہمارے زندگی کے اس مقدس رشتے کو خراب مت کریں، بھلے مجھ سے محبت نہ کریں مگر فی الحال مجھے طلاق مت دیں، شادی کے ایک مہینے کے بعد ان کی بیٹی طلاق لے کر گھر گئی تو وہ جیتے جی مر جائیں گے، خاندان والے طرح طرح کی باتیں بنا کر انہیں زندہ درگور کر دیں گے، میرے ماں باپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے پلیز آپ کو آپ کی محبت کا واسطہ، مجھے فی الحال طلاق مت دیں۔'' دو دن میں یہ پہلی طویل بات تھی جو ابرش نے اس سے کی تھی، اس کے لہجے میں التجا تھی، فریاد تھی، مجبوری تھی۔

''بعد میں...... میں کوئی مناسب وقت دیکھ کر ماں اور ابا کو اپنے اور آپ کے رشتے کی حقیقت بتا دوں گی، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے، آپ...... آپ مجھ سے میرے تھپڑ کا جیسے چاہے مجھ سے انتقام لے لیں، میں احتجاج نہیں کروں گی، مگر خدارا میرے ماں باپ کی خوشی کو اتنی جلدی غارت مت کریں۔'' وہ روتی ہوئی اب اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا، جسے اپنی کوئی پرواہ نہیں تھی اسے اپنے ماں باپ کی خوشی اس قدر عزیز تھی کہ ان کی خوشی کی خاطر وہ ارہم کا ہر ظلم برداشت کرنے پہ تیار تھی، اس کے سوشل سرکل کی لڑکیاں اور لڑکے صرف اپنے لئے جیتے تھے، خود اس نے بھی کبھی

اپنے ماں باپ کی پرواہ نہیں کی تھی، وہ اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے اب تک گزارتا آیا تھا، اس نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی خوشی اس کے والدین کو کتنی تکلیف دے رہی ہیں، اس کی باتوں نے ارہم کے ضمیر کو چند لمحوں کے لئے جھنجھوڑا تھا مگر اگلے ہی پل رینائل سے کیا ہوا وعدہ ارہم کو زنجیر کر گیا تھا، جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا، فی الحال ایسی باتیں طے کرنا قبل از وقت ہو گا، اس لئے اس ٹاپک پہ گفتگو کرنا فضول ہے وہ اسے جواب دے کر شاور لینے واش روم میں گھس گیا تھا اور وہ بے بسی سے واش روم کے بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

ثمرین بیگم کی طبیعت ناساز تھی، وہ ناشتے کی ٹیبل پہ نہیں آ سکی تھیں، جواد صاحب ناشتے کے بعد اپنی سیکیورٹی کمپنی کے آفس روانہ ہو گئے تھے اور ارہم اسے بغیر بتائے نا جانے کہاں چلا گیا تھا۔

ابرش نے بٹلر سے ثمرین بیگم کے لئے ناشتہ بنوایا اور ٹرالی میں لگا کر خود ان کے کمرے میں لے آئی۔

''السلام علیکم! کیسی طبیعت ہے مما آپ کی؟'' ابرش نے ثمرین بیگم کا حال پوچھتے ہوئے ٹرالی صوفے کے قریب روک دی۔

''تمہیں کس نے اجازت دی مجھے مما کہنے کی؟'' ثمرین بیگم ابھی نائٹ گاؤن میں ہی ملبوس تھیں اور بیڈ سے ٹیک لگائے وہ اپنا موبائل دیکھ رہی تھیں، انہوں نے ابرش کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا، الٹا اسی کو ڈانٹتے ہوئے سوال کر ڈالا تھا۔

''آپ ارہم کی مما ہیں تو اس حساب سے میرے لئے بھی نہایت قابل احترام ہیں اور۔''

وہ شرمندہ سی ہو کر رک گئی۔

''اینی وے میں آپ کے لئے ناشتہ لائی ہوں آپ کچھ کھا کر پھر میڈیسن لے لیجئے گا۔'' ابرش دوبارہ مخاطب ہوئی۔

''جواد کو تو متاثر کر ہی چکی ہو تم، مگر یاد رکھنا، میں تمہاری ان چاپلوسیوں میں آنے والی نہیں ہوں، لہٰذا زیادہ نیک پروین بن کر مجھے متاثر کرنے کی کوشش مت کرو، تم میرا انتخاب ہرگز نہیں ہو، ارہم تمہیں زبردستی اس گھر میں لایا ہے اس نے زبردستی تم کو ہم پہ مسلط کیا ہے، اس حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھ لو، میں نے اپنی بہو کے طور پہ رینا کو منتخب کیا تھا اور وہی میرے اس گھر کی بہو بنے گی۔'' ثمرین بیگم کا لٹھ مار جواب اور انگارے جیسے الفاظ اسے جھلسا گئے تھے، اس نے تو کبھی زندگی میں یہ نہیں سوچا تھا، کہ اس کی شادی شدہ لائف اس قدر بھیانک ہو گی؟

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل کر اس کے گالوں پہ بہہ رہے تھے، اسی حقارت آمیز زندگی کا تو اس نے کبھی تصور تک نہ کیا تھا، وہ اپنے ماں باپ اور بھائی کی کس قدر لاڈلی تھی؟ مگر یہاں آ کر اس کے لاڈ اس کے نخرے ہوا ہو گئے تھے، قسمت نے اسے آسمان سے اٹھا کر زمین پہ پٹخ دیا تھا، آج اسے اس بات کا اندازہ ہوا تھا کہ ابا کیوں اس بات کا اظہار کیا کرتے تھے، بیٹیاں بہت پیاری ہوتی ہیں دل کے بے انتہا قریب ہوتی ہیں مگر ان کی قسمت کا خوف ماں باپ کے دلوں کو ہر وقت ہولائے رکھتا ہے، بیٹی کی پیدائش اور اس کی رخصتی پہ والدین کی آنکھیں کیوں بھر آتی ہیں؟ یہی وہ خوف ہوتا ہے جو ان کی آنکھوں سے آنسو بن کر چھلک پڑتا ہے۔

''اب یہاں کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو؟ جا سکتی ہو تم یہاں سے۔'' ثمرین بیگم کا لٹھ مار

جواب سن کر اس کی سوچوں کا تسلسل بھی ٹوٹ گیا تھا اور وہ الٹے پیروں ان کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

سوچوں اور غموں کا ایک آکٹوپس تھا جس نے ابرش کو لپیٹ لیا تھا، صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہو گئی تھی، اسے اپنی سوچوں میں الجھتے ہوئے ملازمہ نے کئی بار اسے کھانے پینے کا پوچھا تھا مگر ہر بار اس نے ''مجھے بھوک نہیں ہے'' کہہ کر اسے واپس بھجوا دیا تھا اس کی بھوک پیاس ختم ہو گئی تھی، بے اختیار اسے ماں باپ کے گھر کے سکھ یاد آنے لگے تھے۔

اس گھر میں واحد ایک بریگیڈیئر جواد ہی تھے جو محبت اور شفقت سے اس سے پیش آیا کرتے تھے، عموماً شام کو جواد صاحب گھر آ جایا کرتے تھے مگر آج شاید وہ کسی کام میں مصروف تھے، وہ ابھی تک گھر نہیں آئے تھے۔

وہ اپنی پریشان کن سوچوں سے چھٹکارا پانے کے لئے نماز عصر کے بعد لاؤنج میں آ گئی تھی اور غائب دماغی سے ملازمہ ٹی وی پہ چینل سرچنگ میں مصروف تھی جب ثمرین بیگم عجلت اور بدحواسی میں موبائل کان سے لگائے نہایت گھبرائے ہوئے انداز میں اپنے کمرے سے نکلی تھیں۔

''او کے تم فوری ارہم سے رابطہ کر کے اس اطلاع دو، میں گھر سے نکل رہی ہوں۔'' ثمرین بیگم نے موبائل آف کیا اور اسے نظر انداز کرتی ہوئی لاؤنج سے گزرنے لگیں۔

''مما خیر تو ہے آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں۔'' عقب سے ابرش نے ہمت کر کے پوچھ ہی ڈالا تھا۔

''جواد کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، وہ اس وقت ایمرجنسی میں ہیں۔'' ثمرین بیگم نے بھرائی آواز میں رک کر اسے بتایا۔

''او مائی گاڈ آپ...... آپ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جایئے۔'' وہ بھی پریشانی میں ثمرین بیگم کے ساتھ چل پڑی تھی، ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد وہ دونوں ڈرائیور کے ساتھ ہاسپٹل میں موجود تھیں جہاں ارہم اور جواد صاحب کی کمپنی کا ایم ڈی پہلے سے موجود تھے۔

''کیسی طبیعت ہے تمہارے ڈیڈ کی۔'' ثمرین نہایت گھبرائے انداز میں ارہم کی طرف لپکیں۔

''ٹریٹمنٹ ہو رہا ہے ڈیڈ کا۔'' ارہم کے چہرے پہ بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں، کافی دیر جان لیوا لمحات کے بعد ڈاکٹرز نے جواد چوہدری کی حالت خطرے سے باہر بتائی تھی، ارہم نے بنٹی خالہ اور رینا کو بھی فون پہ اطلاع دے دی تھی، کچھ دیر کے بعد وہ دونوں بھی ہاسپٹل پہنچ گئی تھیں، فاروق صاحب ملک سے باہر تھے، بنٹی خالہ اور رینا نے پہلی بار ابرش کو دیکھا تھا، بلیک اور بلیو سوٹ میں سر پہ دوپٹہ لئے وہ ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

''یہ چڑیل یہاں کیا کر رہی ہے؟'' بنٹی خالہ نے دھیرے سے ثمرین بیگم سے پوچھا۔

''بس پریشانی میں گھر سے نکلی تو یہ بھی میرے ساتھ ہی آ گئی۔'' ثمرین بیگم نے بتایا۔

''آپا اب جواد بھائی کی طبیعت کیسی ہے؟'' بنٹی خالہ نے پوچھا۔

''بہتر ہیں اگلے چوبیس گھنٹے اہم قرار دیئے ہیں ڈاکٹر نے، بنٹی تم...... تم دعا کرو، اللہ جواد کا سایہ ہم پہ سلامت رکھے۔'' ثمرین بیگم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔

''ارے آپا حوصلہ رکھیں، انشاء اللہ کچھ نہیں ہو گا جواد بھائی کو۔'' بنٹی خالہ نے ثمرین بیگم کے

کندھے پہ ہاتھ رکھا اور انہیں لابی سے ویٹنگ لاؤنج تک لے آئیں۔
"ہم سب کی دعائیں جواد بھائی کے ساتھ ہیں، آپ فکر مت کریں اور یہاں بیٹھ جائیں، کھڑے کھڑے تھک جائیں گی۔" بنٹی نے انہیں چیئر پہ بٹھایا۔
"ارہم یہ...... یہ تو اچھی خاصی خوبصورت ہے تم نے تو مجھے بتایا ہی نہیں؟" رینا ارہم کے ساتھ بیٹھی تھی اور کن انکھیوں سے ابرش کو دیکھ کر اپنے پاس بیٹھے ارہم سے مخاطب ہوئی، اس کے لہجے میں تشویش تھی۔
"پتہ نہیں یہ خوبصورت ہے کہ نہیں، میں نے اسے غور سے نہیں دیکھا، فی الحال دعا کرو ڈیڈ ٹھیک ہو جائیں۔" ارہم کے چہرے پہ خاموشی چھائی ہوئی تھی۔
"ڈونٹ وری ارہم انکل ٹھیک ہو جائیں گے۔" رینا نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا، پھر بنٹی خالہ اور رینا تھوڑی دیر وہاں مزید بیٹھی تھیں اور اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
"سوری اگین آپا، گھر میں رینا نے آج پارٹی ارینج کر رکھی ہے اگر دعوت نامے جاری نہ کر دیئے ہوتے تو میں اور رینا یہاں آپ کے پاس ہی رکتے، ابھی کچھ دن پہلے رینا نے کراچی فیشن ویک میں بیسٹ نیو ڈیزائنر آف دی ایئر کا ایوارڈ ون کیا ہے، اسی سلسلے میں اس نے پارٹی ارینج کر رکھی ہے، لاہور اور کراچی سے اس پارٹی کے لئے اس کے کچھ دوست احباب آ رہے ہیں۔" بنٹی خالہ نے ہاسپٹل نہ رکنے کا جواز پیش کیا۔
"نہیں کوئی بات نہیں، بنٹی تم لوگ جاؤ۔" ثمرین بیگم نے ایک سرد آہ بھری، ارہم بالکل خاموش تھا، اس کا باپ موت اور زندگی کی کشمکش

میں مبتلا تھا اور اس کی محبت رینا فاروق نے گھر میں رکھی پارٹی کینسل تک نہ کی تھی۔
رینا اور بنٹی خالہ واپس چلی گئی تھیں، تب وہ دھیرے سے اپنی نشست سے اٹھ کر اس کے برابر میں آ بیٹھی تھی اور اسی طرح دھیرے سے بولی تھی۔
"میں سمجھ سکتی ہوں آپ اس وقت کس کرب اور پریشانی سے گزر رہے ہیں، باپ ایک مقدس محافظ کی طرح ہوتا ہے جو ساری زندگی اپنے بچوں کی حفاظت کرنے میں گزار دیتا ہے جو اولاد کی جیت کے لئے اپنا سب کچھ ہارتا چلا جاتا ہے مگر مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اپنے اللہ کی رحمت اور مصیبت میں مانگی ہوئی دعاؤں پہ یقین ہونا چاہیے، اللہ اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا اور نہ دعائیں رائیگاں جاتی ہیں، ایک وہی تو ہے جو مرتے دم تک ہمارے لئے ہماری توجہ اور اپنی رحمت کا دروازہ کھلا رکھتا ہے، اس لئے آپ مایوس اور پریشان مت ہوں انشاء اللہ بابا بالکل ٹھیک ہو جائیں گے اور ہم انہیں اللہ کے فضل سے گھر لے کر جائیں گے۔" وہ دھیرے دھیرے دھیمے سے لہجے میں اسے تسلی دے رہی تھی، اس کی تسلی ارہم کے بے قرار دل کو قرار دینے لگی تھی، ایک امید کی روشنی اس کے مایوس اور پریشان دل کو ڈھارس بن کر تسلی دینے لگی تھی، نا جانے یہ کیسا احساس تھا کہ ارہم کی آنکھیں بھر آئیں تھیں، بچپن سے لے کر اب تک اس کی نظروں کے سامنے ایک فلم سی چلنے لگی تھی۔
آج جو باپ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا بستر پہ پڑا تھا اس باپ نے ارہم کے کیسے کیسے ناز نخرے جائز ناجائز خواہشات کو پورا کیا تھا صرف اور صرف اس کی خوشی کی خاطر نا جانے انہوں نے کتنی بار اپنی انا کو مارا تھا اپنے دل پہ

جبر کیا تھا؟

ارہم نے بچپن سے لے کر اب تک انہیں صرف ستایا ہی تھا، ہر معاملے میں، اس نے اپنی ضد منوائی تھی اور وہ ساری دنیا کو جیتنے کے باوجود ارہم سے ہار جایا کرتے تھے، یکدم ایک ندامت نے ارہم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، وہ دل سے ان کی صحت تندرستی اور زندگی کی دعائیں کر رہا تھا۔

آج اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کسی اپنے کو کھو دینے کا ڈر کیا ہوتا ہے؟ یہ ڈر کیسی قیامت بن کر دل کو چیرتا ہے، کسی اپنے کی دائمی جدائی کا خوف کیسے زندگی کو ایک تاریک اور اندھیری رات میں بدل دیتا ہے؟

سچ کہا ہے کسی نے اللہ جس کو اپنا آپ یاد دلانا چاہتا ہے اسے دکھ کا الیکٹرک شاک دے کر اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے، دکھ کی بھٹی میں انسان دوسروں کے لئے نرم پڑ جاتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ وہ خاموشی سے سر جھکائے اس کی باتیں سن رہا تھا، اس کی تسلی ڈھارس بن رہی تھی ارہم کے لئے۔

توقف کے بعد وہ مزید بولی تھی۔

''میں بابا کے پاس بیٹھتی ہوں، آپ اور مما گھر جا کر تھوڑا ریلیکس کر لیں۔''

''نہیں میں یہیں ہوں ڈیڈ کے پاس، تم مام سے پوچھ لو اور انہیں تھوڑی دیر کے لئے گھر لے جاؤ، صبح ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' یہ پہلا جملہ تھا جو ارہم نے اس سے نرمی سے ادا کیا تھا، وہ خاموشی سے اثبات میں سر ہلا کر اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

جواد چوہدری ڈسچارج ہو کر گھر آ گئے تھے، عائشہ بیگم اور اکرام صاحب بھی ان کی عیادت کو آئے تھے، کومیل بھی گاہے بگاہے فون پہ جواد صاحب کی خیریت پوچھ لیتا تھا، ابرش ان کا بھرپور خیال رکھ رہی تھی، آج کل گھر کا بٹلر تاج محمد بھی چھٹی پہ گیا ہوا تھا اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا، ثمرین بیگم عارضی طور پہ کوئی نیا بٹلر ڈھونڈ رہی تھیں، مگر فی الحال کچن ابرش نے سنبھال رکھا تھا، اب بھی وہ سب ناشتے کی ٹیبل پہ موجود تھے اور ابرش ملازمہ کو ساتھ لگائے ناشتہ بنانے میں مصروف تھی۔

''صاحب جی یہ آپ کا پرہیزی ناشتہ۔'' ملازمہ نے ڈائننگ ٹیبل پہ جواد صاحب کے سامنے ناشتہ رکھا۔

''بیگم صاحبہ اور چھوٹے صاحب جی بی بی پوچھ رہی ہیں آپ کو کچھ اور چاہیے تو بتائیں؟'' ملازمہ نے ابرش کا پیغام دہرایا۔

''نہیں اور کچھ نہیں چاہیے۔'' چائے پیتی ثمرین بیگم نے مختصر جواب دیا۔

''بلکہ تم جاؤ اور ابرش کو یہاں بھیجو، کب سے وہ کچن میں گھسی ہوئی ہے، وہ بھی ناشتے میں ہمیں جوائن کرے۔'' جواد صاحب نے اپنا پرہیزی ناشتہ کھاتے ہوئے ملازمہ کو ہدایت دی تو وہ سر ہلا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''بہت سلجھی ہوئی بچی ہے ابرش، جب سے اس گھر میں آئی ہے اس نے بیٹی کی کمی پوری کر دی ہے۔'' جواد صاحب کی تعریف پہ ثمرین بیگم پہلو بدل کر رہ گئی تھیں، جواد صاحب نے لحظہ بھر بیگم کو دیکھا اور ان سے مخاطب ہوئے۔

''ثمرین پلیز جو بھی ہوا بھول جاؤ اور ابرش کے لئے اپنا دل نرم کر لو، اس کے نصیب یہاں لکھے ہوئے تھے، سو قسمت اسے یہاں ہماری بہو بنا کر لے آئی، کتنا خیال رکھتی ہے وہ ہمارا؟ جب سے اس کی شادی ہوئی ہے وہ ایک بار بھی اپنے میکے رہنے کے لئے نہیں گئی، میری بیماری میں اس

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

نے کتنا خیال رکھا ہے میرا، سارا دن میری تیمار داری میں گزار دیتی ہے، ہمیں اپنے ماں باپ کا درجہ دیتی ہے، کتنے دن سے اس نے کچن سنبھال رکھا ہے، کتنا احترام کرتی ہے وہ ہمارا؟ اس کی رگوں میں ایک شریف اور باعزت گھرانے کا لہو دوڑ رہا ہے، ورنہ آج کل کی لڑکیاں کہاں خیال رکھتی ہیں ساس سسر کا، گھر کو گھر نہیں سمجھتی ہیں اب رینا کو ہی دیکھ لو، ایف یوڈونٹ مائنڈ جب سے میں گھر آیا ہوں، اس نے ایک بار بھی میری خیریت پوچھنے کے لئے یہاں چکر نہیں لگایا۔'' جواد صاحب نے انہیں سمجھاتے ہوئے شکوہ کیا تو ثمرین بیگم کے ساتھ ساتھ ارہم بھی شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

''جواد آپ اس دو ٹکے کی لڑکی کو رینا کے ساتھ کمپیئر مت کریں، بس وہ آج کل تھوڑی مصروف ہے آج کل دوبئی میں ہونے والے فیشن شو کے سلسلے میں تھوڑی مصروف ہے ورنہ بنٹی تو ہر دوسرے دن مجھ سے آپ کی فون پہ خیریت پوچھتی ہے۔'' ثمرین بیگم نے نظریں چراتے ہوئے بات بتائی، تو جواد صاحب نے نپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے اپنی بیگم کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''چھوڑو ثمرین بیگم بہن اور بھانجی کے اعمال پہ پردہ پوشی مت کرو، مصروفیت، قریبی رشتوں سے کبھی دور نہیں کرتی اگر ان رشتوں سے انسان کو سچی محبت ہو تو، رینا نے گھر آنا تو دور کی بات ہے مجھے اس نے فون تک نہیں کیا اور رہی بات بنٹی اور فاروق کی تو ایسا کون سا قتل و غارت کر دیا ہم نے، انہوں نے یہاں آنا تک گوارہ نہیں کیا، فاروق کہ پاکستان آئے ایک ہفتہ ہو چکا ہے اور اس نے مجھ سے رابطہ تک نہیں کیا۔''

''چھوڑیں جواد صاحب، آپ تو بال کی کھال اتار رہے ہیں جیسا آپ سمجھ رہے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔'' ثمرین بیگم سچ مچ شرمندہ ہو رہی تھیں۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو، اینی وے ارہم بیٹا، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، موت کے منہ سے واپس لایا ہے اللہ مجھے، میری ایک بات یاد رکھنا، اللہ نے تمہیں ایک ہیرا دیا ہے ابرش کے روپ میں، اس کی قدر کرنا، یہ لڑکی ایک مکان کو گھر بنانا جانتی ہے اسے کبھی مت چھوڑنا، جو خوبیاں میں نے اس بچی میں دیکھی ہیں وہ آج کل کی لڑکیوں میں ناپید ہیں، تم اس سے بہت لاتعلق رہتے ہو، بیٹا بیوی کوئی چیز نہیں ہوتی جسے آپ شوق سے خرید کر لاؤ اور گھر کے کسی کونے میں اسے رکھ کر بھول جاؤ، محبت ہر دن کے ساتھ اعادہ چاہتی ہے، یہ باتیں یہ نصیحت ایک ماں ہونے کے ناطے ثمرین کو تمہیں سمجھانی چاہئیں، مگر تمہاری ماں نے اس شادی کو اپنی انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے، اس لئے میں تمہیں سمجھا رہا ہوں، میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے، اس لئے بیٹا تمہیں سمجھا رہا ہوں، سنجیدہ ہو جاؤ، زندگی کوئی کھیل تماشا نہیں ہے، ہم ساری زندگی اس کے رنگین دھوکے میں گزار دیتے ہیں، دنیا میں رہنے کے لئے دنیا جہان کی چیزیں، آسائشات اکٹھی کرتے کرتے زندگی گزار دیتے ہیں مگر واپسی کے لئے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچتا، نہ اعمال اور نہ نیکیاں، دنیا کا مال چپ چاپ یہیں چھوڑ جاتے ہیں، زندگی ایک بار ملتی ہے اسے تجربات کی نظر مت کرنا، میں جانتا ہوں، اس شدید اور جان لیوا ہارٹ اٹیک سے میرا دل کمزور ہو چکا ہے دوسری بار اٹیک ہوا تو شاید میں زندہ نہ رہوں اس لئے میری باتوں کو ہمیشہ یاد رکھنا۔'' جواد صاحب دھیرے دھیرے سے اسے سمجھا رہے تھے۔

''اللہ نہ کرے جواد آپ کو کچھ ہو۔'' ثمرین بیگم نے دہل کر انہیں ٹوکا۔

''ڈیڈ پلیز آپ اس طرح کی باتیں مت سوچیں، اللہ آپ کو سلامت رکھے۔'' ارہم نے بے اختیار اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا، اتنے میں ابرش بھی ڈائننگ ٹیبل پہ آ گئی تھی۔

''بابا آپ نے بلایا تھا مجھے؟''

''ہاں بیٹا یہاں بیٹھو اور ناشتہ کرو، خود نہیں کھاؤ گی تو اپنے بابا کی خدمت کیسے کر پاؤ گی۔''

جواد چوہدری نے مسکراتے ہوئے تنبیہ کی تو وہ بھی مسکراتی ہوئی چیئر گھسیٹ کر ارہم کے برابر بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

وقت حالات اور کچھ واقعات کبھی کبھی ہمیں اس قدر خاموشی سے بدلنے لگتے ہیں کہ ہمیں خود بھی کانوں کان خبر نہیں ہوتی اور ایسا ہی ارہم کے ساتھ بھی ہو رہا تھا، وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ دھیرے دھیرے بدل رہا ہے، وہ روز باقاعدگی سے اپنے آفس جانے لگا تھا، اس نے کبھی اپنے ماں باپ کے ساتھ بیٹھ کر ٹائم نہیں گزارا تھا، مگر اب وہ آفس سے آنے کے بعد جواد صاحب اور ثمرین بیگم کے پاس بیٹھا کرتا تھا، اس کے مزاج میں جو ضد اور بدمزاجی کا عنصر نمایاں تھا وہ اب کم ہونے لگا تھا، وہ جو اپنی بات پہ زرہ سی نفی پہ بھڑک اٹھتا تھا، اب ایسی کوئی فرمائشیں کوئی بات نہ کرتا جو جواد صاحب کی دل آزاری کا باعث بنے، پہلے نہ اس کے گھر سے جانے کا کوئی ٹائم تھا نہ گھر آنے کا، مگر اب وہ شام کو گھر سے نکلتا تو رات جلدی واپس آ جاتا، ابرش کے ساتھ اس کے رشتے میں صرف یہ تبدیلی آئی تھی کہ وہ اسے جسمانی ٹارچر نہیں کرتا تھا دونوں کے بیچ اب بھی

ہنوز خاموشی چھائی ہوئی تھی دنیا کی نظر میں وہ میاں بیوی تھے مگر کمرے میں جو پہلے دن سے دونوں کے درمیان لاتعلقی چھائی تھی وہ اب بھی قائم تھی، رینا دوبئی میں ہونے والے ایشیاء فیشن ویک میں حصہ لینے کے لئے گزشتہ ڈیڑھ ہفتے سے دوبئی میں مقیم تھی۔

اس کے لئے اس کا کیریئر سب سے اہم تھا اور اس بات کا اندازہ ارہم کو ان چند دنوں میں ہی ہو گیا تھا، اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ محبت تو وہ ہوتی ہے کہ کوئی احساس دلائے بنا آپ کا درد سمیٹ لے، آپ کی کمزوریوں کو ڈھانپ لے ورنہ محض رابطے میں رہنا، گفتگو میں محبت کے بلند و بانگ دعوے کرنا زبان کا چسکا تو ہو سکتا ہے لیکن محبت ہرگز نہیں، وہ رینا کو میسج کرتا تو وہ مصروفیت کی بناء پہ گھنٹوں اسے جواب نہ دیتی اور وہ پہروں اس کے جواب کا منتظر رہتا۔

اب بھی وہ اپنے کمرے میں بیڈ پہ لیپ ٹاپ لئے بیٹھا تھا اور فیس بک پہ اسے میسج بھیج رہا تھا، قریب ہی کارپٹ پہ جائے نماز بچھائے ابرش عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی گاہے بگاہے ارہم کی نظریں لاشعوری طور پہ جائے نماز پہ کھڑی نماز کا ایک ایک رکن ادا کرتی ابرش پہ پڑتیں، یہاں تک کہ وہ دعا مانگنے کے بعد جائے نماز تہہ کرنے کے بعد ایک کونے میں رکھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد وہ ہاتھوں میں ٹرے پکڑے کمرے میں داخل ہوئی تھی ٹرے میں دو مگ رکھے تھے، کمرے میں آ کر اس نے ٹرے سے ایک مگ اٹھایا تھا اور ارہم کے پاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں اپنے لئے کافی بنا رہی تھی سوچا آپ کے لئے بھی بنا دوں۔'' وہ مگ رکھ کر پلٹ گئی تھی۔

ارہم کا جی چاہا کہ اسے تھینکس کہے کیونکہ اسے کافی کی شدید طلب ہو رہی تھی اس وقت مگر اس کے لب خاموش ہی رہ گئے تھے، ابرش خاموشی کے ساتھ اپنا مگ اٹھائے بیڈ روم کے ساتھ ملحق ٹیرس کا دروازہ کھول کر وہاں بیٹھ گئی تھی۔

آسمان پہ سیاہ گہرے بادل چھائے ہوئے تھے، ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں کو اڑا رہی تھی، دفعتاً بارش کی بوندیں گرنے لگی تھیں، کافی پیتے ہوئے اس نے اپنا ایک بازو ٹیرس سے باہر پھیلا رکھا تھا بارش کی بوندیں اس کی ہتھیلی کو بھگونے لگی تھیں۔

اسے بے اختیار اپنے چھوٹے سے جنت نما گھر میں برنے والی وہ بارش یاد آئی تھی جس میں وہ کسی بچے کی طرح صحن میں بھاگ کر بھیگنے لگتی تھی اور عائشہ بیگم برآمدے میں کھڑی اسے اندر بلانے اور بیمار پڑ جانے کی تنبیہ کرتے کرتے تھک جاتی تھیں۔

وہ کتنی نٹ کھٹ سی ہوا کرتی تھی، کومیل چھٹی پہ گھر آتا تو وہ اسے خوب تنگ کیا کرتی تھی، وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی دھڑلے سے اپنے ناز نخرے اٹھوایا کرتی تھی، مگر اب کیسے بدل گئی تھی دنوں میں، اس کے لبوں پہ خاموشی چھا گئی تھی اور دل، اس کے ارمان تو شادی کی پہلی ہی رات اجڑ گئے تھے، ختم ہو گئے تھے، ہر لڑکی کی طرح اس کے دل میں موجود شوہر کے دل پہ راج کرنے کے ارمان اور چاہے جانے کی خواہش کا قتل اسی رات ہو گیا تھا، جب ارہم نے اس بتایا تھا کہ اس نے یہ شادی ابرش کو ذلیل وخوار کرنے کے لئے کی تھی۔

کبھی کبھی زندہ ہونے کے باوجود ہمارے اندر زندگی دم توڑ جاتی ہے، اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا، اب تو اس کے اندر اور باہر کرب ہی کرب تھا، وہ اب موقع کی تلاش میں تھی، مناسب وقت دیکھ کر وہ اپنے اور ارہم کے بیچ کے تعلق کو عائشہ بیگم اور اکرام صاحب پہ عیاں کر دینا چاہتی تھی، انہی سوچوں میں گم نا جانے کتنا وقت بیت گیا تھا، دفعتاً اسے اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی تھی، اس نے پلٹ کر دیکھا تو عقب میں ارہم کھڑا تھا۔

''تم کافی دیر سے یہاں بیٹھی ہو، اندر آ جاؤ ورنہ بیمار پڑ جاؤ گی۔'' ڈھائی ہفتوں میں یہ پہلا جملہ تھا جس میں ارہم کی ہمدردی کی جھلک دیکھائی دی تھی اسے، ابرش نے اپنے دونوں ہاتھوں سے آنکھوں کو صاف کیا، وہ نا جانے کب سے بے آواز رو رہی تھی۔

ارہم کے آس پاس جواد چوہدری کا جملہ گونجا۔

''میری ایک بات یاد رکھنا اللہ نے تمہیں ایک ہیرا دیا ہے، ابرش کے روپ میں، اس کی قدر کرنا۔'' بے اختیار وہ اسے دیکھے گیا، بے بی پنک ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس سوٹ کا ہم رنگ دوپٹہ شانوں کے گرد لپیٹے، بغیر کسی میک اپ کے آنکھوں میں صرف کاجل کی ایک لائن لگائے کھلے بالوں کے ساتھ بھی وہ بہت پرکشش لگ رہی تھی۔

جب سے ان کا نکاح ہوا تھا ارہم نے پہلی بار اسے غور سے دیکھا تھا، وہ واقعی اچھی خاصی حسین تھی اور کسی بھی مرد کے لئے اس کی من چاہی بیوی کا درجہ حاصل کر سکتی تھی۔

''جب روح زخمی ہو تو جسمانی بیماری تکلیف نہیں دیتی، آپ میری فکر مت کریں، میں یہاں ریلیکس فیل کر رہی ہوں۔'' مختصر جواب کے ساتھ ابرش نے پھر سے رخ موڑ لیا تھا وہ چند لمحے اس کی پشت دیکھتا رہا، اس سے شرعی رشتے کی بنیاد پہ اچانک دل نے خواہش کی کہ وہ اس

کے گرد بازو پھیلا کر اسے کمرے میں لے آئے، اسے اپنے سامنے بیٹھا کر دیکھے اور ...... اور...... ایسی بہت سی خواہشات بے اختیار اس کے دل میں ہمکنے لگیں، مگر اس کے خاموش لبوں نے ایک لفظ تک نہ کہا تھا اور وہ چپ چاپ واپس کمرے میں آ گیا تھا۔

پھر وہ نا جانے کب اور کس پہر کمرے میں آئی تھی ارہم اس وقت سو چکا تھا، ساری رات مسلسل بارش ہونے سے رات بہت ٹھنڈی ہو گئی تھی، صبح جب وہ اٹھ کر واش روم جانے لگا تو وہ صوفے پہ سکڑی سمٹی ہوئی خود پہ اپنا دوپٹہ پھیلائے کسی معصوم بچے کی طرح سو رہی تھی، اس کے پاکیزہ چہرے پہ اب بھی کرب اور کئی تکلیف دے سوچوں کے عکس دکھائی دے رہے تھے۔

اس کا جی چاہا کہ وہ اس کے پاس بیٹھ جائے اس موم کی گڑیا کو ہاتھ لگائے اسے چھو کر دیکھے، جس نے اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کا کسی سے ذکر تک نہیں کیا تھا، حتیٰ کہ اپنے ماں باپ سے بھی نہیں، اس کی جگہ کوئی بھی اور لڑکی ہوتی تو ولیمے والے دن ارہم کا بھانڈا پھوڑ دیتی، اس کی اصل اصلیت بتاتی اپنے ساتھ شادی کی پہلی رات ہونے والی زیادتی یا ظلم کی داستان سب کو بتاتی، مگر اس نے وہ دکھ وہ کرب بھی چپ چاپ سہہ لیا تھا، وہ اس کی ماں کی بد مزاجی بھی کیسے صبر سے سہہ رہی تھی، اس کے باپ کی خدمت کر رہی تھی اور ایک ریناتھی جو اپنے کیرئیر میں اس قدر گم تھی کہ اس نے ارہم کے بیمار باپ کا حال تک پوچھنا گوارا نہیں کیا تھا؟

کچھ احساسات آپ کی سوچوں کے رخ بدل دیتے ہیں اور کبھی کبھی کوئی بہت اپنا آنکھوں میں کوئی دھول جھونک دیتا ہے کہ ہم پہلے سے بہتر دیکھنے لگتے ہیں سوچنے لگتے ہیں۔

ارہم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا، وہ اب رینا اور ابرش کا موازنہ کرنے لگا تھا رینا اس کی محبت تھی، ابرش سے اس کو نفرت تھی اور جس سے محبت تھی اس نے ارہم پہ اپنی شخصیت عیاں کر کے اس کے اور اپنے بیچ محبت کا اصل اور صحیح مطلب عیاں کر دیا تھا، رینا کی محبت صرف زبان کا چسکا تھی اور جس لڑکی سے اسے نفرت تھی اس لڑکی نے بھی اپنے عمل سے اسے باور کروا دیا تھا کہ کچھ رشتوں کے نام نہیں ہوتے لیکن وہ دل کی ساعت تک اتنی خاموشی سے اپنی جڑوں کو مضبوط کر دیتے ہیں کہ پھر ان کو خود سے دور کرنا ایک تکلیف بن جاتا ہے، اپنے دل سے ان رشتوں کی جڑوں کو کاٹنا ایک اذیت بن جاتا ہے، وہ بے نام سے رشتے ضرورت بن جاتے ہیں ہماری اور ہمیں خبر تک نہیں ہوتی، وہ انہی سوچوں میں مگن بیڈ سے اپنا کمبل اٹھائے اس پہ پھیلانے لگا۔

(باقی آئندہ ماہ)

☆☆☆

ماہیا

صدف آصف

اپنے ہی آشیانے کے جالی والے سیاہ لوہے کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر میرا دل لمحہ بھر کو گھبرایا، یوں لگا جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچا ہو، خود میں حوصلہ پیدا کرنے کے لئے کمر پر ہاتھ رکھ کر منہ اوپر کیا اور زور زور سے سانس لی، پھر خود کو پرسکون محسوس کیا، ایک قدم آگے بڑھایا اور گھنٹی پر انگلی رکھ دی، دو سیکنڈ تک اندر سے مسلسل بیل کی ڈنگ ڈانگ کی آواز آتی رہی، تب کہیں جا کر دروازہ کھلا، میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اندر جانے میں جلدی نہیں دکھائی، کچھ دیر بعد اندر جھانکا، سر گھما گھما کر لان کا جائزہ لیا۔

''ہائے...... رے۔'' منہ سے بے ساختہ نکلا، مایوسی سی مایوسی، ماہ کا ہنستا مسکراتا چہرہ کہیں دکھائی نہ دیا۔

''آج تو محترم فہد علی خان کی خیر نہیں۔''

ناولٹ

اس بات کا پکا یقین ہو گیا تو بالوں میں بلاوجہ ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔

''میرے مولا کرم فرمانا۔'' ایک نئے معرکے کی بو سونگھنے کے بعد میں نے آسمان کی جانب امداطلب نظروں سے دیکھا۔

ماہیا نے دروازہ کھولنے کے بعد اندر کی جانب دوڑ لگانے میں جو پھرتی دکھائی تو بندہ بشر سمجھ گیا کہ یہ دوسرے فریق کی جانب سے جنگ شروع کرنے کا اعلان ہے، میں نے سوچ کے گھوڑے دوڑانے کے بعد نتیجہ اخذ لیا۔

پوری امید تھی کہ ماہیا کا مزاج آسمان سے باتیں کر رہا ہوگا۔

''کیا ہی اچھا ہوتا جو ایک کال کر کے میڈم کو لیٹ آنے کی اطلاع دے دیتا۔'' پچھتاوا سا پچھتاوا۔

''یہ ہمیشہ پہلے کرنے والی باتیں مجھے ہمیشہ

بعد میں کیوں یاد آتی ہیں۔'' خود کو جھاڑتے ہوئے چلنا شروع کیا۔
''چلو بیٹا، پیشی بھگتنے کو تیار ہو جاؤ۔'' میں نے اپنی عقل پر ماتم کرتے ہوئے گھر میں زوردار انٹری دی۔

☆☆☆

میری زندگی میں ماہیا رفاقت بہار کے تازہ جھونکے کی طرح داخل ہوئی اور خوشبو کی طرح چہار سو پھیلتی چلی گئی، ہوا یوں کہ میں جس ادارے میں جاب کرتا تھا، اس نے اپنی پروفیشنل ڈگری لینے کے بعد وہیں انٹرن شپ کے لئے اپلائی کیا تھا تاکہ مستقبل میں کوئی اچھی ملازمت حاصل کر سکے، اتفاق سے اسے میرے ماتحت کام کرنا پڑا، وہ موتیے کی خوشبو جیسی تھی، دھیرے دھیرے اثر انداز ہونے والی، اسی لئے شروع میں تو میں نے اس پر کچھ خاص توجہ نہ دی، مگر پھر جیسے جیسے وقت گزرا اسے نظرانداز کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہونے لگا۔

اس کا چمکتا شفاف چہرہ مزاج کی سادگی اور اچھائی کا آئینہ دار تھا، ایک مہینے میں ہی ماہیا کی خوبیوں کھل کر میرے سامنے آ گئی تھیں، جانے مجھے اس سے لگاؤ ہو گیا یا پھر محبت، یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا، لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس کے پس پردہ ماہیا کا بے تحاشہ حسین ہونا نہیں بلکہ سادگی اور بھولا پن تھا، جس نے میرے اندر اپنی جڑیں دور دور تک پھیلانا شروع کر دیں، ویسے بھی کہتے ہیں کہ جو محبوب بن جائے اس کی شکل و صورت ہی نہیں، ہر ادا اثر رکھتی ہے، کیونکہ محبت تو دلوں پر اترا کرتی ہے اور ماہیا نے بھی میرے من میں گھس کر نیندیں چرا لیں۔

جیسے جیسے ماہیا کی انٹرن شپ مکمل ہونے کا وقت قریب آیا، میری بے چینی میں اضافہ ہونے لگا، خاندانی شرافت نے ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور میں چاہتے ہوئے بھی اس کے سامنے اپنا دل کا حال نہ ظاہر کر سکا، وجود میں پروان چڑھتی اس کی چاہت نے بے چین کر رکھا تھا، مگر زبان سے اظہار کرنا بہت مشکل لگا، دن تیزی سے گزرتے چلے گئے اور بالآخر رخصت کی گھڑی آ پہنچی، میرے اردگرد اداسی کی زنجیر لپٹنے لگی، وہ آفس کے دوسرے کولیگز سے بڑی خوش دلی سے مل رہی تھی، میں اپنے شیشے کی چار دیواری والے کیبن میں بیٹھا اسے ایک ٹک دیکھ رہا تھا، آخر اسے میرا خیال آ ہی گیا، وہ قدم بڑھاتی ہوئی میرے روم میں چلی آئی۔

ماہیا نے ایک کپ کافی پینے اور چند رسمی باتوں کے بعد جانے کی اجازت مانگی، میں نے سرد آہ بھری اور مسکرایا، جاتے جاتے اسے جیسے کوئی خیال آیا، ایک لفافہ میری جانب بڑھاتے ہوئے بتایا کہ اس میں میرا سی وی ہے، اس نے مجھ سے اچھی جاب کے لئے مدد مانگی اور اجازت طلب کی۔

میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا اور میں حتمی فیصلہ تک جا پہنچا، اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس کے مقابل جا کھڑا ہوا اور آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ماہیا کو اپنے گھر کی ایڈمنسٹریٹر شپ کا عہدہ تفویض کرنے کی پیش کش کر دی، وہ پہلے تو سن سی کھڑی مجھے دیکھتی رہی پھر نگاہیں چرا کر منہ پر ہاتھ رکھ کر بے ساختہ ہنستی چلی گئی، میں نے اس سے پہلے کبھی اتنی کھنک دار ہنسی نہیں سنی تھی، ایسا لگا جیسے کسی نے حسین ساز چھیڑ دیا، چمکتے ستارے میرے اردگرد رقصاں ہو گئے، ایک بڑی جاندار سی مسکراہٹ نے میرے لبوں کا احاطہ کر لیا، کچھ دیر تک اس کی ہنسی رکنے کا انتظار کیا اور ایک بار پھر سے اپنا سوال دہرایا، ماہیا نے شرما کر سر جھکا

لیا، لرزتی پلکوں نے سارے بھید عیاں کر دیے اور چاہت کا احساس ہر چیز پر حاوی ہوتا چلا گیا، اس کی جانب سے اقرار کے اشارے مجھے زندگی دے گئے۔

☆☆☆

''ماہی وے...... کہاں ہو؟'' لاؤنج میں گھستے ہی میں عادتاً گنگنایا۔

''جی ادھر کچن میں ہوں۔'' خلاف توقع دور سے بڑے مناسب انداز میں جواب آیا، دل کو تھوڑا حوصلہ ملا۔

''جان جی ہر وقت کیا کاموں میں مصروف رہتی ہو، تھوڑا آرام بھی کیا کرو۔'' میں نے صوفے پر براجمان ہونے کے بعد ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ایک اور ڈائیلاگ مارا۔

''کیا ہوا کیوں چلا رہے ہیں، کوئی کام ہے؟'' جواب میں تجاہل عارفانہ سے کام لیا گیا۔

''میرے من کے چین، ذرا چہرہ تو کراؤ۔'' آخر ایک شریف شوہر ہونے کا دس سالہ تجربہ تھا، ایسے ٹپس تو جیب میں رکھنے پڑتے ہیں۔

''کیوں پورے دن میرے بغیر تو بڑا چین رہا۔'' ایک کرارا سا جواب دور سے آیا، وہ خود بھی دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی باہر آگئی۔

''نہیں یار آفس سے واپسی پر جب تک تمہارا مکھڑا نہ دیکھ نہ لوں، من کو قرار نہیں ملتا۔'' میں نے ایک اور گھسا پٹا ڈائیلاگ بولا۔

''اچھا دیکھ لیا نا اب جاؤں۔'' اس نے گلابی ہونٹوں کو بھینچ کر طنز فرمایا۔

''آں کیا مطلب؟'' میں اس کے اکھڑے تیور دیکھ کر گڑبڑایا۔

''مجھے بہت سارے دوسرے کام بھی کرنے ہیں۔'' اس کے تیکھے نقوش پر تیکھا لہجہ بڑا سوٹ کرتا تھا۔

''تمہیں پتا ہے کہ تم غصے میں اور بھی حسین لگتی ہو۔'' میں نے مزید مکھن پالش کی۔

''اچھا سچ مچ؟ مجال ہے جو پھسلی ہو۔'' الٹا مذاق اڑایا گیا۔

''سوری یار میں ذرا لیٹ ہو گیا۔'' اس جلتی آگ میں کودنے کا فیصلہ میرا اپنا تھا، تاکہ معاملہ آر پار ہو جائے۔

''کوئی نئی بات نہیں۔'' وہ تیکھی مرچ کی طرح سرخ ہو گئی۔

''سوری بابا کل جلدی آؤں گا پکا۔'' میں نے کانوں کو چھوتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر مصلحت آمیز لہجہ اپنایا۔

''ویسے اتنی دیر کیوں ہوئی؟'' ماہیا نے میرے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

''بس یار وہ ایک میٹنگ میں پھنس گیا تھا۔'' اس کے پرسکون انداز پر میرے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجی پھر بھی بہانہ تو بنانا تھا۔

''پتا ہے نا کہ سردیاں شروع ہونے والی ہیں۔'' اس نے مجھے ایسے گھورا جیسے اس میں بھی میرا قصور ہو۔

''ہاں ہاں میں نے کب انکار کیا؟'' میں نے گھبرا کر سر ہلایا۔

''آپ سے کہا تھا نا، مجھے کچھ گرم کپڑے لینے مارکیٹ جانا ہے۔'' وہ ایک استانی کا روپ دھارے میری یادداشت کا امتحان لینے پر تل گئی۔

''کیا کروں جس دن جلدی گھر آنے کا سوچتا ہوں اسی دن باس کو سارے کام یاد آجاتے ہیں۔'' عجلت میں ایک اور بہانہ بنایا۔

''اچھا؟'' اس نے کھلے بالوں کو ہاتھوں سے جوڑے کی شکل دیتے ہوئے میری برداشت کا امتحان لیا۔

''قسم سے۔'' میں نے اٹھ کر پیار سے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا، مگر وہ چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر دور ہوئی۔

''اچھا آپ جا کر فریش ہو جائیں، میں کھانا لگاتی ہوں۔'' دور ہوتے ہوئے اس کا لہجہ کچھ روکھا کچھ اجنبی سا ہو گیا۔

''آں ابھی کچھ بھوک نہیں لگ رہی ہے۔'' کھانے کے نام پر دل ڈوبا، میں نے جلدی سے اسے کچن میں جانے سے روکا۔

''اچھا وہ کیوں؟'' اس نے آنکھیں پٹپٹا کر معصومیت کی انتہا کر دی۔

''وہ بس دل نہیں چاہ رہا۔'' اسے کیسے بتاتا کہ ماں جی نے ٹھنسا ٹھنسا کر کھلایا ہے، اب تو کھانا حلق تک پہنچ گیا تھا۔

''دل نہیں چاہ رہا ہے، یا پیٹ پوجا کر لی گئی ہے۔'' ماہیا کمر پر ہاتھ رکھ کر خطرناک انداز میں مسکرائی۔

''آں نہیں تو؟'' جھوٹ بولتے ہوئے میں چور سا ہو گیا۔

''اچھا تو کیا آپ عباد بھائی کے یہاں سے نہیں آرہے؟'' وہ ایک دم یوں مسکرائی جیسے مجھے رنگے ہاتھوں پکڑا ہو۔

''نہیں بالکل نہیں۔'' میں نے گھبرا کر جلدی سے نفی میں سر ہلایا، جھوٹ بولنا بڑا مشکل امر تھا۔

''اچھا تو پھر وہ آپ کا ڈپلی کیٹ ہو گا جو اپنا لنچ باکس وہیں بھول آیا ہے۔'' اس نے مسکرا کر مزہ لیتے ہوئے اطلاع دی۔

''لنچ باکس اوہ۔'' مجھے ایسا لگا جیسے سردیوں میں کسی نے سرد پانی مجھ پر انڈیل دیا ہو۔

''ہاں سمیرا بھابھی نے مجھے جلانے بھنانے کو خاص طور پر کال کر کے یہ خبر دی ہے۔'' ماہیا کا انداز شکست خوردہ سا اور لہجہ نم ہو چلا۔

''اف یہ بھابھی کی وجہ سے نہ جانے میری زندگی کی کشتی کو کتنے طوفانوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' میں نے شرمندگی سے نگاہیں چرائیں۔

☆☆☆

صبح آفس پہنچنے کے بعد ایک گھنٹے تک مجھے اچھی طرح سے یاد تھا کہ ماہیا کو شاپنگ پر لے کر جانا ہے، اس لئے جلدی گھر پہنچنے کی خاطر تیزی سے کام نبٹایا، مگر شام ہونے تک اس کی ہدایت فراموش کر بیٹھا یا شاید بیوی کی فرمائش پر ماں کی محبت غالب آگئی، آفس میں سالانہ کلوزنگ چل رہی تھی، ہم سب کام کے بوجھ تلے دبے کراہ رہے تھے، اسی وجہ سے میں بھی ماں جی سے ملنے نہیں جا پا رہا تھا، وہ بھی میری ماں ہیں، پورے دو ہفتے صبر کا دامن تھامے رکھا، اس کے بعد فون پر مجھے وہ وہ سنائیں کہ ہوش ٹھکانے آگئے، اسی لئے شام ہونے تک فرمانبردار بچے کی طرح گاڑی کا رخ خود بخود اس کوچے کی جانب موڑ لیا، جہاں میرا بڑا بھائی عباد علی رہائش پذیر تھا۔

''بڑے بے آبرو ہو کر ہم جس کوچہ سے نکلے تھے، وہیں اب بیگم کے ڈر سے چھپ چھپ کر جانا پڑتا تھا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

اندر قدم رکھا تو ماں جی مجھے دیکھ کر کھل اٹھیں، پہلے تو خوب لاڈ اٹھائے گئے، اس کے بعد انہوں نے سمیرا بھابھی کی ایماء پر وہ ہی ذکر نکالا، جس سے مجھے اب چڑ سی ہونے لگی تھی، کچھ دیر تک کئی بار کی دہرائی گئی کہانی کو ایک بار پھر تحمل سے سنا اور نفی میں سر ہلا دیا، سمیرا بھابھی منہ بنا کر وہاں سے اٹھ گئیں، ماں جی کے کچا چبانے والے تیوروں سے بچنے کے لئے میں نے وہاں سے اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

گاڑی کو گھر کے راستے پر ڈالا، شومئی قسمت

کہ گلی کے نکڑ پر ایک پرانا دوست مل گیا جو شادی سے پہلے یار غار کہلاتا تھا، مگر اب اس سے مہینوں ملاقات نہیں ہو پاتی انور شکیل نے جوش و خروش سے ہاتھ ملا کر مجھے رکنے کا اشارہ دیا، دل اتنا اداس ہو رہا تھا کہ اس کی سنگت میں کچھ وقت گزارنے کا سوچا۔

''جہاں ستیاناس وہیں سوا ستیاناس'' کے مصداق میں نے مروتاً گاڑی روک دی، ٹھنڈی سانس کھینچ کر گھڑی پر نگاہ دوڑائی، دیر تو ہو ہی چکی تھی، اس کے بعد چوک پر موجود پان والے کی شاپ پر کھڑے ہو کر پرانی یادوں کو تازہ کرنے میں ایسی لذت ملی جو منہ میں گھلے میٹھے پان میں بھی نہ تھی۔

انور شکیل کے من کو جب تک ملک کے سیاست دانوں کے بخیے ادھیڑے سے سیرابی حاصل نہیں ہوئی، اس وقت تک اس نے میرا پیچھا نہ چھوڑا رات نو بجے جب میں گھر پہنچا تو مجھ سے پہلے نصف بہتر تک میرے چرچے پہنچ چکے تھے، بھابھی کی مستعدی کو سلام پیش کرتا ہوا میں شرمندہ شرمندہ سا واش روم میں گھس گیا، ماہیا کی شکایتی نظریں دور تک میرا پیچھا کرتی رہیں۔

☆☆☆

اس سے قبل مجھے اپنی زندگی بے مقصد سی لگتی تھی مگر اب جیسے ماہیا کا حصول خوشی کا سبب بن گیا، میں نے والدین کو اس کے بارے میں بتایا تو ان کی جانب سے کوئی خاص اعتراض سامنے نہیں آیا، میں نے بھی ماہیا کو کال کر کے گرین سگنل دے دیا، مگر قسمت دیکھیے سہرے کے پھول کھلتے کھلتے رہ گئے، ماں جی کو اچانک جانے کیا سوجھی کہ انہوں نے شادی سے پہلے ایک کڑی شرط رکھ دی اور میں نے سچ مچ اپنا سر پیٹ لیا۔

ریٹائرمنٹ کے بعد جب بڑے بھائی عباد علی اور بھابھی نے بہلا پھسلا کر مختلف اوقات میں بابو جی کو ملنے والے فنڈ کا سارا پیسہ بٹور لیا تو اس طرح سے آنکھیں پھیر لیں کہ طوطا بھی شرما جائے، لمحے بھر کو تو ہم تینوں سناٹے میں رہ گئے، اس کے بعد شروع ہوئی روز روز کی چخ چخ، بمیرا بھابھی کو نت نئے وہم ستانے لگے، بابو جی اور ماں جی کے روزانہ ایک گلاس دودھ پینے پر اعتراض، میرے وقت بے وقت چائے پینے پر ایک لمبا لیکچر کھانے پینے میں تنگی شروع ہو گئی کیونکہ بقول بھابھی مہنگائی نے ان کے بجٹ کو آؤٹ کر دیا ہے، اب ہماری ہر بات پر اعتراض کیا جاتا، ماں جی اور ان کی بہو میں روایتی جنگ ٹھن گئی۔

اگر ماں جی اپنے شوہر کے واجبات کا حساب مانگتی تو بھابھی برملا کہتی کہ عباد بھائی نے اپنی تنخواہ کا زیادہ حصہ میری تعلیم پر خرچ کیا تھا اس لئے حساب برابر، بھائی بھی بیوی کے ہاتھوں مجبور تھے، بھابھی کے آئے دن کے طعنوں تشنوں سے بچنے کے لئے بالآخر بابو جی نے الگ رہائش اختیار کرنے کا سوچ لیا، جیسے ہی میری ایک بڑے اچھے ادارے میں جاب لگی، ہم نے کرائے کا گھر ڈھونڈنا شروع کر دیا اور جلد ہی وہاں سے شفٹ ہو گئے، ساری عمر کرائے کے گھروں کا تلخ ذائقہ چکھنے کے بعد بڑھاپے کی بے گھری ماں جی کے دل میں تیر کی طرح جا لگی، اسی لئے حفظ ماتقدم کے طور پر انہوں نے میری شادی سے قبل اپنا مکان خریدنے کی شرط لاگو کر دی اور میرے ہوش اڑ گئے۔

اس وقت ماہیا مجھے اپنی زندگی سے ہمیشہ کے لئے دور جاتی کیا محسوس ہوئی گویا دل نیچے بہت نیچے کی طرف جاتا محسوس ہوا، میں اچھی طرح سے جانتا تھا کہ جس حساب سے مہنگائی

آسمان سے باتیں کر رہی ہے، میں آئندہ دس سالوں تک بھی ذاتی مکان بنانے کا اہل نہیں ہو سکتا تھا، میں نے یاسیت سے اسے ساری بات بتا دی، ایسے وقت میں ماہیا نے میرا حوصلہ بڑھایا اور رسانیت سے سمجھایا، یوں میرے نئی اندر توانائیاں بھر گئیں۔

بڑی تگ و دو کے بعد پیسے جمع ہوئے مہر ماہ نے کمیٹی لگائی کچھ آفس سے لون لیا اور پھر میں اس قابل ہو سکا کہ بہت دیکھ بھال کر ایک نئی ہاؤسنگ اسکیم میں سستے داموں میں مناسب سا پلاٹ خریدا، اب دوسرا مرحلہ اس زمین پر مکان کی تعمیر کا تھا، میرے تو دونوں ہاتھ خالی ہو چکے تھے، ایسے وقت میں بابو جی مرحوم میرے کام آئے، انہوں نے کسی بتائے بغیر فنڈ کا ایک حصہ میرے لئے چھپا کر رکھ دیا تھا، خاموشی سے وہ ہی خطیر رقم لا کر میرے حوالے کر دی، میں نے خوشی خوشی مکان کی تعمیر کا کام شروع کر دیا اور چھ ماہ میں ہمارا کشادہ اور آرام دہ آشیانہ بن کر تیار ہو گیا، چونکہ ماں جی کا اپنے گھر والا ارمان پورا ہو گیا تو انہوں نے بہو لانے میں دیر کرنا مناسب نہ سمجھا اور ایک حسین شام قریبی رشتے داروں کی موجودگی میں ماہیا کو نازک سی سونے کی انگوٹھی پہنا کر اس پر اپنے نام کی مہر لگا دی۔

☆☆☆

''میاں بیوی کا رشتہ ہی ایسا ہے جو فکر کرو تو مشکل نہ کرو تو شکوہ شکایات کی بھر مار۔'' غصے میں کافی دیر لان میں گزارنے کے بعد جب میں کمرے میں لوٹا تو وہ بھی ناراض ناراض سی آسمانی کمبل اوڑھے سوتے میں بہت پیاری لگ رہی تھی، میں پلٹنے لگا پھر رک گیا۔

''یہ میری ہے۔'' میں نے ٹھٹک کر دیکھا چہرے کا گلابی پن اور ناک کے تیکھے پن نے میرے وجود میں محبت بھر دی۔

''صرف میری۔'' ماہیا کی موجودگی کا اپنائیت بھرا احساس میرے غصے پر حاوی ہونے لگا، اس کی چمکتی نوز پن کو استحقاق سے چھوا۔

''ماہی وے۔'' میں نے اس کے کانوں کے نزدیک ہو کر دھیرے سے گنگنایا۔

وہ سوتے میں کسمسائی اور کروٹ بدل کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا، میں نے اس کے آرام میں خلل ڈالنے کا ارادہ ملتوی کیا، ایک ہاتھ سے اس کا کمبل ٹھیک کرنے کے بعد دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں دبی ہوئی موتیے کی کلیوں کو تکیے کے نیچے رکھ دیا اور دور ہٹ گیا۔

ماہیا کی نیند کا خیال کرتے ہوئے، بنا آواز پیدا کیے الماری کا پٹ کھولنے کے بعد چادر نکالی، بیڈ کی دوسری طرف جا کر دھیرے سے تکیہ اٹھایا اور آرام دہ صوفے پر جا کر لیٹ گیا، نیند سے بے حال تھکی ہوئی آنکھیں کب بند ہوئی پتا ہی نہ چلا، رات کا جانے کون سا پہر تھا، جب سوتے سوتے اچانک موتیا کی بھینی بھینی خوشبو میرے چارسو پھیل گئی، آنکھ کھلی تو وہ مجھ پر جھکی ہوئی تھی، ماہیا کی آنکھوں سے نکلتی محبت کی روشنی نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا، تھوڑی دیر بعد اس کی گہری جھیل جیسی آنکھیں نمکین پانی میں ڈوبتی چلی گئیں، میرا دل بے قرار ہونے لگا، اٹھ کر بیٹھ گیا اور گھسیٹ کر اسے بھی اپنے پہلو میں بٹھا لیا، اچانک ہم دونوں کے بیچ چھائی سرد مہری ختم ہوتی چلی گئی اور وہ میرے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''اتنی رات کو یہ رونے کا شوق کیوں پورا کیا جا رہا ہے؟'' میں نے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اسے چھیڑا، مگر جواب نہ آیا، تاہم گرم گرم آنسو کے قطرے میرے وجود میں جذب ہوتے

چلے گئے۔

☆☆☆

ہماری شادی کا پروگرام حالات کی نزاکت سمجھتے ہوئے سادگی سے رکھا گیا، یوں دو مہینے بعد ہی وہ میری دلہن بن کر میرے گھر جس کا نام ہم نے آشیانہ رکھا تھا، چلی آئی عباد بھائی اور بھابھی سمیرا نے بھی دکھاوے کے طور پر شادی میں شرکت کی، انہیں جیسے ہی اس بات کی خبر ہوئی کہ میں نے اپنا ذاتی مکان بنالیا ہے تو حق دق رہ گئیں، عباد بھائی بہت اچھی پوسٹ پر کام کر رہے تھے اس کے باوجود بھابھی کی شاہ خرچیوں کی وجہ سے وہ لوگ اب تک کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔

''چھوٹے خوش رہو۔'' بھائی نے نم آنکھوں سے میرا کاندھا تھپتھپایا۔

''کیا ہوا بھائی؟'' میں جو پودوں کو پانی دے رہا تھا حیرت سے پوچھا۔

''تمہاری وجہ سے ماں جی اور بابو جی کو اپنے گھر کا سکھ دیکھنا نصیب ہوا ہے۔'' انہوں نے چاروں طرف سراہتی نگاہوں سے جائزہ لینے کے بعد کہا۔

''بھائی یہ آپ کا بھی گھر ہے، اگر چاہیں تو یہاں آجائیں۔'' میری بات مکمل ہونے سے قبل انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''اگر تم ہمارے والدین کا بڑھاپے میں سکون دیکھنا چاہتے ہو تو بھولے سے بھی یہ بات منہ سے نہ نکالنا۔'' پہلی بار انہوں نے بھابھی کے خلاف زبان کھولی تھی اور میں حیرت زدہ سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

میں نے شادی کے بعد آفس سے ایک مہینے کی چھٹی لے لی مگر ماہیا کو کہیں دور گھومنے پھرنے لے جانے کی استطاعت نہ تھی، اس نے بھی کسی طرح کی ضد نہ پکڑی پھر بھی میں اکثر اسے شام کو کہیں نہ کہیں گھمانے پھرانے لے جاتا، چھولے آلو چاٹ گول گپے اور ایک کولڈ ڈرنک پینے کے بعد بھی وہ ہنستی مسکراتی رہتی، کبھی کوئی شکوہ شکایت اس کے لبوں تک نہ آیا، اسی لئے ہم دونوں ایک دوسرے کی سنگت میں بہت خوش تھے، بابو جی اتنی اچھی اور سعادت مند لڑکی ڈھونڈنے پر جب بھی چشمے کی اوٹ سے مجھے دیکھ کر مصنوعی حیرانگی کا اظہار کرتے تو میری ہنسی چھوٹ جاتی تھی، بقول ان کے میں نے زندگی میں پہلی بار کوئی ڈھنگ کا کام کیا تھا۔

میں اسے پیار سے ماہی وے پکارتا تو وہ مجھے گھورنے لگ جاتی، اس کی عادتیں کچھ منفرد سی تھیں، اسے عام لڑکیوں کی طرح کپڑے اور جوتے چپل خریدنے کا شوق نہ تھا، مگر اپنے گھر کو سجانے سنوارنے کا جنون اس پر ہر وقت سوار رہتا، اس کے لئے وہ تگ و دو بھی خود ہی کرتی، چھوٹی چھوٹی بچتوں سے کچھ نہ کچھ خرید کر لاتی رہتی، مٹی کی صراحیاں خرید کر انہیں مختلف رنگوں سے رنگنے کے بعد ان میں پھول سجا کر ڈرائنگ روم کی آرائش کی، ردی پیپر والوں سے رنگین بوتلیں خرید کر ان میں منی پلانٹ سجا کر دیواروں کی سجاوٹ کا کام کیا، میں اس کی صلاحیتوں کا دن بہ دن معترف ہوتا جارہا تھا، کبھی کبھی مجھے لگتا کہ میں اس کی اچھائیوں کا قرض ادا ہوتا جارہا ہوں اور کبھی کبھی مجھے اپنے دل میں اس کی بے پایاں محبت کے ابلتے دریا پر بند باندھنا مشکل ہو جاتا تھا۔

☆☆☆

''جانے کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے؟'' ماہیا کے دل کا بوجھ رونے سے ہلکا ہوا تو اس نے اپنی

چھوٹی سی سرخ پڑتی ناک کو پونچھتے ہوئے دھیرے سے خود کلامی کی۔

''کیسا ماہی جان؟'' میں نے لہجے میں پیار سمو کر استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

''کہ آپ میری پوری زندگی ہیں اور شاید۔'' اس کا لہجہ پرسوچ کھویا کھویا سا تھا۔

''یہ ہمارے بیچ میں شاید کیوں آ گیا؟'' مجھے ہمیشہ اس کے نامکمل جملوں سے الجھن ہوتی تھی۔

''اور شاید میں آپ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی نہیں۔'' اس کی گہری نظروں نے مجھے اپنے حصار میں لیا۔

''ایسی فضول بات تمہارے منہ سے کیسے نکلی؟'' ماہیا کے شک پر میں تڑپ اٹھا، اسے بازو سے پکڑ کر اپنی جانب گھسیٹا۔

''ایسی ہی بات ہے۔'' وہ مجھے دھکیل کر دور کرتے ہوئے ضدی لہجے میں بولی، میں نے انکار میں سر ہلایا۔

''آپ کو اب میرا اتنا سا بھی خیال نہیں رہا۔'' آنسو تواتر سے اس کی حسین آنکھوں سے گر رہے تھے۔

''یار چپ ہو جاؤ تمہیں پتا ہے نا کہ میں تمہیں روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔'' میں نے اس کے خوشنما سر کو تھوڑی سی کوشش سے اپنے سینے پر ٹکا دیا۔

''پھر بھی رلاتے ہیں، آنسو بہانے پر مجبور کرتے ہیں۔'' وہ منمنائی تو میرے لبوں کو ہلکی سی مسکراہٹ چھوگئی۔

''اچھا، مجھے خبر ہی نہیں ہوئی کہ اس چھوٹے سے دل میں اتنے شکوے بھر گئے ہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے اس کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیرا۔

''فہد علی میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔'' ماہ نے چبا چبا کر جملہ ادا کیا۔

''ماہی وے تم بھیگی پلکوں کے ساتھ بہت پیاری لگتی ہو اس لئے میں تمہیں رلا کر خوش ہوتا ہوں۔'' میں نے ایک آنکھ بند کی کی۔

''اچھا اسی لئے ہجر کی طویل کالی راتوں کو میرا مقدر بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔'' منہ سے شکوہ پھسل گیا، اس کے وجود کی لرزش محسوس کی جانے والی تھی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو جاناں۔'' مجھے فوراً ہی احساس ہوا کہ وہ کیا جتانا چاہ رہی ہے دل بوجھل ہو گیا۔

''کیوں اس میں کچھ جھوٹ ہے؟'' اس نے مجھے چیلنج کیا۔

''ہاں بالکل کیونکہ میں تم سے جدا ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔'' میں نے اس کے گرد اپنی بانہوں کا گھیرا ڈال کر تسلی دی، اس کا لرزتا وجود پرسکون ہوتا چلا گیا۔

☆☆☆

ماہیا کی وجہ سے گھر کا ماحول پرسکون رہنے لگا، وہ میرے والدین کی من چاہی بہو ہونے کی سند پا چکی تھی، ماں جی جب بھی سمیرا بھابھی کے سامنے ماہیا کی بڑھا چڑھا کر تعریف کرتی تو بھابھی کا چہرہ تاریکی میں ڈوب جاتا تھا، اس نے ماں جی اور بابو جی کی خدمت کرنے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی، مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ ماہیا کی آمد کے بعد سے میرا اینٹوں سے بنا مکان گھر بن گیا، جسے ہم چاروں اپنی جنت قرار دیتے تھے مگر شادی کے پانچ سالوں بعد سب کچھ بدل گیا، پہلے بابو جی ہمیں چھوڑ کر دنیا سے چلے گئے، یہ ایسا صدمہ تھا جس نے مجھے وقتی طور پر دنیا سے بیگانہ کر دیا، میں دن کا زیادہ وقت بابو جی کی قبر پر

جا کر گزارنے لگا، مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ اچانک سمیرا بھابھی کا عمل دخل ہمارے گھر میں بہت بڑھ گیا، خاص طور پر وہ ماں جی سے جانے کون سے راز و نیاز میں مصروف رہتی، ماہیا نے دبے دبے لہجے میں مجھے کچھ بتانا چاہا مگر ماں جی جس کیفیت سے گزر رہی تھیں ان سے کچھ کہنا بے کار تھا، بابو جی کے بعد وہ بہت زود رنج ہو چکی تھیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر رونے بیٹھ جاتی تھیں، میں بہت ساری بے جا باتوں کو بھی برداشت کرتا چلا گیا اور شاید یہ میری ہی غلطی تھی، ہمارے آشیانے کو بیچ بچ میں نظر لگ گئی، سب کچھ بکھر کر رہ گیا، تنکا تنکا الگ ہونے لگا، اجنبیت اور کھنچے کھنچے رہنے کا عمل اس دن انجام کو پہنچا، جب ماں جی بھابھی کے سکھائے میں آ کر مجھ سے ناراض ہو کر عباد بھائی کے گھر شفٹ ہو گئیں، انہوں نے ایک ایسی ضد باندھ لی تھی جس کا پورا کرنا میرے اختیار سے باہر تھا۔

☆☆☆

''آپ کو میری بے عزتی کر کے چین مل گیا۔'' اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی تلخی سے کہا۔

''اس میں بے عزتی کی کون سی بات ہے یار۔'' میں نے جان کر انجان بنتے ہوئے گاڑی مین روڈ پر ڈالی۔

''آپ میرے درد کو کبھی نہیں سمجھ سکتے۔'' وہ اذیت سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟'' میں نے گیئر لگاتے ہوئے مڑ کر اسے دیکھا۔

''اس لئے کہ ادھورے پن کا یہ درد سہنا میرے نصیب میں لکھا جا چکا ہے۔'' وہ بلبلا کر بولی۔

''ناامیدی کفر ہے۔'' میں نے ایک دم اسے ٹوکا۔

''سچائی سے بھلا کب تک بھاگا جا سکتا ہے۔'' وہ خود ترسی کی انتہاؤں تک جا پہنچی۔

''ماہیا کیا میری چاہت بھی تمہارے اندر کے ادھورے پن کو پاٹنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے؟'' میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ چھو کر پوچھا۔

''مجھے پتا ہے کہ آپ یہاں دوڑ دوڑ کر کیوں آتے ہیں؟'' مزاج کے برخلاف وہ ایک دم منفی ہو گئی شاید میری بات پر غور نہیں کیا۔

''اب تم اس معاملے میں بھی شک کرو گی۔'' اسے کنٹرول کرنے کے لئے میں نے روکھا لہجہ اپنایا۔

''دیکھیے گا کہ یہ لوگ آپ کی دوسری شادی کروا کے دم لیں گے۔'' وہ بولتے بولتے رک کر میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''ایسا نہیں ہوگا میں ہوں نا۔'' میں نے ونڈ اسکرین پر نگاہیں جما کر کہا۔

''آپ......آپ ہیں کہاں؟'' وہ ہسٹریائی انداز میں چلائی، اسٹیئرنگ پر رکھے میرے ہاتھ ڈگمگائے۔

''ماہیا یہاں۔'' میں نے لاشعوری طور پر گاڑی کی اسپیڈ کم کرتے ہوئے اس کے دل کی جانب انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔

''ایسا لگتا ہے کہ ہم دونوں بہت جلد ایک دوسرے سے دور ہونے والے ہیں۔'' اس کا ایک نیا اندیشہ زباں تک آ گیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے جاناں۔'' میں نے ایک ہاتھ سے اس کی ہتھیلی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے پرزور تردید کی۔

''نہیں فہد علی آپ کی تسلیاں دلاسے اور محبتیں اس وقت کہیں گم ہو جائیں گے۔'' اس نے اداسی کا پیکر بن کر عادتاً ادھوری بات چھوڑ دی۔

"کس وقت، میری زندگی؟" میں نے اس کی نرم ہتھیلی کو دل سے لگایا اور مزے سے پوچھا۔

"جب ماں جی کی خواہش شدت اختیار کر جائے گی۔" اس نے تڑپ کر ہاتھ چھڑایا اور نم لہجے میں کہا۔

"ماہی بس کر دو یار ہر وقت ایک ہی ذکر چھیڑ کر کیوں اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی اذیت میں مبتلا کرتی ہو۔" میں چیخ پڑا۔

جانتا تھا کہ ایسی باتوں کے بعد وہ ڈپریشن کا شکار ہو جائے گی اور پھر کئی دنوں تک مجھ سے بات نہیں کرے گی، کھانا پینا کم ہو جائے گا اور چپ چاپ بیٹھی خلاؤں میں گھورنا اس کا پسندیدہ مشغلہ بن جائے گا۔

ماہیا کی ایسی حالت دیکھ کر میں نئے سرے سے احساس جرم کا شکار ہونے لگتا ہوں کہ ایک ہنسی مسکراتی لڑکی کا کیا حال ہو گیا ہے۔

"اوکے اب کچھ نہیں بولو گی، کبھی بھی نہیں۔" اس نے میری ڈانٹ کا خاصہ برا مانا، آواز میں غصہ کے ساتھ دکھ بھی جھلک رہا تھا، میں نے نوٹس نہیں لیا تو وہ منہ موڑ کر کھڑکی سے باہر کے نظاروں میں محو ہو گئی۔

☆☆☆

ماہیا اور ماں جی کے بیچ ان دیکھے فاصلے بڑھتے چلے جا رہے تھے اور میں مظلوم دو ٹکڑوں میں بٹ کر رہ گیا، ماں جی کی سنتا تو ماہیا کے ساتھ زیادتی ہو جاتی، اگر بیوی کی طرفداری کرتا تو ماں کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا، ایک کشمکش میں گرفتار رہتا، دفتر میں بھی میری کارکردگی پر فرق پڑنے لگا تو وارننگ ملنے لگی، اس اذیت سے بچ نکلنے کے لئے میں ایک دن اسے ضد کر کے عباد بھائی کی طرف لے گیا، تاکہ تعلقات میں بہتری پیدا ہو، مگر سمیرا بھابھی کی ایماء پر ماں جی نے ماہیا سے بات نہ کی بلکہ پورے وقت ناگواری سے منہ پھلائے رکھا، جانے وہ اس کی فرمانبرداری اور ساری خدمتوں کو کیسے بھلا بیٹھی تھیں، ان پر بس ایک جنون سوار تھا، جس کو بڑھاوا دینے میں سمیرا بھابھی کا پورا پورا ہاتھ تھا، میں بری طرح سے مایوس ہو کر اٹھ گیا اور میرے پیچھے سر جھکائے مغموم سی ماہیا بھی، واپسی کے لئے گاڑی میں بیٹھتے ہی اس کی اور میری ایک زوردار جھڑپ ہوئی اور وہ ایک بار پھر روٹھ گئی، ویسے بھی آج کل ہم دونوں کے بیچ دوستی کم اور لڑائی زیادہ رہتی تھی۔

ماہیا بہت دنوں بعد اپنے میکے گئی ہوئی تھی، میں نے آزادی کا فائدہ اٹھا کر ٹی وی پر میچ لگا دیا اور ایک کپ چائے بنا کر صوفے پر بیٹھ گیا، شامت اعمال کہ سمیرا بھابھی ماں جی کے ساتھ اتفاق سے آ گئیں، اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد ماہیا کے بارے میں پوچھا اور جب انہیں یہ پتا چلا کہ وہ گھر پر نہیں ہے تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ایک بار پھر میری دوسری شادی جیسے حساس موضوع کو زیر بحث لے آئیں، انہوں نے جب اپنی منتخب کردہ لڑکی کا نام بتایا تو میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"بھابھی آپ لوگ کچھ بھی کہیں، مگر میں دوسری شادی نہیں کروں گا۔" میں نے سمیرا بھابھی کو تلخی سے جواب دیا۔

"دیکھو فہد سمجھنے کی کوشش کرو، میری چھوٹی بہن بہت اچھی ہے۔" انہوں نے کچھ سوچ کر نرمی سے کہا۔

"آپ کی بہن، اس کا بھلا یہاں کیا ذکر ہے؟" میں نے گڑبڑا کر انہیں دیکھا۔

"بیٹا سمیرا کی بہن نمرا بہت پیاری بچی ہے، بدقسمتی سے وہ ایک سال پہلے بیوہ ہو گئی تھی۔" ماں

جی نے بات شروع کی۔
''مجھے پتا ہے تو پھر۔'' میں کچھ تو سمجھ گیا تھا، پھر بھی ان کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔
''دیکھو سمیرا چاہتی ہے کہ تمہاری اور نمرا کی شادی کروادی جائے۔'' ماں جی نے رک رک کر بات مکمل کی۔
''اوہ تو بھابھی کی ہمدریوں کے پیچھے یہ غرض چھپی ہوئی تھی۔'' میرا دل کراہا۔
''ہاں تو پھر تم نے کیا سوچا؟'' بھابھی نے مجھے کھویا کھویا دیکھا تو اپنا سوال دہرایا۔
''اچھا ٹھیک ہے، مجھے اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں۔'' میں نے مسکراتی نظروں سے بھابھی اور ماں کو دیکھا۔
''واقعی، واہ فہد تم نے تو میرا دل جیت لیا۔'' سمیرا بھابھی خوشی سے ناچنے والی ہوگئیں۔
''میں نہ کہتی تھی بہو، کہ میرا چھوٹا مجھے کبھی مایوس نہیں کرے گا۔'' ماں جی کے لہجے میں بھی کھنک آگئی۔
''ایک منٹ ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی۔'' میں نے ان کے رنگ میں بھنگ ڈالا۔
''کیا مطلب؟'' وہ دونوں بیک وقت دیکھنے لگیں۔
''یہ بتائیں کہ کیا بھابھی مجھے اس بات کی گارنٹی دے سکتی ہیں کہ ان کی بہن سے شادی کے بعد میں باپ بن جاؤں گا۔'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔
''اے لڑکے کیا بک رہا ہے؟'' ماں جی ایک دم ششدر ہو کر چلائیں۔
''فہد اس بات کی گارنٹی بھلا کون دے سکتا ہے، یہ کام تو اللہ کے ہیں۔'' سمیرا بھابھی نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔
''یہی تو میں سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ اگر تقدیر کے فیصلے نہیں بدلے جاسکتے تو پھر جب اللہ کو منظور ہوگا وہ ہمیں ضرور اولاد دے گا۔'' میں نے رسانیت سے سمجھایا۔
''ہاں تو، اللہ نے سعی کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔'' ماں جی نے دبی آواز میں کہا۔
''دیکھیں میں ماہیا کا علاج کروا رہا ہوں، ڈاکٹر نے بھی بہت امید بھی دلائی ہے تو پھر اتنی بے صبری کیوں؟'' میں نے صاف لہجے میں بتایا۔
''تو میاں تمہاری نگاہوں میں ہماری کوئی اہمیت نہیں۔'' وہ گرجیں۔
''پلیز اپنی اہمیت کو اس بات سے نہ ملائیں۔'' میں نے ماں کو سمجھانا چاہا۔
''بیوی کی محبت میں تم یہ بھی بھول گئے ہو کہ اولاد ہی انسان کے بڑھاپے کا سہارا بنتی ہے ایسا نہ ہو کہ انتظار کرتے کرتے وقت ہاتھ سے نکل جائے۔''
''ماں جی آپ ہی تو کہتی ہیں کہ نا امیدی کفر ہے۔'' میں نے ان کا بچپن سے پڑھایا ہوا سبق دہرایا تو وہ دم بخود رہ گئیں۔
''چلو بڑی بہو، یہ خود بہت بڑے علامہ ہو چکے ہیں، اب ان سے بحث بے کار ہے۔'' انہوں نے طیش میں کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور سمیرا بھابھی کے ساتھ بیرونی دروازے کی طرف چل دیں، میں پیچھے سے پکارتا رہ گیا، میرے سینے میں درد کا طوفان مچلنے لگا۔

☆☆☆

اس نے کھڑکی کی سبز جالیوں پر اپنے سفید ہاتھ ٹکا کر باہر جھانکا، باہر بارش کی ہلکی سی ٹپ ٹپ دل کو مزید اداس کر گئی۔
''ہیلو۔'' مڑ کر میری جانب تشکیک بھری نظروں سے دیکھ کر کاندھا ہلایا۔

''کیا ہوا ماہی وے؟'' میں نے چونکتے ہوئے دلنواز مسکراہٹ اس کی خدمت میں پیش کی۔
''پریشان ہوں کہ آپ نہ جانے کس کے خیالوں میں کھوئے رہتے ہیں۔'' ماہیا نے دبی دبی چوٹ کی تو میں سنبھل کر سیدھا ہوا۔
''میری سوچ کے تو سارے دریچے تم پروا ہو کر تم پر ہی بند ہوتے ہیں۔'' میں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے ہنس کر چھیڑنا چاہا۔
''بس مزید فلمی ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے ہتھیلی پھیلا کر مجھے روکا۔
''اچھا تم جیسی ظالم لڑکی، بھلا مجھے کسی اور کے بارے میں سوچنے دو گی۔'' میں نے بھنویں اچکا کر مصنوعی انداز میں پوچھا۔
''مذاق چھوڑیں اور سیریس ہو جائیں مجھے کچھ بتانا ہے۔'' اس نے منہ بنایا۔
''اچھا جی یہ لو ہو گیا سنجیدہ۔'' میں نے مٹھی پر چہرہ جما کر پوچھا۔
''ماں جی کی کال آئی تھی۔'' ماہیا نے اچانک بات بدلی۔
''اچھا کیا کہہ رہی تھیں؟'' گرم چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے میری زبان جل گئی۔
''بہت ناراض لگ رہی تھیں۔'' اس نے یاسیت سے بتایا۔
''ہونہہ۔'' میرے سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا بولوں۔
''فہد سب لوگ جس بات کے لئے مجھے ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں، اس میں میرا رتی برابر بھی قصور نہیں۔'' اس کے منہ سے نکلنے والی آہ نے دل کو چیر کے رکھ دیا۔
''جانتا ہوں جان۔'' میں اسی کرب میں مبتلا ہو گیا جس سے وہ گزر رہی تھی۔
''وہ دونوں کامیاب ہو جائیں گی، آپ بعد میں ایسے ہی اپنی غلطی تسلیم کرتے رہیے گا۔'' ماہیا نے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا اور سسکی بھری۔
''ماہی ایسا کچھ نہیں ہو گا تم پریشان نہ ہو۔'' میں نے اسے تھام کر کھوکھلے لفظوں میں تسلی دینا چاہی۔
''فہد علی مجھے لگتا ہے کہ آپ ہار جائیں گے، کچھ نہیں کر پائیں گے۔'' اس نے بے قراری سے میرے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھام کر کہا۔
''میں اتنا کمزور نہیں، تم بس مجھ پر یقین رکھو۔'' میں نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے کر سرگوشی کی۔
''ایک بات سن لیں، میں غلط ہوں یا صحیح مگر آپ کی محبت میں رتی بھر کی شراکت بھی برداشت نہیں کر سکتی۔'' ماہیا نے چہرہ اٹھا کر مجھے دیکھا اور تھرتھراتے لبوں سے التجاء کی۔
''ماہی یار میں نے اپنی ساری محبت تم پر لٹا دی ہے بھلا اب کسی دوسری عورت کو کیا دے سکوں گا۔'' میں نے سچے دل سے اعتراف کیا۔
''کاش آپ اپنی بات پر قائم رہیں۔'' اس کا وجود لمبی پرواز سے تھکی ہاری چڑیا کی طرح لرزنے لگا، میں جانتا تھا کہ چند دنوں سے میرا چپ چپ رہنا اور خود فراموشی کی کیفیت ماہیا کے دل پر بہت گراں گزر رہی ہے، وہ بہانے بہانے سے مجھ پر کھوجتی نگاہ ڈالتی ہے، بلاوجہ کے سوالات کر کر کے اصل بھید اگلوانا چاہتی ہے، مگر میں اسے یہ تلخ حقیقت بتا کر مزید دکھی نہیں کر سکتا تھا کہ ماہیا کی کوکھ ویران ہونے کی وجہ سے ماں جی نے سمیرا بھابھی کی چھوٹی بہن نمرا کے ساتھ میری دوسری شادی کرنے کا ارادہ باندھ لیا ہے، بقول ان کے اولاد پانے کے لئے مجھے یہ حق خود

بخود تفویض ہو گیا ہے۔

☆☆☆

ایک دن میں دفتر میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ماہیا کا فون آیا وہ بہت متوحش زدہ لگ رہی تھی، اس نے جو خبر سنائی میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، اس الجھن کی ڈوری کا سرا ماہیا کے ہاتھ لگ گیا، جس کی کھوج میں وہ چند دنوں سے پاگل ہو رہی تھی، اس نے بتایا کہ پیشگی اطلاع کے بغیر سمیرا بھابھی اپنی بہن نمرا کے ساتھ ہمارے آشیانہ میں وارد ہوئیں تھیں، وہ روتے ہوئے بتانے لگی کہ بھابھی کی باتوں سے اس کے ہوش و حواس کی دھجیاں بکھر کر رہ گئی ہیں، ان کی بہن نمرا نے جس استحقاق سے گھر کے کونے کونے کا جائزہ لیا، یہ بات ماہی کے دل پر برچھی مارنے کے مترادف تھی، جاتے جاتے انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں جس لڑکی سے میں دوسری شادی کرنے والا ہوں وہ کوئی اور نہیں ان کی چھوٹی بہن نمرا ہے۔

ان دونوں کے جاتے ہی ماہیا اپنا کپکپاتا وجود گھسیٹتی ہوئی لاؤنج میں آئی، وہاں رکھے ہوئے بڑے سے صوفے پر گر کر کشن میں منہ دبا کر چیخ چیخ روتی رہی، گرم گرم آنسو نہ جانے کتنی دیر تک بہتے رہے، جب اس کے اندر کی گھٹن کم ہوئی تو پھر اسے مجھ پر بے حد غصہ آیا۔

''فہد نے تو میرے ساتھ دائمی ساتھ نبھانے کا عہد کیا تھا اور وہ اتنی جلدی ہار مان لی۔'' اس کے دل سے ہوک اٹھی۔

''صاحب آج آپ کا بھی احتساب ہو جائے۔'' اس نے جلال میں کال ملائی اور مجھے فوراً گھر پہنچنے کا حکم دیا۔

ماہیا کا لہجہ حالات کی سنگینی کا احساس دلا رہا تھا، میں نے فون پر معاملہ نمٹانے سے بہتر سمجھا کے آمنے سامنے بات ہو اور لائن کاٹ دی، تیزی سے لیپ ٹاپ بند کیا، میز پر رکھی گاڑی کی چابی اٹھائی اور اپنے باس کو انٹر کام پر جانے کی اطلاع دینے کے بعد دفتر کی عمارت سے باہر نکلا اور تیز رفتاری سے گاڑی بھگاتا ہوا منٹوں میں گھر پہنچ گیا۔

☆☆☆

میں نے گاڑی کو گیٹ کے سامنے پارک کیا اور دروازہ کھول کر تیز قدموں سے چلتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا، ماہیا سامنے ہی صوفے پر پیر اوپر اٹھائے گھٹنوں میں منہ دیئے بیٹھی تھی، آہٹ پر سر اٹھایا، میں اس کے کپکپاتے لبوں سرخ چہرے اور شدت گریہ سے گلابی پڑتی آنکھوں کو دیکھ کر ٹھٹک کر دہلیز پر رک گیا، اپنی چاہت کی ایسی حالت پر میرے دل کو زوردار جھٹکا لگا۔

''ماہی جان میری بات تو سنو؟'' خود پر قابو پاتے ہوئے میں اس کے قریب پہنچ کر زمین پر ہی بیٹھ گیا، اس کے خشک لبوں سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا، وہ اداسی میں لپٹی ہوئی ایک بے جان مورت لگ رہی تھی۔

''بولو نا پلیز۔'' میں نے تشویش بھرے انداز میں اس کا سرد ہاتھ تھام کر دبایا، اس میں جیسے جان واپس آ گئی۔

''میری وفا میں آخر ایسی کیا کمی ملی جو آپ نے مجھ سے اتنی بڑی بات چھپائی۔'' لرزتے ہونٹوں پر ایک شکوہ سا مچلا۔

''کون سی بات ماہیا؟'' میں نے حیران ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''یہ ہی آپ کو اولاد کی تمنا نے اس قدر بے قرار کر دیا ہے کہ اب آپ سمیرا بھابھی کی بہن سے شادی پر بھی تیار ہو گئے ہیں۔'' اس کی آواز دکھ سے کانپ اٹھی۔

''ماہی تم نے صرف ان کی جھوٹی بات پر رونے بیٹھ گئی، کم از کم مجھ سے تصدیق تو کر لی ہوتی۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لی اور سر پکڑ لیا۔

''وہ تو بھابھی ان محترمہ کے ساتھ یہاں چلی آئیں اور مجھے سب پتا چل گیا، ورنہ آپ تو شادی بھی کر لیتے اور مجھے خبر نہ ہوتی۔'' اس نے بدگمانی کی انتہا کر دی۔

''شٹ اپ ماہی۔'' مجھے یہ الزام بہت برا لگا۔

''اچھا تو کیا ماں جی نے آپ کو نمرا سے شادی کرنے کا نہیں کہا تھا۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''ہاں کہا تھا۔'' میں نے اعتراف کیا۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ سب کچھ طے پا گیا ہے۔'' اس نے شکستہ لہجے میں سر جھکا کر پوچھا۔

''میری جان ابھی کچھ بھی طے نہیں ہوا ہے۔'' میں نے اس کی بے وقوفی پر سر پیٹ لیا۔

''تو پھر نمرا اس طرح سے کیوں شو آف کر رہی تھی جیسے آپ اس سے...... '' ماہیا نے عادتاً بات نامکمل چھوڑ دی۔

''یہ بات صحیح ہے کہ ماں جی اور بھابھی ایسا چاہتی ہیں مگر میں نے صاف انکار کر دیا ہے۔'' میں نے بڑے اعتماد سے اس کی جھلملاتی نظروں سے آنکھیں ملا کر بتایا۔

''مجھے یہ بات بتانے میں کوئی برائی تھی کیا؟'' اس کی سانسیں جیسے بحال ہونا شروع ہوئیں۔

''نہیں مگر صرف اس لئے چھپائی کہ کہیں تمہارا شیشہ جیسا دل کرچی کرچی نہ ہو جائے۔'' میں نے سخت لہجے میں وضاحت پیش کی۔

''بھابھی نے بھی مجھ پر باتوں باتوں میں کافی طنز فرمائے۔'' اس کا لہجہ شکایتی ہوا۔

''ان کو چھوڑو انہیں لوگوں کا دل رکھنا نہیں آتا۔'' میں نے بات ختم کرنا چاہی۔

''عورت ہو کر بھی وہ میرا درد نہیں سمجھتی ہیں۔'' اس نے سسکی بھری۔

''بھابھی کا یہ دیور تو اچھی طرح سے سمجھتا ہے نا۔'' میں نے جان بوجھ کر ہلکا پھلکا لہجہ اختیار کیا۔

''افسوس تو یہ ہے کہ ان کے ساتھ ماں جی بھی گھر مل گئی ہیں۔'' بولتے بولتے اس کو پھندہ لگ گیا۔

''ہاں یہ ہی بات تو سمجھ میں نہیں آتی، انہیں یکا یک کیا ہو گیا ہے۔'' میں نے پیٹھ سہلا کر پانی پلاتے ہوئے لاچاری ظاہر کی۔

''ان پر بھابھی کا جادو چل گیا، کاش مجھے بھی ان کے جیسی چلتر بازیاں آتی ہوتیں۔'' اس نے ایک سانس میں پانی پینے کے بعد جل کر کہا۔

''میں تو خود انہیں سمجھا سمجھا کر تھک گیا ہوں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی شکست تسلیم کرنی پڑی۔

''ایک کام کریں آپ ماں جی کی بات مان لیں۔'' وہ مجھ پر نگاہیں جما کر بدلے بدلے لہجے میں بولی۔

''ماہیا تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔'' میرا دل تڑپ اٹھا میں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''ہاں ہاں آپ نمرا سے شادی کر لیں کیونکہ...... '' وہ ہی بات نامکمل چھوڑنے کی عادت۔

''کیا تم میرے پیار کا امتحان لینا چاہتی ہو۔'' میرا لہجہ شکایتی ہوا مگر وہ سن کہاں رہی تھی۔

''نمرا مجھے وہ اپنی بڑی بہن کی کاپی لگی، ان کی طرح خود غرض سی۔'' کچھ بولتے بولتے وہ

رک گئی۔

"تو......؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ایک بار شادی ہونے دیں، ماں جی اور آپ کو چند دنوں میں ہی لگ پتا جائے گا۔" ماہیا کے طنز پر میں نے اپنا سر پیٹ لیا۔

☆☆☆

وچھوڑا آپ روتا ہے
تعلق توڑنے والے تو شاید بھول جاتے ہیں
کہ آنے والی ہر رت سے
گلے ملتے ہیں وہ تنہا
مگر تنہا نہیں روتے
بہت بے کل بہت بے تاب بہت مغموم ہوتا ہے
وچھوڑا آپ روتا ہے

آہستہ آہستہ اپنے وجود میں اترتے اندھیرے سے چھٹکارا پانے کے لئے وہ ایک ایسے فیصلے پر پہنچ گئی جو ماضی میں اس کے گماں میں بھی نہ تھا۔

ماہیا نے خط مکمل کرنے کے بعد ایک بار نہیں کئی بار پڑھا، پھر کچھ سوچ کر آخر میں نظم لکھتی چلی گئی اس کے بعد سفید چمکدار صفحے کو موڑ کر میز پر رکھ کر سیل فون کے نیچے دبا دیا، بیگ کی زپ بند کرنے کے بعد نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے ایک نگاہ فہد پر ڈالی، سوتے میں اس کے وجاہت بڑھ گئی تھی، وہ بے ساختہ بیڈ کے قریب گئی جھک کر اس کے نقوش کو دل میں اتارا، غیر محسوس طریقے سے اس کی سپید چوڑی پیشانی پر بکھرے سیاہ سلکی بالوں کو درست کیا اور آنسوؤں کو اندر ہی اندر اتارتی ہوئی، سر جھکائے باہر کی جانب چل دی، ان حالات میں اپنے محبوب کی زندگی سے نکل جانے کا فیصلہ ہی درست لگ رہا تھا۔

☆☆☆

"اوہ مائی گاڈ دس بجے گئے اور ماہیا نے مجھے اٹھایا ہی نہیں۔" آنکھ کھلتے ہی میں نے عادت کے مطابق گھڑی پر نگاہ دوڑائی اور بڑبڑایا۔

"ماہی وے۔" میں نے اسے لاڈ سے پکارا، کوئی جواب نہ آیا، برابر میں ہاتھ پھیرا تو بستر خالی ملا، نیند بھاگ گئی، چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"یہ لڑکی بتائے بغیر کہاں غائب ہو گئی ہے؟" چار سو پھیلی غیر مانوس سی خاموشی نے چونکایا تو اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ذہن سوچنے کے قابل ہوا تو پتا چلا کہ معمولات زندگی میں فرق آیا ہے، روزانہ کی طرح نرم انگلیوں نے بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے مجھے جگایا نہیں، نہ ہی گرما گرم چائے کا کپ مجھے تھمایا ہے۔

بیڈ ٹی کی عیاشی بھی مجھے ماہیا سے شادی کے بعد ہی حاصل ہوئی تھی، میری نگاہوں نے پورے کمرے میں اسے تلاشا، مگر بے سود، یوں لگا کہ دل کو مٹھی میں لے کر کسی نے بھینچ ڈالا ہو، میں حواس باختہ سا ہو کر ایک کمرے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے میں اسے پکارتا چلا گیا مگر جواب ندارد، ہونقوں کی طرح واپس کمرے میں لوٹا اور بے حوصلہ ہو کر بستر پر اوندھے منہ لیٹ گیا، آفس جانے کا خیال بھی نہ آیا، بس یہ ہی فکر تھی کہ وہ کہاں غائب ہو گئی ہے۔

اچانک ہوا سے ہلتے کاغذ کی پھڑ پھڑاہٹ نے مجھے اپنی جانب متوجہ کیا، اٹھ کر دیکھا تو کھڑکی کے ساتھ رکھی میز پر میرے سیل کے نیچے سے ایک صفحہ جھانکتا دکھائی دیا، تیزی سے اٹھا اور وہ پرچہ اٹھایا، اسے الٹ کر دیکھا فوراً ہی نظر اس کی موتیوں جیسی لکھائی کو پہچان گئی۔

سیکنڈوں میں وہ چھوٹا سا پرچہ پڑھ لیا، مجھے

چھوڑ کر جانے کی اطلاع دینے کا یہ کیسا انداز تھا، متن کے الفاظ مسلسل میرے ذہن پر گولہ باری کرنے لگے۔

''فہد علی چاہت کا کوئی صلہ نہیں ہوتا، کیونکہ یہ جذبہ کسی مطلب وغرض سے مبرا ہوتا ہے، مگر دل اس وقت پھٹنے لگتے ہیں جب بے تحاشا محبت کو ناقدری کا سامنا ہو، میں ایسی ہی کیفیت کا شکار ہوں کیونکہ آپ کی زندگی میں اب میری حیثیت ایک چکی جیسی ہے، جس کا کام ہے بس پیستے رہنا ہے، ساری دکھ تکلیفوں کو سہنے کے باوجود بدلے میں مجھے کیا ملتا ہے، کھونے کا خوف جدائی کا خدشہ، جب مقدر میں ہجر کا موسم لکھا جا چکا ہے تو پھر آپ کی مرضی کا انتظار کیوں؟ میں نے خود سے جدائی کا انتخاب کر کے اپنے محبوب کو ایک بڑے امتحان سے بچا لیا ہے، اب آپ میری جانب سے آزاد ہیں جائیں جا کر دوسری شادی کی تیاری کریں ماں جی کی نافرمانی کرنا مشکل لگ رہا تھا نا مگر ماہیا کا کیا ہے؟ اسے تو ویسے بھی سب نے پتھر کا سمجھ رکھا ہے، خیر اب ہم دونوں میں سے کوئی ایک تو سکون کی زندگی گزار سکے گا، اسی سوچ نے میرے ارادوں کو قوت بخشی اور بس...... میں نے اپنی جنت اپنے آشیانہ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے، اب میری بلا سے آپ نمرا سے شادی کریں یا حمیرا سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''نمرا تو سمیرا بھابھی کی بہن ہے مگر یہ حمیرا کون ہے؟'' رقعے میں لکھے لڑکیوں کے نام پر غور کیا تو ان حالات میں بھی میری رگ ظرافت پھڑ کنے سے باز نہ آئی۔

☆☆☆

ہجر کی یہ دھندلی صبح من پر کس طرح کے گھاؤ ڈال رہی تھی، اس احساس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہونے لگا، اپنے ہی آشیانے کے بڑے سے سیاہ لوہے کے دروازے سے باہر جاتے ہوئے ماہیا کے قدم کئی بار ڈگمگائے، سیمنٹ اور بجری سے بنایا گیا یہ مکان تو اس کے لئے اسی وقت گھر بن گیا تھا، جب سرخ جوڑا پہن کر اس نے فہد کی سنگت میں نئی زندگی کی شروعات کی، مگر اب اس خاندان کی بقاء کے لئے یہاں سے دور جانا ہی بہتر ہے، وہ جانتی تھی کہ فہد اس کی محبت میں نہیں عشق میں مبتلا ہے، اس لئے اس کی موجودگی میں تو وہ کبھی بھی دوسری شادی کا سوچے گا بھی نہیں مگر اس کے نہ ہونے سے شاید یہ مشکل کام آساں ہو جائے اور ماں جی کی بھی خواہش کا پاس رہ جائے۔

ماہیا کاندھے پر چھوٹا سا بیگ لٹکائے میکے جانے کے لئے نکلی تو ذہن میں ماضی کی کچھ شیریں کچھ تلخ یادیں گھومنے لگیں جس دن پہلی بار اس کی زندگی میں وہ طوفان آیا جو اس کی خوشیوں کے ساتھ سکون اور اطمینان بھی اپنے ساتھ بہا لے گیا۔

یہ دس ماہ پہلے کی ہی تو بات تھی جب وہ چائے کی ٹرے تھامے ماں جی کے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی، اسے پتا تھا کہ وہ مغرب کی نماز پڑھ کر چائے پیتی ہیں، بابو جی کے گزر جانے کے بعد وہ اپنی ساس کا بہت زیادہ خیال رکھنے لگی تھی، اندر سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں، اس کی بڑی جٹھانی بھی ساس کے پاس بیٹھی تھیں، وہ الجھ سی گئی آج کل جانے کون سی کھچڑی پک رہی تھی کہ دونوں جانب سے بڑے اتفاق اور میل ملت کا مظاہرہ ہو رہا تھا، مگر جیسے ہی ماہیا ان کے بیچ جاتی دونوں ایک دم خاموش ہو جاتیں۔

وہ ان ہی خیالوں میں غلطاں جیسے ہی کمرے کی دہلیز پر پہنچی، اندر سے ماں جی کے

زور زور سے بولنے کی آواز سن کر ٹھٹک کر رک گئی اور کان اسی طرف لگ گئے۔

''میں کہتی ہوں تم اور کتنا انتظار کرو گے؟''

ماں جی نے بیٹے سے سوال کیا۔

''ماں جی، یہ کام اپنے اختیار میں تو نہیں، ویسے بھی ابھی کون سا زندگی ختم ہو گئی ہے۔'' فہد نے دکھی انداز میں سر جھکا لیا۔

''دیکھو بھائی میں تمہاری بھابھی ہی نہیں بڑی بہن بھی ہوں مجھ سے تمہارا اداس چہرہ اور سونا آنگن نہیں دیکھا جاتا۔'' سمیرا نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''بھابھی پلیز۔'' وہ ان کی خود غرضانہ طبیعت سے اچھی طرح سے واقف تھا، اسی لئے ہاتھ اٹھا کر کچھ اور کہنے سے روکا۔

''سمیرا ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' ماں جی نے محبت سے بڑی بہو کا ساتھ دیا۔

''ماں جی بھی دشمن بن گئیں۔'' ماہیا نے آسمان کی طرف دیکھ کر فریاد کی، اس کی گلابی رنگت زرد ہو گئی، ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑنے لگے۔

''آپ...... آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟'' ماں کے بدلنے پر فہد کے لہجے سے حیرت امنڈ پڑی۔

''مطلب یہ کہ اگر دیورانی جی ماں نہیں بن سکی تو کیا ہوا، تمہیں دوسری شادی کا شرعی حق حاصل ہے۔'' سمیرا نے بڑی سفاکی سے ساس کی جگہ جواب دیا۔

''میرے اللہ رحم۔'' اسے لگا جیسے کسی نے ان کے کانوں میں دہکتا ہوا انگارہ بھر دیا ہو۔

''بھابھی بس کریں ویسے بھی میں اپنے ذاتی معاملات میں کسی کی اتنی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔'' فہد نے منہ بگاڑ کر کہا۔

''فہد علی تم ہوش میں تو ہو، سمیرا تمہاری بڑی بھاوج ہے۔'' ماں جی نے تنبیہی انداز میں بیٹے کو ٹوکا۔

''ماں یہ سارا فساد ان کا ہی تو پھیلا ہوا ہے۔'' فہد کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''خاموش ہو جاؤ اب، بیوی کی حمایت میں بڑوں سے بات کرنے کی تمیز بھی بھول گئے ہو۔'' ماں جی حلق کے بل چیخیں ماہیا کے ہاتھ کپکپائے۔

''عباد بھائی کے دو بچے ہیں نا، وہ بھی تو آپ کے پوتا پوتی ہیں۔'' اس نے بڑے آرام سے کہا۔

''ہاں مگر ماں جی کے دل میں تمہاری اولاد دکھلانے کی خواہش ہے۔'' سمیرا نے ساس کو سہارا دینے کے لئے جلدی سے کہا۔

''تو پھر ماں جی کو چاہیے کہ وہ ماہیا کے حق میں دعا کریں۔'' شوہر کے دو ٹوک انداز اس کے دل میں ٹھنڈی پھوار سی پڑی۔

ماضی سے نکل کر حال کی کڑی دھوپ میں آئی تو ایک سنسناتا ہوا خیال اس کے دل میں سرایت کرتا محسوس ہوا، کہیں اس نے اپنے ہاتھوں اپنے مقدر سیاہی تو نہیں مل دی، بدلے میں ساری زندگی کے لئے جدائی کی کسک نام لکھوالی ہو جس سے فرار ناگزیر تھا، ماہیا کو چلتے چلتے اچانک زور کا چکر آیا اور اس کے خیالات کے تانے بانے ٹوٹ کر بکھر گئے۔

''اللہ مجھے حوصلہ دے تاکہ میں اس درد کو با آسانی سہہ سکوں جو میں نے فہد کی بھلائی کے لئے گلے لگایا ہے۔'' ماہیا نے بھیگی آنکھوں سے زیر لب کہا اور سر تھام کر سڑک کے کنارے بیٹھ گئی، متلاہٹ سی محسوس ہوئی، صبح ایک کپ چائے کا پیا تھا وہ بھی نکل گئی۔

☆☆☆

''میری زندگی تم کیوں چلی گئی۔'' ایک پہر گزر گیا سوچتے ہوئے پھر میں وحشت زدہ سا

ہوا، کسی پر بس نہ چلا تو رشتے کو توڑ موڑ دیا۔

''ماہیا تم نے اتنا بڑا فیصلہ کیسے کیا؟'' دل اس سے یوں مخاطب ہوا جیسے وہ سامنے موجود ہو۔

''میں اب کیسے زندگی گزاروں گا۔'' شکستگی کا احساس میرے اندر جاگ اٹھا، تکیے میں منہ چھپانا چاہا، ماہیا کا لمبا سنہرا بال دکھائی دیا، دل میں درد جاگا، کافی دیر تک ٹہل ٹہل کر حالات کا جائزہ لیا، پھر بستر پر ڈھے سا گیا، آنکھیں موندنے کے بعد حالات کی سنگینی پر غور کیا تو کئی ستارے ایک ساتھ ناچ اٹھے، میں نے بے یقینی سے ایک بار پھر خالی کمرے پر چاروں جانب نگاہ دوڑائی اور سب کچھ کھونے کا احساس نیزے کی انی کی طرح رگ جاں میں اترتا چلا گیا۔

''فاصلے بڑھ گئے ہیں اور کمبخت محبت بھی۔'' کالج لائف میں پڑھے گئے اس مصرعے کا مطلب آج واضح ہوا تھا، میں نے سر کے بالوں کو مٹھی میں بھر لیا۔

''یارا تم نے تو مجھے بے موت مار دیا۔'' میں نے فریاد بھی کر ڈالی مگر وہ تو جا چکی تھی، جانے کہاں شاید میری رسائی سے دور یا شاید نہیں۔

''ماہیا۔'' سامنے کرسی پر مہر ماہ کا گلابی شیفون کا دوپٹہ ٹنگا ہوا تھا، میں نے بے اختیار ہاتھ بڑھا کر اسے مٹھی میں جکڑا اور چوم لیا، کمرے میں ہر طرف یادیں بکھری پڑیں تھیں، کس کس کو سمیٹ کر اپنے من مندر میں سجاتا۔

''وہ کہاں جا سکتی ہے، اپنی امی کی طرف یا بہن کے گھر؟'' دوپٹے میں بسی اس کی سوندھی سی مہک میرے اردگرد پھیلتی چلی گئی میں تھوڑا پر سکون ہوا اور ذہن دوڑانے لگا۔

☆☆☆

نقاہت کے مارے آنکھیں بند ہو رہی تھیں، پھر بھی کان کسی آہٹ کو سننے کے خواہش مند ہو رہے تھے، نسرین علی (فہد کی والدہ) اپنی اس حالت کی خود ذمہ دار تھیں، کسی سے کہتی بھی تو کیا، مگر دل اکثر سرزش کرتا کہ کیا ضرورت تھی جو سمیرا کے کہنے میں آ کر جنت سے نکل کر جہنم میں قدم رکھا، اب بھگتنا تو پڑے گا، گھڑی کی ٹک ٹک نے دن کے تین بجے کا اعلان کیا اور ڈور بیل بجنے لگی۔

''شاید سمیرا شاپنگ کر کے لوٹ آئی ہے۔'' کہنی کے بل اٹھ کر باہر کی طرف جھانکنے کی ناکام کوشش کی۔

وہ کل رات سے مارے بخار کے بیڈ پر پڑی پھنک رہی تھیں مگر کوئی پرسان حال نہ تھا، عباد نے آفس جاتے جاتے اپنے ہاتھوں سے دودھ ڈبل روٹی کھلانے کے بعد ماں کو دوا بھی پلائی تھی، اس کے بعد سمیرا بھی نمرا کے ساتھ شاپنگ کے لئے نکل گئی، ان کے جانے کے بعد سے وہ اکیلی پڑی تھیں، پوتا پوتی نہ جانے کہاں غائب تھے، باپ کی ہدایت کے باوجود ایک بچہ بھی دادی کے کمرے میں پھٹکنے کو تیار نہ تھا، نسرین کا سر درد بڑھنے لگا، سرخ آنکھوں سے پانی جاری ہو گیا، بخار تھا کہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا، وہ ہاتھ پیر مارنے لگیں۔

''پانی پانی۔'' حلق خشک ہونے لگا، انہوں نے فریاد شروع کر دی۔

''ماہیا بچے ذرا پانی تو پلانا۔'' نسرین علی کے منہ سے لاشعوری طور پر چھوٹی بہو کا نام نکل گیا۔

''ہائے ہائے وہ یہاں کہاں ہے؟'' کھانستے ہوئے انہیں خیال آیا اور خود پر غصہ بھی۔

''ارے پنکی، ببلو کوئی ہے جو مجھ بڑھیا کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ ٹپکا دے۔'' انہوں نے

دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے ایک بار پھر صدا لگائی، مگر خود غرضی میں ان کے پوتا پوتی بھی ماں کا پرتو تھے۔

☆☆☆

نسرین علی نے ہمت کر کے اٹھنا چاہا مگر ٹوٹتے جسم نے اٹھنے سے انکار کر دیا، انہیں ایسا لگا جیسے آخری وقت قریب آ گیا ہو مگر کسی نے بڑھ کر انہیں سہارا دے کر تکیہ کے بل بٹھایا، وہ ہی نرم اور مانوس سانس، پچھلے دس سالوں سے وہ جس کی عادی تھیں، ایک ہاتھ بڑھا اور خشک لبوں سے گلاس لگایا گیا، انہوں نے غٹا غٹ کر کے پورا پانی ختم کیا تو جلتے کلیجے کو سکون ملا پھر انہوں نے تکیے پر سر ڈال کر آنکھیں موند لیں، ویسے ہی جیسے تھکا ماندہ مسافر منزل کے قریب پہنچ کر بے دم ہو کر گر جاتا ہے۔

☆☆☆

میں جب اندر داخل ہوا تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچا، ماہیا ماں جی کے سر پر ایک ہاتھ سے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی، مارے حیرت کے میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا آنکھیں مل مل کر یہ منظر دیکھا، ماہیا کے چہرے پر بہت عرصے بعد اتنا سکون اور نور سا پھیلا دیکھ کر میرا دل قلابازیاں کھانے لگا، ماں جی نے اپنے جھریوں زدہ کمزور ہاتھوں سے اس کی مکھن ملائی جیسی کلائی کو یوں دبوچا ہوا تھا جیسے وہ کہیں بھاگنے والی ہو۔

''یہ تم ہی ہو؟'' میں نے ماہیا کے نزدیک پہنچ کر اسے چھو کر دیکھا، وہ ایک دم مسکرا دی۔

''کہیں میں کوئی سپنا تو نہیں دیکھ رہا۔'' میں نے سرگوشی میں اس پر اپنی بے قراری ظاہر کی، اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''پتا ہے، میں تمہاری امی اور بہن کی طرف گیا اور بہانے سے تمہارا پوچھا مگر جب تم کو وہاں نہ پایا تو میرا دل خوف کے مارے رونے لگا، جیسے ہمیشہ کے لئے تمہیں کھو دیا ہو، کچھ اور سمجھ میں نہ آیا تو، ماں جی کی گود میں سر رکھ کر رونے چلا آیا، مگر تم یہاں ملو گی، ایسا تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔'' میں نے جلدی جلدی اسے ساری بات بتا دی۔

''اچھا۔'' اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا، اس کا رویہ مجھے حیرت میں مبتلا کر رہا تھا۔

''ماہی آئندہ مجھ سے جدا ہونے سے پہلے صرف ایک بار میرے بارے میں ضرور سوچنا۔'' میری آواز بھرا گئی۔

''فہد علی یہ تم کس طرح کی باتیں کر رہے ہو، میرے بچے؟'' ماں جی نے پٹ سے آنکھیں کھولیں اور حیرت سے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

''کچھ نہیں، ان کی تو ایسے ہی مذاق کی عادت ہے۔'' اس نے مجھے آنکھ سے چپ رہنے کا اشارہ کیا، شاید ماں جی کو پوری بات کا علم نہ تھا۔

''بہو طبیعت میری خراب تھی اور لگتا ہے دماغ اس کا چل گیا ہے۔'' ماں نے ماہیا سے یوں کہا کہ میری ہنسی چھوٹ گئی، ماہیا جیسے ہی ماں جی کے لئے دودھ کا کپ لانے باہر نکلی میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا اور کوریڈور میں اسے جا لیا۔

''تم نے مجھے چھوڑ کر جانے کا کہا اور پھر یہاں کیسے آ گئی۔'' میں نے اس کی کلائی تھام کر حیرت اور غصے کا اظہار ایک ساتھ کیا۔

''وہ میں تو اپنی ماں جی کو منا کر گھر لے جانے آئی تھی۔'' اس نے ایک ادا سے جواب دیا۔

''تم نے بڑا سرپرائز دے ڈالا۔'' میکے جانے کے بجائے ساس کے پاس آ گئی، میں نے

اسے کریدا۔

''اس سے بڑا ایک اور سرپرائز بھی میرے پاس ہے۔'' وہ مسکرائی یہ وہی گمشدہ مسکراہٹ تھی جو بہت عرصے بعد اس کے چہرے پر دکھائی دی۔

''اچھا وہ کیا؟'' میں نے اس کا چہرہ انگلی سے اپنی جانب موڑا۔

''میں گھر سے نکلی تو کسی اور ارادے سے تھی مگر طبیعت بگڑ گئی تو مجبوراً نزدیک واقع ایک کلینک میں چلی گئی۔'' اس نے رک رک کر بتایا۔

''کیوں تمہیں بھی بخار تو نہیں؟'' میں نے گھبرا کر ہاتھ کی پشت سے اس کا ماتھا چھوا۔

''اصل میں چند دنوں سے طبیعت گری گری سی تھی۔'' میں نے غور کیا واقعی اس کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' میں نے فکرمندی سے اسے اپنے قریب کھینچا۔

''فہد سنیں تو لیڈی ڈاکٹر نے مجھے جو خوشخبری دی، اس کے بعد آپ سے دور رہنے کا تصور بھی میرے پاس نہ تھا۔'' اس کے لب لرزنے لگے۔

''اچھا ایسی کون سی خوش خبری تمہیں سننے کو مل گئی۔'' مجھے اندازہ تو ہو رہا تھا مگر اس کے منہ سے سننا ضروری تھا۔

''مجھے لگا کہ سب سے پہلا حق ماں جی کا ہے میں انہیں دادی بننے کی خوش خبری سناؤں، اس لئے سب کچھ بھلا کر یہاں دوڑی چلی آئی۔'' ماہیا کی آنکھیں محبت اور شرم سے بوجھل ہونے لگی۔

''اوہ مائی گاڈ، تم سچ بول رہی ہو؟'' مجھے اس پر بے اختیار پیار آیا۔

''ہاں فہد یہ سچ ہے شادی کے اتنے سالوں بعد میرے مالک نے ہم دونوں پر اپنا کرم کر دیا ہے۔'' اس کا انداز شکر مندانہ تھا۔

''اوہ ماہی وے سچ میں آئی لو یو۔'' میں نے اسے تھام کر گول گول گھما دیا، زندگی کی اتنی بڑی خوشی کی خبر سننے کے بعد مجھے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل جو ہوا۔

''ہوں ہوں آرام سے۔'' ماں جی جانے کب ہمارے پیچھے آ کھڑی ہوئیں، محبت بھری تنبیہ کی۔

''ماں جی آپ نے سنا؟'' میں نے ان کے لرزتے ہاتھوں کو پکڑ کر سہارا دیا اور کرسی پر بٹھا کر ان سے بے اختیار لپٹ گیا۔

''ہاں بہو نے مجھے جیسے ہی یہ بات بتائی میری طبیعت سنبھل گئی، دیکھو میرا بخار وخار سب اتر گیا۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ماہیا کو بھی خود سے لپٹا لیا۔

''اب تو مانیں گی نہ کہ میرا یقین مستحکم تھا، گماں نہ تھا، اسی لئے مالک نے میرا مان رکھا۔'' میں شکر گزارانہ انداز میں آسمان کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں بیٹا تم ٹھیک کہتے ہو، مجھے بھی اتنی عمر گزارنے کے بعد اب جا کر کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوئی ہے۔'' ماں کی آواز بھرا گئی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' میں نے ان کی آنکھوں سے چھلکتے موتیوں کو بغور دیکھا۔

''یہ جو تمہاری بھابھی سمیرا ہے نا، اس سے بڑی سیاست دان کوئی دوسری نہ ہو گی، اس نے بہت سوچ سمجھ کر مجھے اپنے جال میں پھانسا، ہمارے گھر کی ویرانی اور ماہیا کے ماں نہ بننے کا تذکرہ کر کر کے میرا داغ خراب کر کے رکھ دیا، میں اسی کی آنکھوں سے دیکھتی اور اسی کے کانوں سے سنتی تم لوگوں سے بھی لڑ کر یہاں چلی آئی اور اس کی چال الٹی پڑ گئی، اسے بالکل بھی اندازہ نہ تھا میں ایسا قدم اٹھاؤں گی اور واپس عباد کے

ساتھ رہنے آجاؤں گی یہ تو اس کے منصوبے پر پانی پھرنے والی بات تھیں۔'' ان کا گلا خشک ہونے لگا تو لمحہ بھر کو تھم گئیں۔

''ماں جی یہ ایک گھونٹ پانی پی لیں۔'' ماہیا دوڑ کر پانی لے آئی اور انہیں سہارا دے کر پلایا۔

''بھابھی کیا کرنے والی تھیں۔'' میں نے تھوڑی دیر بعد بے چینی سے پوچھا۔

''اصل میں اسے تو کافی دن سے یہ حسد تھا کہ تم نے اپنا آشیانہ کیسے بنالیا، ادھر اس کی بہن کی کم عمری میں بیوگی سے وہ لوگ بہت پریشان تھے تو سیرا نے ایک تیر سے دو شکار کھیلنے کا ارادہ باندھا۔'' ماں جی نے مجھے دیکھتے ہوئے بتایا۔

''کیا مطلب میں سمجھی نہیں؟'' ماہیا نے بھی لب کھولے۔

''اس کا ارادہ تھا کہ نمرہ کی شادی فہد سے کرادے گی اور پھر جب بہن دیورانی بن جائے گی تو وہ لوگ بھی کرائے کا یہ گھر چھوڑ کر ہمارے آشیانے کے اوپر والے پورشن میں شفٹ ہو جائیں گے۔'' ان کی جھریوں زدہ چہرے پر برسوں کی تھکان ابھری۔

''اوہ مائی گاڈ، اتنی لمبی چوڑی پلاننگ۔'' میں نے سر پیٹ لیا۔

''شاید اس نے اپنی بہن سے دوسری شادی کروانے کی بھی یہ ہی شرط رکھی تھی۔'' انہوں نے سرد آہ بھر کر بات مکمل کی۔

''اف بھابھی نے بلاوجہ میں اتنے دلوں کو دکھایا، اگر عباد بھائی ایک بار مجھ سے کہہ دیتے تو میں ویسے ہی کرائے داروں کو جانے کا نوٹس دے کر انہیں وہاں شفٹ کروا دیتا۔'' میں نے دکھ سے ماں کو دیکھا۔

''بیٹا جب انسان کو الٹے راستے پر چلنے کی عادت ہو تو وہ بھلا سیدھا راستہ کیسے اپنائے اور سیرا بہو پر یہ مثال فٹ بیٹھتی ہے۔'' ماں جی نے یاسیت سے بات پوری کی۔

''ماں جی، آپ کو یہ سب باتیں کیسے پتا چلیں؟'' ماہیا نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''میں جب یہاں آکر رہنے لگی تو تھوڑے دنوں تک تو منہ ملاحظہ کے طور پر بہو نے میری بڑی آؤ بھگت کی، اپنی بہن کو بھی بلا بلا کر میری خدمت کروائی مگر جلد ہی اس کی اچھائی کا پردہ چاک ہو گیا، نمرہ بھی مجھ بوڑھی کی باتوں سے بیزار رہنے لگی، ایک دن دونوں بہنوں میں نہ جانے کس بات پر جھگڑا ہوا تو ساری باتیں میرے کانوں میں پڑ گئیں، دونوں اونچی آواز میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہی تھیں، بس اس کے بعد میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا، دل تو چاہا کہ فوراً ہی کال کر کے تمہیں بلاؤں اور اپنے آشیانے میں چلی جاؤں، مگر پھر میں نے اپنے لئے یہ ہی سزا منتخب کی اور ان لوگوں کے ہاتھوں جی بھر کے ناقدری کروائی۔'' وہ ایک دم رو دیں، ماہیا اور میں نے ایک ساتھ انہیں اپنے بانہوں کے گھیرے میں لے کر بیرونی دروازے کی جانب قدم بڑھا دیے، ہم اپنے آشیانے کی روٹھی ہوئی خوشیوں کو منا کر واپس جا رہے تھے۔

☆☆☆

نایاب جیلانی

بائیسویں قسط کا خلاصہ

ہیام، نشرہ سے نکاح کے بعد اسے اپنے گاؤں لے آتا ہے جہاں عشیہ کے ساتھ تلخی پیدا ہوتی ہے، عشیہ اپنی والدہ کی وجہ سے انتہائی خوفزدہ دیکھائی دیتی ہے کہ اگر مورے کو پتا چل گیا تو کیا ہو گا، ہیام بہن کو ساری صورت حال بتاتا ہے جس کی وجہ سے اسے یہ قدم اٹھانا پڑا، عشیہ اپنے بھائی کی قربانیوں کو یاد کرتے ہوئے عہد کرتی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اس کا کھویا ہوا مقام ضرور لے کر دے گی۔

امام کا زندہ بچ جانا ایک معجزہ ہی ہوتا ہے، امام کی خالہ اسے فوری طور پر نوکری سے ریزائن کرنے کو کہتی ہیں۔

امام کو حمت کی یاد آتی ہے جس کی شکل اس کی بہن کومے سے ملتی ہے، وہ اپنی الجھن کا ذکر اپنی خالہ سے کرتا تو وہ پریشان ہو جاتی ہے۔

نیل برا کیلی رہ کر گھبرا جاتی ہے اور وہ جہاندار سے کہتی تو جواباً وہ گھر کے کام کرنے کے لئے اسے کہتا ہے۔

پری گل کسی نہ کسی طرح امام کا نمبر حاصل کر لیتی ہے اور لا کر حمت کو دیتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

تیسویں قسط

آج صبح سے مطلع ابر آلود تھا۔

بادل گھر گھر کر آ رہے تھے، آسمان کی سپیدی سیاہی میں بدل رہی تھی اور ایسے ہی پلوشہ کے دل میں وسوسوں نے گھیرا ڈال رکھا تھا، پلوشہ کے احساسات سے قطع نظر کومے بے پناہ خوش تھی اور کل شام ہی شانزے کے ساتھ جا کر ٹیلر سے اپنا نیا سوٹ لے آئی تھی۔

زندگی میں پہلا موقع تھا، جب وہ کسی ٹرپ کے ساتھ ملک کے شمالی علاقہ جات کی طرف جا رہی تھی جس کے متعلق بس قصے کہانیاں سن رکھی تھیں، یا پھر ٹیلی ویژن میں دیکھ رکھا تھا۔

پربتوں کے اس پار بھلا کون سی دنیا تھی؟ خوابوں کا ایک وسیع جہان؟ جہاں ان گنت سپنوں کی راج دھانی تھیں، مغرور پہاڑوں سی ملکائیں، نازک اندام پریاں اور سنہری تتلیاں، وہ دیس جہاں پہ سورج اپنی مرضی سے طلوع ہوتا تھا اور ہزار نخروں سے سامنے آتا تھا، وہ بادلوں، سرسبز مرغزاروں اور جھاگ اڑاتی آبشاروں کا دیس کیسا ہوگا؟

کاش وہ وہاں کی باسی ہوتی؟

جنت سے مشابہ حسین وسرسبز ان علاقوں کا حسن آج کل کومے کے سر پہ چڑھ کے بول رہا تھا، سونے پہ سہاگہ وہ ایک میگزین بھی اٹھا لائی تھی، جس کے اندر رنگین تصویریں تھیں اور کسی مصنف کے سفر کا آنکھوں دیکھا حال تھا اور کومے کی جنوں خیزی اتاؤلا پن اور ضد کے سامنے بالآخر پلوشہ کو ہار ماننے ہی پڑی تھی، حالانکہ وہ کومے کو ٹرپ کے ساتھ بھیجنے کی ہرگز بھی اجازت نہیں دے رہی تھیں۔

اس ٹرپ کے ساتھ جانے کے لئے کومے نے کتنے پاپڑ بیلے تھے اور کتنے دن بھوک ہڑتال کی تھی؟ یہ اس کا خدا جانتا تھا، حتی کہ ماموں کی سفارش بھی کروائی تھی اور شانزے سے منت بھی کروائی، مگر پلوشہ اس کی ضد پہ اچانک ہی کٹھور ہو گئی تھیں۔

''ہمان پردیس میں ہے اور امام بستر پہ، بہن صاحبہ کو سیر وسیاحت کی پڑی ہے، حد ہے خود غرضی کی۔'' جب کوئی اور حربہ نہ ملا تو پلوشہ نے اسے جذباتی طور پر ڈی گریڈ کیا، کومے اس طنزیہ انداز پہ ہکا بکا رہ گئی تھی، اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

''یہ مطالعاتی دورہ ہے خالہ! صرف سیر وسیاحت نہیں۔'' کومے رو دینے کو تھی، پلوشہ کو بھی اپنے سخت لہجے کا احساس ہو گیا تھا، تبھی کچھ نرم پڑ گئی تھیں۔

''اتنے خطرناک رستے اور طویل سفر کیا ضرورت ہے جانے کی، میرے دل کو دھڑکا سا لگا ہے، لیکن تم بچے نہیں سمجھتے۔''

''میں اکیلی تو نہیں ہوں نا، پوری بس بھر کے جا رہی ہے، میری ساری فرینڈز کو اجازت مل گئی ہے سوائے میرے۔''

اب اس نے خود پہ مظلومیت طاری کر لی تھی، آنکھوں میں آنسو بھی بھر لائی، پلوشہ جھنجلا گئی تھی۔

''جو دوسروں نے کرنا ہے، وہی تم نے کرنا ہے، دوسروں کی لڑکیاں تو سگھڑ بھی بہت ہیں، لائق فائق بھی ہیں، کسی اچھے کام کی بھی تقلید کر لیا کرو۔''

"ایویں ہی۔" وہ فوراً بدکی تھی۔

"دوسروں کی نقل کرنا کوئی اچھی بات ہے۔"

"اچھے کام کی تو نقل ہوگئی۔" پلوشہ نے خفگی سے اسے گھورا تھا، کومے نے فوراً مسکراہٹ چھپا لی تھی۔

"آپ موضوع سے نہ ہٹیں، بس ڈن ہوگیا، میں ٹرپ پہ جاؤں گی اور اپنی پیاری خالہ کے لئے اچھے اچھے ڈریسز لاؤں گی۔" اس کا انداز کسی بچے کو لالچ دینے کا سا تھا، پلوشہ نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

"بہت پہنے ہیں میں نے وہاں کے ڈریسز، اب نہ شوق ہے نہ لگن۔" جانے کس رو میں پلوشہ کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا، کومے فوراً ہی چونک گئی تھی۔

"اچھا، آپ کی کوئی فرینڈ تھی وہاں کی؟ جو وہاں کے ڈریسز بنوا کر بھیجتی تھی؟" اس کے تجسس پہ پلوشہ نے بے ساختہ سر جھٹک دیا تھا، جیسے کسی تکلیف دہ یاد سے دامن چھڑوایا ہو۔

"فضول سوال نہ کیا کرو۔"

"یہ فضول سوال ہوگیا؟" کومے فوراً برامان گئی تھی۔

"تو آپ بتا دیں نا، خالو کی ملازمت کے دنوں میں آپ ان علاقوں میں پوسٹڈ رہی ہیں۔"

"اب خود سے کہانیاں بنالو، میرا سر کھانے کے لئے۔" پلوشہ نے اخبار اٹھا کر منہ کے سامنے کرلیا تھا، اس کا مطلب تھا، وہ مزید بحث کے موڈ میں نہیں تھیں، کومے نے فوراً ہی موقع غنیمت جان لیا تھا، وہ پلوشہ کے بازو سے لٹک گئی تھی۔

"تو پھر میں چلی جاؤں نا؟"

"ضرور جاؤ، مگر لاؤنج سے۔" ان کے جتانے پہ وہ جوش سے اٹھتی بیٹھ گئی تھی۔

"میں ٹرپ کی بات کر رہی ہوں۔" وہ جھنجلا گئی تھی۔

"تو پھر میری طرف سے انکار ہے۔" پلوشہ کا لہجہ دوٹوک قسم کا تھا، جس میں اقرار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"بھائیوں کو سب کرنے کی اجازت ہے، ایک مجھ پہ پابندیاں ہیں، کاش میں بھی لڑکا ہوتی، یا اس گھر میں نہ ہوتی۔" اب کومے اپنے پرانے حربوں پہ اتر آئی تھی، وہ ہی ازل کا رونا دھونا اور بلیک میلنگ، پلوشہ اس کے آنسوؤں پہ جھنجلا رہی تھیں، آخری الفاظ پہ جیسے سن ہو کر رہ گئیں۔

"ہاں، کاش، اس گھر میں نہ ہوتی، اس گھر کی بیٹیوں کے نصیب کہاں اچھے ہیں۔" پلوشہ کو جانے کون کون یاد آ گیا تھا، دو پیاری پیاری لڑکیاں، ایک خون میں لت پت اور دوسری اس کے سرہانے بیٹھ کے روتی چلاتی، پلوشہ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں، جانے کیا کچھ نہیں یاد آ گیا تھا، جانے کون کون سے زخم ہرے ہو گے تھے، جانے کون کون سے ٹانکے ادھڑ گئے تھے۔

دوسری طرف کومے کا بھونچال آن تھا۔

"جانے کیا زندگی ہے ہماری، جس پہ کوئی اختیار نہیں، نہ کوئی مرضی ہے، ایسے ہی ترس ترس کر مرو۔" اب وہ اپنا غصہ برتنوں پہ نکالنے کے لئے کچن میں چلی گئی تھی اور وہاں سے چھن چھن آتی

آوازوں کے ساتھ کوے کی بھرائی آواز بھی امام کے کانوں میں اتر رہی تھی، اس سے کتاب پڑھنی محال ہو گئی تھی، اس نے گہرا سانس بھر کے کتاب بند کی اور کھلے دروازے میں سے آواز دے کر کوے کو اندر بلایا تھا، اس کی دونوں ٹانگوں پہ پلستر تھا اور ابھی وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھا، بوقت ضرورت وہیل چیئر استعمال کرتا تھا۔

امام کی آواز پہ کوے کی چلتی زبان کو ایک دم بریک لگ گئے، برتنوں کو لڑھکانے اور پٹخنے کی رفتار میں بھی کمی آئی تھی۔

''ایں...... یہ تو بھائی کی آواز ہے، کہیں بھائی نے سن تو نہیں لیا؟'' وہ زیر لب بڑبڑاتی امام کے روم کی طرف آگئی تو امام کو دروازے کی طرف دیکھتا پا کر قدرے بوکھلائی، اس کا مطلب تھا کہ بھائی نے اسے ہی آواز دی تھی۔

''کیا بات ہے کوے! قبر کے مردوں نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے؟ جو انہیں چلا چلا کر ڈرانے کے درپے ہو۔'' امام کے نرمی سے کہنے پہ کوے کو اچانک اپنے بھونپو کا خیال آیا تھا اور وہ بے ساختہ جھینپ گئی تھی۔

''سوری بھائی۔''

''واٹ سوری، کیا پرابلم ہے؟ خالہ کو کیوں تنگ کر رہی ہو؟'' امام کے نرمی سے پوچھنے پہ کوے پر ایک مرتبہ پھر مظلومیت طاری ہو گئی تھی، آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

''میری ساری فرینڈز ٹرپ پہ جا رہی ہیں، ایک میں ہوں بد نصیب، ٹرپ کی بجائے گھر میں رہوں گی، باورچن دھوبن بننے کے لئے۔'' وہ رو دینے کو تھی، امام چونکہ اس کا رونا دھونا سن چکا تھا اس لئے کچھ دیر تک سوچتا ہوا نرمی سے بولا۔

''ٹرپ پہ جانا بہت ضروری ہے کیا؟''

''جی بھائی۔'' اس نے معصومیت سے کہا تھا، باہر پلوشہ بیٹھی کسمسا رہی تھیں۔

''اب یہ اس کو اجازت دے گا، بہن کے آنسو کہاں دیکھ سکتا ہے۔''

''کتنے دنوں کا ٹرپ ہے؟'' اب وہ سوچتا ہوا پوچھ رہا تھا، کوے کو ڈھارس سی ملی۔

''تین دن کا۔''

''ٹھیک ہے، تم تیاری کر لو، لیکن دیکھو، دھیان سے، ہمیں فکر تو رہے گی، مگر تمہارے یہ آنسو۔'' امام نے نرمی سے اسے سمجھایا تو وہ خوشی سے کھل کر دیوانی ہو گئی تھی، فوراً دوستوں کو فون کرنے بھاگی تھی، امام نے سر جھٹک کر کتاب پکڑ لی، اب وہ جانتا تھا، کچھ ہی دیر بعد پلوشہ اس کی کلاس لینے پہنچ جائیں گی۔

اور ایسا ہی ہوا، جیسے ہی کوے شانزے کے پورشن کی طرف بھاگی پلوشہ خفا خفا سی، اخبار اٹھائے امام کے کمرے میں آ گئی تھی، امام کو اب پلوشہ کی بہت سی باتیں سننا تھیں اور پلوشہ کے وہم اور فکریں، وہ اپنی جگہ پہ ٹھیک تھیں، حالات کی ستائی ہوئی، اولاد کی طرف سے گھائل شدہ، وہ اپنے بچے کھچے سرمائے کی خاطر اتنی ہی وہمی اور متفکر تھیں۔

''کیا ضرورت تھی، اس کی بات ماننے کی، اتنا لمبا سفر ہے، کوئی اونچ نیچ نہ ہو جائے۔''

''کچھ نہیں ہوتا خالہ! آپ ان وہموں سے نکل آئیں، انسان اپنی تقدیر سے نہیں بچ سکتا۔''
اس کا انداز سمجھانے والا تھا۔
''تمہاری بات ٹھیک ہے، لیکن احتیاط تو ضروری ہے، تم احتیاط کر لیتے تو آج بستر پہ نہ ہوتے۔'' وہ رنجیدگی سے کہہ رہی تھیں، امام نے گہرا سانس بھرا۔
''یہ تکلیف میرے حصے کی تھی، مجھے کسی نہ کسی طریقے بھی ضرور ملتی، ایک بات تو طے ہے خالہ، انسان اپنی تقدیر سے بھاگ نہیں سکتا۔'' امام نے خالہ کے ہاتھ پکڑ کر نرمی سے چوم لئے تھے، یہ وہ عورت تھی، جس نے ان دونوں بھائیوں کو جینے کا سلیقہ سکھایا تھا، جس نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا، یہ وہ عورت تھی، جو ماں نہیں تھی، مگر ماں سے کم بھی نہیں تھی۔
''آپ کومے کو جانے دیں، اسے بلاوجہ روک ٹوک سے بیزار نہ کریں، زنجیریں انسان کو باغی کر دیتی ہیں، اس کی سوچوں کو آزاد چھوڑ دیں، وہ اپنے حصے کی خوشیاں ضرور پائے گی۔'' امام کے سمجھانے والے انداز پہ پلوشہ نے سر جھکا دیا تھا، وہ جانتی تھیں، امام انہیں قائل کر لیتا ہے اور قائل کر ہی لے گا، وہ قائل ہو گئی تھیں، امام کی بات سے انکار ممکن ہی نہیں تھا، لیکن وہ اپنے دل میں چھپے خدشات کا کیا کرتیں؟
''میرا دل پریشان ہے امام! جب تم پہ فائرنگ ہوئی، تب بھی میرا دل ایسے ہی پریشان تھا۔'' ان کی آواز نم تھی۔
''وہموں میں نہ پڑیں خالہ، کچھ نہیں ہوتا۔''
''تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں، مگر جان لو کہ میرے خدشات بے بنیاد نہیں، میری چھٹی حس مجھے خطرے کے الارم دیتی ہے۔'' انہوں نے اپنا کپکپاتا ہاتھ پہ رکھ لیا۔
''تو اپنی چھٹی حس کو فی الوقت مجھے دے دیں۔'' امام کا انداز ہلکا پھلکا مزاحیہ تھا۔
''اس چھٹی حس نے آپ کو خواہ مخواہ ستا رکھا ہے۔'' اس کے مسکرانے پہ پلوشہ بھی بے دلی سے مسکرا دی تھیں، حالانکہ ان کا دل مسکرانے پر قطعی طور پہ تیار نہیں تھا۔

☆☆☆

یہ ایک پھیکی سی بدرنگ صبح کا منظر تھا۔
ایسی افراتفری تو اس گھر میں پہلے کہیں نہیں تھی، لیکن یہ پہلے کی بات تھی، کچھ عرصہ پہلے کی، جب اس گھر کا انتظام نشرہ کے ہاتھ میں تھا، جب وہ بیک وقت باورچن، دھوبن، سویپر سب کچھ تھی، تب ہر چیز میں سلیقہ اور نکھار نظر آتا تھا، مگر اب ایسا بالکل بھی نہیں تھا۔
کیونکہ نشرہ اب اس گھر میں نہیں تھی اور تائی کو پہلی مرتبہ اس کی کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی بلکہ کوئی نو سو مرتبہ اتنے دنوں میں وہ نشرہ کو یاد کر چکی تھیں، کئی مرتبہ تو آبدیدہ بھی ہو گئیں، جب کچن کے کیبنٹ کھول کھول کر ایک ایک چیز ڈھونڈتے ہوئے نہ پتی ملی نہ چینی، نہ آئل کا ڈبہ، چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز بھی ملنا محال تھی، انہیں تو کئی سال ہوا کچن سے ریٹائرڈ ہوئے، نشرہ جب سے کچن میں گھسی انہیں کھانا پکانا ہی بھول گیا تھا، یہی صفائی ستھرائی کا حال تھا اور یہی حال دیگر انتظامات کا تھا، نہ کپڑے دھل رہے تھے، نہ استری ہو رہے تھے، انہیں اب شدت سے اندازہ

ہو رہا تھا کہ ان کی بیٹی کتنی نکمی ہے، نشرہ کے جھگڑالو رویے نے عینی کے پھوہڑپن پہ پردہ ڈال رکھا تھا، نشرہ کے جاتے ہی ساری حقیقت کھل کر سامنے آ گئی تھی۔

عینی کا اب دن چڑھے تک سونا انہیں سخت زہر لگتا تھا، اس بات پہ تائی نے کئی مرتبہ عینی کی دھلائی کی تھی، مگر وہ بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی، مجال تھی جو اثر کرتی۔

"بے شرم نہ ہو تو، بڈھی ماں سارا دن نوکروں کی طرح کام کرتی ہے، مگر اس بے حیا کو شرم نہیں۔" وہ غصے میں برتن دھوتی چیخ رہی تھیں۔

"بے غیرت دوپہر تک بستر توڑتی ہے، تبھی اس گھر سے نحوست نہیں جاتی۔" تائی کا بھونپو آن تھا جب آنکھیں مسلتا نومی بھی تخت پہ گرتا پڑتا لیٹ گیا تھا، آنکھیں بند تھیں، لیکن اس کا دماغ جاگ رہا تھا، فوراً چوکنا ہو گیا۔

"اچھا، تو آپ نے تسلیم کر ہی لیا، اس گھر میں نحوست نشرہ کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ عینی کی وجہ سے تھی۔" اس نے سر اٹھا کر کچن کی طرف دیکھا تھا، پھر مسکراتا ہوا لیٹ گیا۔

"یک نہ شد دو شد، اٹھ گے میری جان کے وبال تو ذرا موٹر کو دیکھ لو، صبح سے نہیں چل رہی، ٹنکی کا پانی بھی ختم ہو رہا ہے۔" تائی نے اونچی آواز میں ہانک لگائی تھی، وہ سستی سے تخت پہ لیٹا رہا۔

"کیا میں آپ کو موٹر مکینک نظر آ رہا ہوں؟" اس نے اچنبھے سے برتنوں پہ غصہ اتارتی ماں سے پوچھا تھا۔

"تو کیا ہو کمینے! ہڈحرام سب اکٹھے ہو گئے یہاں۔" وہ غصے میں پھنکارتی باہر آ گئی تھیں۔

"یہاں......؟ میرے اور عینی کے علاوہ اور کون ہے؟ نشرہ تو چلی گئی؟" نومی نے آہ بھر کے کہا تھا۔

"تو اس کا مطلب ہے، آپ ہم دونوں کو ہڈحرام کہہ رہی ہیں؟" وہ بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

"تو تم لوگ کیا ہو؟ نکمے؟ ہڈحرام کمینے، بڈھی ماں کام سے لگی ہے اور اولاد کو بستر توڑنے سے فرصت نہیں۔" تائی تو بھری بیٹھی تھیں ایک دم شروع ہو گئیں۔

"میں کیا کروں پھر؟ کیا پڑھائی چھوڑ کر کام سے لگ جاؤں؟ وہ بھی گھر کے کام؟ جمعداروں والے، حد ہے امی۔" وہ سخت برا مان گیا تھا۔

"تمہیں نہیں کہہ رہی، دماغ نہ چاٹو میرا۔" تائی نے بھنا کر جواب دیا تھا۔

"تو پھر کسے سنا رہی ہیں؟ میرے علاوہ کون ہے یہاں؟ نشرہ تو چلی گئی۔" اس نے پھر تائی کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا تھا، وہ تلملا کر رہ گئی تھیں۔

"ہاں، خود تو چلی گئی مگر میری جان عذاب میں پھنسا گئی۔"

"تو کیا آپ کو بھی ساتھ لے جاتی؟" وہ متفکر ہوا تھا، تائی کا پہلے سے گھوما سر کچھ اور ہی گھوم گیا تھا۔

"تمہارے دماغ میں تو بھوسہ بھرا ہے۔"

''ارے کیا واقعی؟ مجھے علم کیوں نہیں تھا، اس کے لئے تو علاج کی ضرورت ہے اور میرے سر میں شدید درد بھی، ایسا کریں امی، ہزار روپیہ تو دے دیں، بھائی بھی نکل گیا، اب کس سے پکڑوں۔'' اس کا انداز خوشامدانہ تھا، تائی کو شدید گرمی چڑھ گئی تھی۔

''ہاں، نوٹ درختوں پہ اگتے ہیں، نواب زادوں کو پکڑاتی جاؤں، کماؤ تو پتا چلے، ایک اکیلا کمانے والا، دس کھانے والے، ابھی تو نشرہ کی شادی کا قرض ہے سر پہ، کہاں سے لاؤں پیسے۔'' تائی کے کھلے واویلے پہ نومی کو کرنٹ لگا تھا، وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، پھر کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

''قرض؟ کہاں سے لیا آپ نے قرض؟ اور کس لئے لیا؟ اسے کیا ٹرک بھر کے جہیز کا دیا تھا، خالی ہاتھ گئی ہے وہ یہاں سے۔'' نومی کے جتانے پہ تائی سے بات نہ بن پڑی تھی، ایک تو یہ بدتمیزی اولاد۔

''تو دینا ہے، کب انکار کیا، جب وہ یہاں رہنے کے لئے آئے گی ہیام کے ساتھ، تو کچھ نہ کچھ ضرور دینا ہے، اب اتنی اچانک شادی ہوئی، کیا خریدتے تب۔'' تائی نے بھنا کر جواب دیا تھا۔

''چھوڑیں امی! نشرہ کے لئے آپ کا دل ویسے بھی تنگ پڑ جاتا ہے۔'' وہ بھی انہی کا بیٹا تھا، چڑکے لگانے سے باز نہیں آ سکتا تھا۔

''اب بکواس نہ کر، اٹھ کر موٹر دیکھ لے، پانی نہ ہوا تو میری جان کو مت رونا۔'' تائی جلبلا گئی تھیں۔

''موٹر تو میں دیکھ لیتا ہوں، آپ ذرا اپنی صاحبزادی کو دیکھیں، پوری رات فلم دیکھتی رہی، اب گدھے بیچ کر خراٹے لے رہی ہے، اسے کان سے پکڑ کر کچن میں کھڑا کریں، نشرہ چلی گئی، اب اسے اپنی ذمہ داریاں دیکھنی ہوں گی، آخر اگلے گھر بھی جانا ہے، دیکھے گا، دوسرے دن ہی واپس آئے گی۔'' وہ چپل گھسیٹتا اٹھ گیا تھا، اوپر سے تائی کی چپل بھی اڑتی ہوئی پہنچ گئی تھی۔

''دیکھو، بہن کے لئے کیسے بدفالیں منہ سے نکال رہا ہے، کمینہ نہ ہو تو۔'' تائی کے دل کو کچھ ہوا اور پھر بیٹی پہ شدید غصہ بھی آیا۔

''اب نشرہ تو نہیں، جوڑے سجا سجا کر آگے پیچھے پھرے، اس عینی کو سابقہ بدحرامی ترک ہی کرنا پڑے گی۔'' وہ نشرہ کو یاد کرتی آبدیدہ ہو رہی تھیں، جب عینی نے انٹری ماری تھی، نشرہ کے ذکر پہ اس کا منہ بن گیا تھا۔

''بہت یاد آ رہی ہے نشرہ کی، اتنی بے قراری ہے تو مل آئیں۔'' تائی نے آواز پہ گردن موڑ کر دیکھا اور جلبلا اٹھیں۔

''نیند ٹوٹ گئی مہارانی کی، ذرا شرم نہیں، باپ بھوکا نکل گیا، کچن اوندھا پڑا ہے، نومی کے کپڑے ان دھلے، ذرا ہوش لو بی بی! کچھ میرا ہاتھ بٹا دیا کرو۔'' وہ تو سات پتھر لے کر پڑی تھیں، عینی کا منہ بن گیا۔

''امی! صبح صبح موڈ نہ خراب کریں، پورا دن برا گزرتا ہے اور کچن کو چھوڑیں، ناشتہ باہر سے منگوا لینا تھا۔'' اس نے لمبی سی جمائی روکتے ہوئے مفت مشورے سے نوازا تھا، تائی کے تیور بگڑ گئے

تھے۔

''ہاں، بڑا نواب ہے تمہارا باپ، آئے دن باہر سے دعوتیں اڑائی جائیں نا۔''

''نشرہ کے جاتے ہی ہمارے دن برے آگئے، اتنی پھٹکار زندگی بھر نہ ملی تھی، اس سے بہتر تھا، نشرہ کی شادی ہی نہ کرتے۔'' عینی نے برے منہ سے کہا تھا۔

''اب کون پورا دن چمارن بنا رہے، امی آپ کسی نوکرانی کا بندوبست کرلیں، مجھ سے یہ گندے کام نہیں ہوتے، کپڑے، برتن، صفائی توبہ۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

''تو پھر ایسا کرو ڈپٹی کمشنر کی اولاد، ایک خانساماں بھی رکھ لو۔'' تائی جلبلاتی ہوئی کچن میں چلی گئیں، جانتی تھیں کہ ان کی نکمی بیٹی کبھی بھی چولہے کے پاس کھڑی ہو کر ناشتہ بنانا گوارا نہ کرے گی، عینی کو یہ آپشن بڑا ہی پسند آیا تھا، اسی کے بارے میں غور و فکر کرنے لگی تھی۔

''ویسے امی! آپ بھی تسلیم کرہی لیں، نشرہ کے بغیر اس گھر کا حال کچھ اچھا نہیں، ہر چیز سے اداسی چھلک رہی ہے۔'' عینی نے جانے کس رو میں اچانک ایک الگ بات کی تھی، تائی کے دل کو جانے کیا ہوا، انہیں بری طرح سے نشرہ یاد آنے لگی، وہ تھی تو کبھی احساس نہیں ہوا تھا کہ کوئی سانس لیتا وجود بھی ہے، وہ نہیں تھی تو ہر جگہ اسی کا احساس تھا چاہے اپنی ضرورت کے لئے ہی سہی، اس گھر کے خود غرض مکین اسے یاد تو کر رہے تھے اور پربتوں کے اس پار ایک حسین مگر سرد ترین نگری میں کیا نشرہ بھی اپنے پیاروں کو یاد کر رہی تھی؟ وہ نشرہ جو کل تک ایک غیر اہم فرد تھی اور آج بہت اہم ہو چکی تھی، وقت بڑے بڑے بے حسوں کے کس بل نکال دیتا ہے۔

☆☆☆

کمرے میں کہتی سنتی کچھ بولتی خاموشی تھی۔

بی جاناں کے چہرے پہ سنجیدگی اور دبا دبا غصہ بھی تھا، کبیر خان کے چہرے پہ دبیز خاموشی تھی، بی جاناں بہت دیر تک بیٹے کا کچھ بولنے یا کہنے تک انتظار کرتی رہیں، جب خاموشی کا وقفہ طویل ہوا تو بی جاناں نے بیزاری سے کہا۔

''میرا نہیں خیال کہ تم نے شاہوار سے بات کی ہوگی۔'' ان کے انداز میں بھرپور غصہ تھا، وہ جس قدر اس معاملے میں تیزی دکھانے کی خواہش مند تھیں، اتنا ہی یہ معاملہ لٹکتا جا رہا تھا۔

''بلکہ بات کیا کرنی تھی، تم اپنا فیصلہ سنا دیتے۔'' بی جاناں نے مزید برہمی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''میرا نہیں خیال کہ میں اب کسی فیصلے کی پوزیشن میں ہوں، نیل بر کے قصے نے میری کمر توڑ ڈالی ہے۔'' کچھ دیر بعد کبیر خان کی رنجیدہ آواز سنائی دی تھی، نیل بر کے نام پہ بی جاناں کے چہرے پہ بیزاری پھیل گئی تھی۔

''اب نیل بر کی بات چھوڑو، جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کی فکر کرو۔'' انہوں نے کرختگی سے بیٹے کو بے ساختہ ٹوکا تھا، انہوں نے زخمی نظروں سے ماں کو دیکھا تھا، وہ بے ساختہ نظر چرا گئی تھیں۔

''ہاں، آپ کو اپنی نواسی کے لئے بہتر سوچنا ہے۔''

''یہ بات نہیں۔'' وہ جز بز ہوگئی تھیں۔

''اب اور کتنا انتظار کروانا ہے؟ میں چاہتی ہوں سہاخانہ میری آنکھوں کے سامنے رہے۔''

''میری بھی خواہش تھی نیل بر میری آنکھوں کے سامنے رہے۔'' کبیر خان کی آنکھوں میں کانچ ٹوٹنے لگے تھے۔

''میں اسے مغرب سے اکھاڑ کر لایا تھا، اسے یہاں بھی وہی کچھ ملا تو وہ کہاں جائے گی؟''

''یہ باتیں بہت پہلے سوچنے والی تھیں، اب ان سے کیا حاصل؟ تم نے ایک انجان بندے کے ساتھ اسے چلتا کر دیا۔'' بی جاناں نے کس دل کے ساتھ نیل بر کا ذکر چھیڑا تھا، یہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔

''تو کیا کرتا؟ اسے جرگے کے فیصلے کی نوک پہ چھوڑ دیتا، خنک خان جیسے خبیث سے تو جہاندار بہت بہتر تھا۔'' کبیر خان کی آواز مدہم تھی اور سر جھکا ہوا تھا، فرعونوں کے سر ہمیشہ جھکے ہی رہتے ہیں، اس کے لہجے میں ازلی تکبر مفقود تھا۔

''پھر صبر کرو اور اسے جینے دو اپنے حال پہ۔'' بی جاناں کا انداز دوٹوک قسم کا تھا، پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بی جاناں نے سردار بٹو سے کہا۔

''آج شام شاہوار آ رہا ہے، بہتر ہے، تم اس سے سارے معاملات طے کر لو، صندیر خان اپنی شادی کے معاملے میں آزاد ہے، ورنہ حمت بھی گھر کی بچی تھی، مگر صندیر خان کے سامنے کون زبان کھولے، تم آج ہر صورت شاہوار سے شادی کے معاملے پہ بات کرو گے۔'' بی جاناں نے از خود فیصلہ کرنے کے بعد حکم نامہ بھی جاری کر دیا تھا۔

پری گل پردے کی اوٹ سے ٹرے سمیت فوراً غائب ہو گئی تھی، اسے یہ نئی خبر حمت کو سنانا تھی، گو کہ اڑتی اڑتی ہوائیاں سبھی لوگ سن رہے تھے تاہم جب کوئی حتمی فیصلہ نہ سامنے آ جاتا اور مٹھائی وغیرہ نہ بٹتی تب تک بات پکی تو نہیں تھی، تاہم پری گل کو یقین تھا، اگر بی جاناں اس معاملے کے پیچھے ہیں تو سبا خانہ بھی جلد رخصت ہو کر اس بٹو محل سے جانے والی تھی، اس کے اندر بھرپور گدگدی ہو رہی تھی، اس نے فوراً حمت کو جا لیا۔

''آج پھر بڑے خان سے بی جاناں سبا خانہ کے رشتے کی بات کر رہی ہیں، ام کو یقین ہے، سبا خانہ بی بی کا بات پکی ہو کر رہے گا۔''

''ایسا ہو جائے تو کتنا ہی اچھا ہو، شاہوار لالا کس قدر شاندار ہے، سمجھو سبا خانہ کی زندگی بن جائے گی۔'' حمت نے دلی خوشی کے ساتھ دعائیہ انداز میں کہا تھا۔

''اور سنو بی بی! بی جاناں تو تمہاری بات بھی کر رہا تھا، بڑے خان کے ساتھ۔'' پری گل کا لہجہ رازدانہ تھا، حمت بری طرح سے ٹھٹک گئی تھی۔

''میری کس کے ساتھ؟'' اس کا دل بے ساختہ خوفزدہ ہوا، پری گل نے اس کے چہرے پہ پھیلے خوف کو دیکھا اور دھیمی آواز میں بولی۔

''صندیر خان کے ساتھ؟''

''ارے نہیں۔'' حمت کی بے ساختہ چیخ نکل گئی تھی، پری گل نے فوراً اس کے لبوں پہ ہاتھ رکھا تھا۔

''گھبراؤ نہیں، بی جاناں نے صرف بات کی ہے، اس سے آگے کچھ نہیں، صندیر خان سے یہ

بات کرنا کچھ آسان نہیں تھا، خان کا مزاج توبہ توبہ۔" پری گل نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے، حمت کی جیسے جان میں جان آئی تھی۔

"تم نے مجھے ڈرا دیا۔" اس کی اٹکی سانس بحال ہوگئی تھی، پھر اس نے پری گل سے کہا۔

"کسی طرح کوشش کرو، کہیں سے موبائل مل جائے، چاہے سستا سا ہو، میں پیسے دوں گی، دیکھو پری گل، انکار نہیں کرنا۔" اس کا انداز منت بھرا تھا۔

"کیا پہلے کبھی انکار کیا ہے بی بی! تم بھروسہ رکھو مجھ پہ، پری گل کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔" پری گل نے حامی بھر لی تھی، وہ حمت سے دلی محبت رکھتی تھی، حمت کی کوئی بات نہیں ٹالتی تھی، گو کہ کام تو مشکل تھا اور خطرناک بھی، لیکن حمت کی محبت میں وہ پہلے بھی خطرات میں کودتی رہی تھی، حمت نے پری گل سے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"تمہارا بابا کیا بتاتا ہے، بنگلے کا صاحب اب کیسا ہے؟" وہ بڑی امید کے ساتھ پوچھ رہی تھی، پری گل کی وساطت سے ہی اسے امام کی خیریت کا پتا چلتا رہتا تھا اور دل میں سکون کی لہریں اٹھنے لگتیں، ورنہ وہ تو امام کی زندگی کے لئے بالکل ہی مایوس ہو چکی تھی۔

"صاحب تو ٹھیک ہے، اب بالکل ٹھیک نہ سہی، البتہ ہسپتال سے گھر آ گیا ہے، اس کی دونوں ٹانگیں متاثر ہیں، ابھی وہ بستر پر ہے اور لمبی چھٹی پہ چلا گیا ہے، اس کے ساتھ ایک بری خبر بھی ہے۔" پری گل نے سر جھکا کر جھجکتے ہوئے بتا دیا تھا، حمت بری خبر پہ ٹھٹک گئی تھی۔

"بتاؤ پری گل! کون سی بری خبر ہے؟" اس کا دل بری طرح سے گھبرانے لگا تھا۔

"اس کی جگہ نیا صاحب بنگلے پہ آ گیا ہے، دنیا کا نظام تو چلتا ہی رہتا ہے، کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے ان لوگوں کو کیا فرق پڑتا؟ ایک چلا گیا تو دوسرا آ گیا۔" حمت کے دل پہ بوجھ اتر آیا تھا، آنکھوں میں امید ٹوٹنے لگی، جانے وہ ٹھیک ہو کر کبھی واپس یہاں آئے گا یا نہیں؟ حمت کی آزردگی پہ پری گل نے نرمی سے اسے ڈھارس پہنچائی تھی۔

"تم غم نہ کرو بی بی! دیکھنا وہ ضرور آئے گا، کام کے لئے نہ سہی، تمہارے لئے ضرور آئے گا۔" پری گل کے لفظوں میں نجانے کیا جادو تھا، حمت کی بجھتی آنکھوں کی جوت میں چمک سی آ گئی تھی، ہاں پری گل کی بات پہ بھروسہ کیا جا سکتا تھا، وہ جو کہتی تھی، ہو جاتا تھا، پری گل کی باتیں اور قیاس اکثر پورے ہو جاتے تھے۔

"تم دعا کرنا پری گل، وہ خیریت سے رہے، اسے کچھ بھی نہ ہو، میرے معافی مانگنے کے دورانیے تک، ورنہ حمت خود کو کبھی بھی عمر بھر خوش نہیں کر پائے گی۔" اس کی آنکھ سے ایک ستارہ گر کر ٹوٹ گیا تھا۔

"ایسا ہی ہوگا، اسے کچھ نہیں ہوگا، تم اس بات پہ یقین رکھو بی بی، خدا نے اسے موت کے منہ سے نکالا ہے اور وہ زندہ ہے، دیکھنا وہ تمہارے لئے ہی زندہ ہے اور وہ تمہارے لئے اتنا ہی بے قرار ہوگا۔" پری گل نے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ دباتے ہوئے اس کے ایمان پہ مہر لگائی تھی، حمت کے مایوس چہرے پہ روشنی سی اتر آئی۔

"کیا وہ اتنا ہی بے قرار ہوگا؟" وہ حیرت سے سوال کر رہی تھی۔

''کیوں نہیں۔'' پری گل نے سر اثبات میں ہلایا۔
''اور وہ واپس یہاں آئے گا؟'' وہ بچوں جیسی بے قراری سے یقین دہانی چاہ رہی تھی، پری گل نے اس کے یقین کو باطل نہیں ہونے دیا۔
''ضرور آئے گا، وہ ایسا نہیں کہ اپنے مقام سے ہٹ جائے، وہ بزدل نہیں۔''
''تو اسے کہنا پری گل! وہ اس دھرتی پہ چڑھتے سورج کی طرح طلوع ہو، جہاں بہت اندھیرا اور بہت خوف ہے، اس دھرتی کے باسیوں کو روشنی کی تلاش ہے، اسے کہہ دینا پری گل، وہ اس دھرتی پہ سپید سحر بن کر طلوع ہو۔'' حمت نے نم ہوتی آنکھوں کو مسلتے ہوئے اس سیاہی کو دیکھا، جو دھیرے دھیرے بیال کی خوبصورتی پہ پھیلتی جارہی تھی، رات کی سیاہی اجالے کو کھاتی جارہی تھی۔

☆☆☆

''مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا، اسامہ اتنا بڑا ہاتھ دکھا جائے گا، یہ تو میرا بھتیجا پر بڑا ہی چال باز نکلا۔'' فرح تلملاتی ہوئی اپنے شوہر سے مخاطب تھی، قریب ہی ولید موجود تھا اور شدید غصے میں بھرا بیٹھا تھا، وہ کچھ دن پہلے واپس دوبئی آچکے تھے، لیکن یہاں آکر بھی فرح کا ملال کم نہیں ہوا تھا۔
''اس نے ایسی چالاکی دکھائی کہ کیا کہنے، مفت و مفت بہن بیاہ دیا، ایک دھیلا بھی خرچ نہیں کیا، واہ، یہ لوگ تو چاہتے ہی یہی تھے۔'' فرح کا مارے رہانت اور غصے کے برا حال تھا۔
''اصل تو الو کی پٹھی تمہاری بھتیجی نکلی، سارا کیا دھرا اس کی بزدلی کا ہے، کر دیتی انکار تن جاتی اسامہ کے سامنے تو آج یہاں بیٹھی ہوتی۔'' فرح کے شوہر فراست کا ملال کسی طور کم نہ ہو رہا تھا، ساری فراست ہاتھ سے نکلتی دکھائی دے رہی تھی، نشرہ کیا گئی لاکھوں کی مالیت کا نہیں، کمرشل ایریا میں کروڑوں کی مالیت کا گھر بھی ہاتھ سے نکل گیا۔
''سارا قصور ممی کی جلد بازی کا ہے، نہ یہ شرط بیچ میں اٹکاتیں اور نہ ہمیں شرمندگی اٹھانا پڑتی ایک مرتبہ نشرہ یہاں آجاتی تو پھر میں دیکھتا، وہ لوگ کس طرح مکان پہ قبضہ جما کر بیٹھتے ہیں، انہیں دو دن کے اندر فٹ پاتھ پہ لے آتا۔'' ولید کا قلق کسی طور نہیں جا رہا تھا، اس نے تو اچھا بھلا نیا بزنس اسٹارٹ کرنا تھا، اتنا پیسہ ہاتھ آتا، نشرہ کا کیا تھا، اس گھر کے کسی کونے میں پڑی رہتی، اپنی وہ دبوسی کزن اسے ذرا بھی پسند نہیں تھی، اس کی پسندیدگی کا معیار تب تبدیل ہوا تھا جب اسے پتا چلا کہ نشرہ کروڑوں کی مالیت کے گھر کی اکلوتی وارث ہے، تب سے ہی اس نے نشرہ کے گرد اپنی پسندیدگی کا جال پھیلا دیا تھا، لیکن ہاتھ کیا آیا نری رسوائی، اب وہ احساس توہین سے تلملاتا پھر رہا تھا۔
''اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا، دیکھ لینا، بدلہ لے کر رہوں گا، مجھے جانتا نہیں اسامہ اور اس کا فراڈیا دوست۔'' ولید کا چہرہ زہر آلود تھا۔
''اب کیا فائدہ، سب کچھ تو تم ماں بیٹا ڈبو آئے ہو۔'' فراست نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا تھا۔
''خود ڈوبے ہیں تو صنم کو بھی ڈبوئیں گے، ایسے نہیں چھوڑوں گا کسی کو۔'' اسامہ نے سب کچھ پہلے سے طے کر رکھا تھا۔
''مجھے لگتا ہے، اسے کچھ نہ کچھ پہلے سے اندازہ ہو چکا تھا، ورنہ آناً فاناً نشرہ کا نکاح کیسے

ہوتا؟'' ولید کی انا پہ کاری ضرب لگی تھی، ابھی تک تلملا رہا تھا۔

''سارا قصور تمہاری ماں کی جلد بازی کا ہے۔'' فراست نے اپنی طرف سے فتویٰ صادر کر دیا تھا، فرح بری طرح سے بھنا گئی تھی۔

''اب سارا ملبہ تم باپ بیٹا مجھ پہ گرا دو، خود ہی تو اس شرط پہ مجھے مجبور کیا تھا۔''

''ہاں تب ہمیں یہ نہیں پتا تھا، وہ لوگ ولید کا متبادل لے آئیں گے، میں نے سوچ رکھا تھا، اگر انہوں نے شرط نہ مانی تو نکاح کر کے نشرہ کو یہاں لے آئیں گے، باقی کاروائی تو بعد میں ہو جاتی۔'' انہیں اپنے منصوبے کے فیل ہو جانے کا شدید قلق تھا، جبکہ ولید کی انا پہ ضرب پڑی تھی، وہ دہری اذیت کا شکار تھی، باپ کے لالچ سے ہٹ کر اسے اسامہ اور نشرہ پہ شدید غصہ تھا اور اب وہ اس غصے اور توہین کے بدلے کا پکا پروگرام بنا رہا تھا، وہ ایسے ان دونوں کو ہرگز بھی چھوڑنے والا نہیں تھا اور اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اسے نشرہ کی زندگی میں کیسے زہر گھول کر اسے طلاق دلوانی تھی۔

ایک بات تو طے تھی، نشرہ کو اس نے کسی طور بھی چین نہیں لینے دینا تھا، نشرہ کو بھی اتنا ہی خوار اور ذلیل ہونا تھا، جس قدر اسے خوار ہونا پڑا تھا، اتنے لوگوں کے سامنے ذلت اور شرمندگی اٹھانا پڑی تھی۔

''تم مان جاؤ، تمہاری بھتیجی کا اس پہ انگ گسیٹ سے پہلے ہی کوئی چکر تھا۔'' فراست نے مونچھوں کو تاؤ دے کر انتہائی واہیات لہجے میں کہا تھا، یوں کہ ولید تک ٹھٹک گیا، اسے اپنے باپ کی بات دل سے لگتی معلوم ہو رہی تھی۔

''اب رہنے دیں، وہ لڑکی ایسی نہیں۔'' فرح کو برا لگا، جو بھی تھا، بھتیجی تو تھی نا، کیسے اس کی عزت پہ حرف آنے دیتی، لیکن ولید اس بات کو جھٹلا نہیں سکا تھا، اسے باپ کی بات میں سچائی نظر آ رہی تھی۔

''پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں، ایسا کچھ ضرور ہوگا، تبھی وہ ڈاکٹر فوراً نکاح پہ تیار ہو گیا۔'' ولید کے اندر کا شاسا چھا، آنکھوں میں نفرت اور انتقام کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔

''چھوڑوں گا نہیں ان دونوں کو، دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔'' اس نے ایک دم زہر آلود لہجے میں کہا تو فرح ٹھٹک گئی تھی۔

''ہرگز نہیں، مٹی ڈالو سب کچھ پہ، اپنا دھیان کہیں اور لگاؤ، دفع مارو نشرہ کو۔'' فرح نے نرمی سے بیٹے کو سمجھایا تھا، لیکن وہ سمجھنے کی حدود سے آگے نکل چکا تھا، اس نے فیصلہ کر لیا تھا، جو ذلت اس نے اٹھائی تھی، اس ذلت میں وہ ہیام اور نشرہ کا حصہ لازمی طور نکالنا چاہتا تھا۔

وہ اپنا انتقام پورا پورا لینا چاہتا تھا، وہ نشرہ اور ہیام کی ازدواجی زندگی میں آگ ضرور لگانا چاہتا تھا، یہ اس کا فیصلہ تھا، اٹل فیصلہ۔

☆☆☆

گنہ گار پہاڑی کے پیچھے سورج غروب ہو رہا تھا۔

یہ ایک سرمئی شام کا منظر تھا، سورج دھیرے دھیرے نوکیلی پہاڑیوں کی اوٹ میں چھپ رہا

تھا، اس وقت گنہ گار پہاڑی کی ذیلی سڑک پہ آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی، کسان گھروں کو جا چکے تھے، چرواہے اپنے جانوروں کو ہانکتے باڑے کی طرف لے جا رہے تھے۔

اس وقت ماحول پہ سکوت طاری تھا اور کوئی تھا جو گنہ گار پہاڑی کی اوٹ میں بیٹھا تھا اور کچھ فاصلے پہ موجود ان دو قبروں کی طرف دیکھ رہا تھا، جو صدیوں سے تنہا تھیں، اکیلی تھیں اور ان کا پرسان حال کوئی نہ تھا، ودھا اور فرخزاد کی قبریں۔

اس کا دل غم و غصے کے جذبات سے لبالب بھرا تھا، جی چاہتا تھا، ساری مصلحتیں بلائے طاق رکھ کر فرخزاد کے قاتلوں کو ان کے انجام تک پہنچا آئے، لیکن ابھی اسے صبر اور ضبط سے کام لینا تھا، ابھی اسے جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کرنا تھا، اس کی آنکھوں میں کروٹیں لیتا درد اسے کئی سال پیچھے دھکیل رہا تھا۔

اس شب جب شیر شاہ لالہ شہر سے اپنی پجارو میں بیٹھ کر آئے تھے اور نوعمر بیس سالہ فرخزاد کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے، اس شب جہاندار بھی گلگت میں اپنے آبائی گھر آیا ہوا تھا، بابا کے ہمراہ اور بڑی اماں کا موڈ اس شب شدید خراب تھا، جانے جہاندار کی وجہ سے یا فرخزاد کی وجہ سے۔

اسے اندازہ تھا ماحول آج ناساز ہے، کیونکہ سب کے موڈ بگڑے تھے جبکہ شیر شاہ لالا بہت غصے میں معلوم ہوتے تھے، بس ان میں ایک فرخزاد تھا جو نارمل تھا اور اس کے خوبصورت چہرے پہ فی الوقت کوئی تاثر نہیں تھا۔

جہاندار کو وقتی طور پہ ان سب کے موڈ بگڑنے اور ماحول کی کشیدگی کی وجہ معلوم نہیں تھی، تاہم اسے اتنا اندازہ ضرور تھا کہ بڑے لالا کو فرخزاد لالا پہ شدید غصہ ہے۔

''اسے سمجھائیں اماں! میں آئے دن اس کے بگڑے معاملے کو سنبھال نہیں سکتا، شہر میں میرے سو جھمیلے ہیں، میرے بچے ڈسٹرب ہو رہے ہیں اور یہاں اس کی لڑائیاں ختم نہیں ہوتیں۔''

ان کی توپوں کا رخ فرخزاد کی طرف تھا، جو اپنی آنکھوں کو جھکا کر بوٹ کی ٹوہ سے قالین کے دھاگے کھرچ رہا تھا۔

''فرخزاد جانے کب بڑا ہوگا، میں اس کی نادانیوں پہ کہاں کہاں پردے ڈالوں؟'' شیر شاہ لالا غصے میں لال بھبھوکا تھے۔

''اگر یہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو اس کا گلگت آنا بند ہو جائے گا، وہیں رہے گا شہر میں۔''

وہ دو ٹوک لہجے میں بات کر رہے تھے، اٹل اور فیصلہ کن، پہلی مرتبہ فرخزاد کے لہجے میں بے چینی اتری تھی، وہ مضطرب انداز میں بڑے لالا کو دیکھنے لگا تھا۔

''پڑھائی کا کچھ خیال نہیں، ہر ویک اینڈ پہ یہاں لڑائیاں کرنے بھاگ آتے ہو۔'' لالا نے نوکیلی نظروں سے فرخزاد کو گھورا تھا، بڑی اماں ہتھیلیاں مسلتی بے بس تھیں اور وہ لالا کو روکنے اور فرخزاد کو بچانے کی کوشش میں ناکام ہوتی دکھائی دے رہی تھیں، ورنہ یہ بڑی اماں ہی تھیں، جو فرخزاد کے سامنے ڈھال بن جاتی تھیں۔

''اس کو صفائی کا موقع تو دو۔'' بالآخر بڑی اماں نے سفارشی لہجے میں بڑے بیٹے سے التماس کی تھی۔

''کون سی صفائی؟ اس کے پاس ایک ہزار ایک بہانہ ہے، کوئی نہ کوئی تاویل گڑھ لے گا۔'' لالا اس سے بہت ہی بدگمان دکھائی دے رہے تھے۔

''لالا! لوگ خواہ مخواہ آپ کو میرے خلاف بھڑکاتے ہیں، آپ فردوسی بابا سے پوچھ لیں، میرا قصور کم تھا، مخالف پارٹی کا زیادہ تھا، وہ لوگ کھیل میں بے ایمانی کررہے تھے۔'' کچھ دیر بعد بڑی اماں کا اشارہ پاکر فرخزاد نے لب کشائی کر ہی لی تھی۔

''تو کرنے دیتے، ہاتھا پائی کی کیا ضرورت تھی؟'' لالا غصے میں کھول کر بولے۔

''پہل میں نے نہیں کی تھی۔'' وہ معصومیت سے کہہ رہا تھا اور اس کی معصومیت پہ کون نہ قربان ہو جاتا۔

''جس نے بھی کی تھی، تم لڑائی شروع ہوتی دیکھ کر واپس آجاتے۔''

''ایویں ہی۔'' فرخزاد بدک گیا تھا۔

''رہنے دیں لالا! میں فرخزاد ہوں اور بزدل نہیں ہوں۔''

''اپنی یہ بہادری ہم تک محدود رکھو، دیکھو فرخزاد ہمیں کسی سے لڑنا جھگڑنا نہیں، خون خرابا ہماری تربیت میں شامل نہیں، یہ بات میں تمہیں کن الفاظ میں سمجھاؤں۔'' لالا نے بے بسی سے اپنے ماتھے پہ ٹہوکا دیا تھا۔

''لالا! میں خود سے لڑائی نہیں کرتا، لوگ لڑائی کا ماحول بنا لیتے ہیں۔'' وہ لالا سے زیادہ بے بس تھا۔

''یہی تو میں تمہیں سمجھاتا ہوں، تم یہاں کے لوگوں کو نہیں جانتے، دیکھو فرخی تمہیں سنبھل کر چلنا ہے، سنا تم نے۔'' بڑے لالا غصے میں بھی تحمل کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔

''سن لیا ہے، پر میں پولو نہیں چھوڑ سکتا، میرا گھوڑا علاقے کا سب سے قیمتی گھوڑا ہے، لوگ میری اور میرے گھوڑے کی مقبولیت سے جلتے ہیں۔'' اس نے منہ بنا کر کہا تھا۔

''اب مجھے تمہاری کوئی شکایت نہیں ملنی چاہیے۔'' لالا کا انداز وارننگ دینے والا تھا۔

''چاہے کوئی بھی بے ایمانی سے فرخزاد کو پچھاڑ ڈالے؟'' وہ صدمے سے بے حال ہو گیا تھا۔

''بے ایمانی سے کوئی بھی نہیں جیت سکتا اور اگر کوئی جیت بھی جائے تو اس کی خوشی دائمی نہیں ہوتی، لیکن فرخزاد، لڑائی جھگڑا اچھا نہیں، کسی کا زیادہ نقصان ہو جاتا اور فرض کرو، تمہارا خون ہی بہہ نکلتا تو کیا میں چین سے بیٹھتا، اس لئے کہہ رہا ہوں، بہت سنبھل کے رہو اور گلگت کم کم آیا کرو۔'' لالا کا انداز اب پہلے سے نرم تھا، فرخزاد ان کی اگلی بات پہ متوحش ہو گیا۔

''پہلے کہتے تھے گلگت باقاعدگی سے آیا کرو اب کہتے ہیں گلگت نہ آیا کرو، میں کروں تو کیا کروں؟'' اس نے بے بسی کے عالم میں دہائی دی تھی اور اس وقت بات آئی گئی ہو گی، فرخزاد فطری طور پر بہت معصوم تھا، لڑائی جھگڑنے کی کبھی بھی ابتداء نہیں کرتا تھا، ہاں اگر لڑائی شروع ہو جاتی تو اس میں کود ضرور پڑتا تھا اور بابا وغیرہ کو اس کی یہ عادت بری لگتی تھی، کیونکہ فرخزاد کو بہت دفع نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

اس کے بعد جہانداد بابا کے ساتھ کراچی آگیا، وہ بھی کبھار چھٹیوں میں گلگت جاتا تھا، جہاں

یہ اس کا بھائی اپنے کالج سے چھٹیاں لے کر پہلے سے موجود ہوتا، جہاندار کو فرخزاد سے کوئی جنونی لگاؤ تھا، اسے فرخزاد میں اپنا ہی عکس نظر آتا تھا، وہ گلگت صرف آتا ہی فرخزاد سے ملنے کے لئے تھا۔

اسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب ایک رات اچانک بابا کو گلگت سے بلاوا آ گیا، اس رات بھی بابا جہاندار کو ساتھ لے کر گلگت روانہ ہو گئے تھے اور بابا اس رات شدید پریشان تھے۔

جہاندار اتنا ناسمجھ نہیں تھا جو بابا کی فکر کو نہ سمجھتا، وہ اس وقت سیکنڈری کلاسز میں تھا اور اپنے قد کاٹھ سے بہت لمبا اور بڑا بڑا لگتا تھا اور اسے اندازہ تھا، اب بھی کوئی فرخزاد کا نیا مسئلہ تیار تھا، جب وہ لوگ گلگت پہنچے تو بڑی اماں شدید ہراساں تھیں، وہ بابا کو دیکھ کر رونے لگیں۔

''اچھا کیا تم آ گئے خان، ایسا کرو، اپنے اس بیٹے کو بھی یہاں سے لے جاؤ۔'' بڑی اماں شدید پریشان تھیں اور بابا متفکر، اس شب لالا بھی پہنچ گئے تھے اور جہاندار کو لگتا تھا، اس کے لاڈلے فرخزاد کو اس شب اماں بھی لالا کے عتاب سے بچا نہیں سکیں گی اور اسے ڈر تھا، اتنے لمبے فرخزاد کو لالا سے مار نہ پڑ جائے۔

لیکن آج بڑا عجیب معاملہ ہو گیا تھا، لالا کو فرخزاد پر قطعی طور پہ غصہ نہیں آیا تھا، بلکہ لالا کو کسی اور پہ غصہ تھا، جو وہ بہت اونچا اونچا بول رہے تھے اور فرخزاد کو حق بجانب سمجھ رہے تھے۔

''اچھا کیا، فرخزاد نے ان لوگوں کو منہ توڑ جواب دیا، وہ کون ہوتے ہیں، ہماری پکی فصل کو تباہ کرنے والے اور لکھوا لیں مجھ سے، یہ سوچی سمجھی سازش کے سوا کچھ نہیں، ہماری فصل کو جان بوجھ کر خراب کیا گیا ہے۔'' لالا غصے میں بول رہے تھے، غصہ تو بابا کو بھی تھا لیکن وہ تحمل کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

''پھر بھی فرخزاد کو براہ راست ان پر الزام تراشی نہیں کرنی چاہیے تھی، پہلے تصدیق کرتا۔'' بابا کا انداز متفکر اور پرسوچ تھا۔

''تاکہ ان لوگوں کو ڈھیل ملتی، بابا یہ دوسری مرتبہ ہو رہا ہے، وہ ہر دفعہ ہماری فصل کا نقصان کرتے ہیں، کبیر بٹو ایک انسان نہیں، ایک شیطان ہے اور اب اس نے اپنا بھیجتا ساتھ ملا لیا ہے۔'' لالا کا غصے اور رہانت کے مارے برا حال تھا۔

''ٹھنڈے رہو، بچے میں اس معاملے کو دیکھتا ہوں۔'' بابا نے حلاوت و تحمل سے کہا تھا، وہ اس معاملے کو بگاڑنا نہیں چاہتے تھے۔

''اب یہ وقت ٹھنڈے رہنے کا نہیں، کبیر بٹو نے اپنے بھیجتے کو دست راست بنا لیا ہے، اس کو بھڑکا کر ہر معاملے میں گھسیٹ لیتا ہے۔'' لالا کو کبیر بٹو پہ شدید تاؤ تھا۔

''وہ ناسمجھ لڑکا ہے، ہمارے جہانی سے ایک دو سال ہی بڑا ہو گا، کبیر بٹو اسے غلط استعمال کر رہا ہے، یہ اس کے اپنے حق میں بھی بہتر نہیں۔'' بابا نے اپنی گھنی ریش میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

''اس نے فرخی کے گریبان پہ ہاتھ ڈالا ہے بابا، اس کی اتنی جرأت؟ وہ علاقے کے سردار ہیں تو ہم بھی اپنے قبیلے کے سردار ہیں، یہ ہماری عزت پہ تازیانہ ہے، بات یہاں نہیں رکے گی بلکہ آگے بڑھے گی، میں فرخزاد پہ ہاتھ ڈالنے کا جواب انہیں ضرور دوں گا، تاکہ آگے ان کی ہماری

طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت بھی نہ ہو۔" لالا کو جہاندار نے کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا، آج لالا کا غصہ دیکھنے کے لائق تھا، جہاندار کو جلد ہی پورا معاملہ سمجھ میں آ گیا تھا۔
کبیر بٹو نے بیال والی ان زمین اور فصل کو جانوروں سے خراب کروایا تھا، ان کی پوری فصل تباہ ہو چکی تھی اور اس بات پہ فرخزاد اور صندیر کے بیچ گرما گرمی بھی ہوئی، صندیر نے فرخزاد کے اوپر ہاتھ اٹھایا تھا اور لالا کو اس بات پہ بے پناہ غصہ تھا جبکہ فرخزاد اس معاملے میں خاموش تھا، جب لالا نے کہا۔
"مار کھا کے واپس آ گئے ہو، تف ہے تمہاری مردانگی پہ۔" تب فرخزاد نے دکھی انداز میں لالا کو دیکھتے ہوئے بس اتنا کہا تھا، اس کی آواز دھیمی تھی۔
"آپ نے کہا تھا، اب شکایت نہ آئے، میں جواباً ہاتھ اٹھاتا تو وہ بندوق اٹھا لیتا، معاملہ اور بگڑتا اور آپ پھر مجھ پہ خفا ہوتے۔" فرخزاد کے جواب نے چند پل کے لئے لالا کو خاموش کر دیا تھا۔
"پاگل ہو، وہ ہمارے دشمن ہیں اور دشمنوں کے لئے کوئی رعایت نہیں۔" لالا نے کچھ دیر بعد غصے میں کہا تھا، تب فرخزاد خاموش ہو گیا تھا، وہ نہ فطرتاً جھگڑالو تھا نہ غصہ ور لیکن جو اس کے ساتھ زیادتی میں پہل کرتا تھا وہ اسے کسی قیمت پہ نہیں چھوڑ سکتے تھے، پھر جانے صندیر خان کو جواب کیوں نہیں دیا؟ یہ حقیقت جہاندار پہ بہت جلدی آشکار ہو گئی تھی۔
جب وہ دونوں ٹھنڈے چشمے کے پانی میں پاؤں ڈبو کر تلی ہوئی مچھلی کے قتلے کھا رہے تھے، تب فرخزاد نے اسے پاؤں کا ٹھوکا دے کر اپنی طرف متوجہ کیا تھا، وہ مچھلی کو بھول کر فرخزاد کو دیکھنے لگا۔
"جانتے ہو، میں بھی صندیر خان کو ایک پنچ مار سکتا تھا۔" فرخزاد ٹھنڈی کولڈ ڈرنک کے گھونٹ بھرتا مزے سے بولا۔
"تو پھر مارا کیوں نہیں؟" اس نے حیرت سے آنکھیں گھما کر پوچھا۔
"ایسے ہی۔" وہ کچھ بولتے بولتے ٹال گیا تھا۔
"اب بتا دو، وعدہ کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" اس نے فرخزاد کو یقین دہانی کروانی چاہی تھی۔
"بہت چالاک ہو تم جہانی، بات اگلوا لیتے ہو۔" فرخزاد نے لاڈ سے جہاندار کی ناک کھینچی تھی۔
"تم خود بھی بتانا چاہتے ہو لالا۔" وہ بھی اس کے انداز میں لاڈ جتا کر بولا تھا۔
"ہاں نا، تمہیں بتائے بغیر کہاں جاؤں گا۔" اس نے کان کھجاتے ہوئے بے بسی کا مظاہرہ کیا۔
"میں ایک ہی تو دوست ہوں تمہارا۔" جہاندار کا لہجہ فخریہ تھا۔
"یہ تو تسلیم شدہ حقیقت ہے۔" فرخزاد نے سر تسلیم خم کیا۔
"چلو پھر بتا دو۔" جہاندار نے مچھلی کا آخری قتلا بھی اٹھا کر کھا لیا۔
"سوچ لو، اماں لالا اور بھابھی کو پتا نہیں چلنے کا۔" فرخزاد نے دھمکی بھرے لہجے میں جتلا کر

کہا تھا۔
"اچھا، پہلے کبھی غداری کی ہے؟" وہ چمک کر بولا تھا۔
"ارے نہیں، نا، کبھی تو تم جان ہو میری۔" فرخزاد نے اس کا گال کھینچ لیا تھا۔
"بس بس، مسکہ نہیں لگے گا۔" وہ تجاہل عارفانہ سے بولا۔
"تو بڑی چیز بنتا جا رہا ہے جہانی۔" فرخزاد نے اسے ڈھیر ساری گدگدی کی تھی، نتیجتاً وہ پانی میں گر گیا اور اب وہ باہر نکل کر فرخزاد پہ پانی پھینک رہا تھا۔
"بڑا جو ہو گیا ہوں۔" اس نے بالآخر فرخزاد کو بھگو کر بدلہ اتار لیا تھا۔
"ہاں ہاں دیکھ لیا میں نے، تو بڑی چیز بن گیا ہے جہانی۔" فرخزاد نے اپنے گیلے بال جھاڑتے ہوئے خفگی دکھائی تھی۔
"اب بتا بھی چکھو، مجھے سردی لگ رہی ہے۔" اس کے حقیقتاً دانت بج رہے تھے۔
"میں بتاتا ہوں یار۔" فرخزاد نے ذرا سوچ کر تمہید باندھی تھی۔
"وہ کیا ہے نا کہ صندیر خان کو پنچ مارنا بڑی بات نہیں ہے، میں اسے پنچ مار سکتا تھا، مگر نہیں مارا، پتا ہے کیوں؟" اس کی آنکھوں میں آن کی آن میں ڈھیر ساری روشنی بکھر گئی تھی، جہاندار دلچسپی سے اسے دیکھتا رہا۔
"کیوں؟"
"وہ اس لئے کہ صندیر ودھا کا کزن ہے، ودھا جانتے ہو کون ہے؟" وہ دبے دبے جوش کے عالم میں اس کا بازو دبوچے پوچھ رہا تھا، جہاندار نے ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈال کر چلو بھرا اور فرخزاد کی طرف اچھالتے ہوئے بولا۔
"ودھا وہی ہے نا، جس کی خاطر تم نے صندیر خان کو پنچ نہیں مارا۔" جہاندار کے بتانے پر وہ بے ساختہ گہرا سانس بھر کے مسکرانے لگا تھا اور اس کی آنکھوں میں بیال کی بیلوں پہ اترتے جگنو چمکتے تھے۔
اس وقت پہلی مرتبہ جہاندار کو احساس ہوا تھا، اس کا بھائی دل جیسی قیمتی متاع لٹا آیا ہے اور نو عمری کی کچی سوچ رکھنے والے اس کے بھائی جہاندار کو خبر نہ تھی کہ اس کا بھائی فرخزاد دل کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی بھی لٹا آیا ہے۔
اس نے گنہ گار پہاڑی کی اوٹ سے فاتحہ خوانی کی اور منہ پہ ہاتھ پھیرتا لوٹ آیا، اس حال میں کہ اس کے اندر ایک حشر برپا تھا اور بڑی تکلیف دہ یادوں کا کارواں جاری تھا۔
گھر آنے تک بھی وہ حالت سفر میں رہا، ایسا سفر جو جانے کتنے سال سے جاری تھا اور ابھی تک اس کی منزل کہیں نہیں تھی اور جانے کتنا سفر مزید کرنا باقی تھا۔
ابھی تو ایک جنگ باقی تھی، ایک لمبی بقا کی جنگ۔
اور ابھی لامحدود سفر اب شروع ہوا تھا، گلگت سے لے کر بیال تک، اسے سردار بٹو کے خاندان سے اس پولو گراؤنڈ کی ویرانی اور اپنے گھر کی بربادی کا پورا حساب لینا تھا، اسے سردار بٹو سے انتقام لینا تھا اور اس انتقام کی ابتداء نیل بر کی صورت میں ہو چکی تھی، اب تو انتہا پہ جانا تھا اور

اس کے بعد گہرا سکون، جو جہاندار کے دل سے اس رات ہی اٹھ گیا تھا، جب اس کے گھر سے تین تین جنازے اٹھے تھے۔

جب یہ حویلی سنسان ہو گئی تھی، جب اس کی بھابھی بھری جوانی میں بیوہ ہو گئی تھی، جب اس کے بھتیجے یتیم ہو گئے تھے، جب بھابھی اپنے بچوں کو لے کر لاپتہ ہو گئی تھی، اس نے اپنا سراغ تک نہ چھوڑا تھا، جب بہن اجڑ کر غیر علاقے میں بس گئی، جب جہاندار کئی سالوں تک منہ چھپائے کراچی میں چھپا رہا، اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو بحال کرتا رہا، جب جرگے نے اس کے خاندان پہ علاقہ بدری کا فتویٰ لگا دیا، اس کا گھر اس کی زمینیں، باغات، مال و اسباب سب ضبط کر لیا گیا، وہ اپنے خاندان کا واحد فرد بچا تھا اور باقی لوگ لاپتہ تھے، ان کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

وہ کہاں تھے؟ اسے کچھ خبر نہ تھی۔

بھائی کا خاندان برباد ہوا اور بہن کا بھی، اس سارے قصے میں قصور جانے کس کا تھا؟ لیکن ساری اذیتیں فریدے خاندان کے حصے میں آئی تھیں۔

اور اب وقت تھا کہ ان اذیتوں کو لوٹانے کا، انتقام لینے کا بدلہ لینے کا، حساب پورا کرنے کا۔

دل آج کے دن بہت پریشان تھا، آج کا دن جس کا وقت ڈھل گیا تھا اور اب رات تھی، رات جو سیاہ تھی، رات جو اندھیرے میں ڈوبی تھی، رات جو اذیت ناک تھی، رات جو تکلیف دہ تھی، نوکیلی یادوں سے بھری، ایک اور رات؟

وہ حویلی پہنچا تو پوری حویلی اندھیرے میں ڈوبی تھی۔

باورچی خانے سے فردوسی بابا کی آواز آ رہی تھی، لگتا تھا، نیل بر نے عارضی طور پر ایک خانساماں بھرتی کر لیا تھا، بابا مالی سے باورچی بن چکا تھا۔

وہ ''لاحول'' پڑھتا اندر چلا آیا، اپنے اسی ہال نما برائے نام فرنیچر والے روم میں، جس میں نیل بر کا بھی قیام تھا اور اس وقت وہ نیل بر کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا، دماغ پہلے سے گرم تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ نیل بر پہ اپنی ساری کھولن اتار دے، فی الوقت وہ کسی کا بھی سامنا کرنے سے گریزاں تھا۔

گنہ گار پہاڑی سے واپسی پر اس کے مزاج کی برہمی سے ابھی نیل بر واقف نہیں تھی تبھی تو جہاندار کو دیکھ کر اپنی بے ساختہ چھینکوں سے بے حال ہوتی خفگی سے بولی تھی۔

''اتنے برے تو جیلر بھی نہیں ہوتے، جتنے کہ تم برے ہو، قیدیوں کے ساتھ بھی اتنا برا سلوک نہیں ہوتا۔'' نیل بر کے الفاظ نے جہاندار کے کھولتے دماغ میں ایک لمبا ابال اتارا تھا وہ جو جوتے اتار رہا تھا، ایک دم ٹھٹک گیا، وہ اپنی جھونک میں بولتی جا رہی تھی۔

''مانا کہ میرے بابا کی مجبوری تمہارے بڑے کام آئی ہے، لیکن انسان میں ذرا سی انسانیت تو باقی ہونی چاہیے۔''

''کیوں میں نے کون سا انسانیت سوز کام کیا ہے؟'' جہاندار نے تیوری پہ بل ڈال کر نیل بر کی طرف رخ کیا تھا، وہ لگاتار دو تین چھینکیں مارتی لحظہ بھر کے لئے رکی تھی۔

''ابھی کچھ کسر رہتی ہے کیا؟'' نیل بر کا لہجہ طنزیہ تھا، کاٹ دار سا اور یہ طنز اسے اپنی موجودہ

حیثیت میں زیب تو نہیں دیتے تھے، لیکن تھی تا سردار بٹو کی بیٹی، رسی جل گئی تھی، بل کیسے جاتے۔
اسے جہاندار کی سرخ آنکھوں کی وحشت نے گھبرا دیا تھا، اس کے ارادے نیل بر کو اچھے معلوم نہ ہوتے تھے، وہ قریب آ کر عجیب انداز میں پھنکارا تھا، نیل بر کی ساری طراری ہوا ہو گئی تھی۔
''اتنی مرتبہ سمجھایا ہے، مجھے غصہ مت دلایا کرو۔'' اس کا لہجہ بلا کا دھیما سلگتا ہوا تھا، نیل بر کانپ سی گئی۔
''میرا غصہ تمہارے لئے وبال بن جائے گا، مگر تم ہو کہ باز نہیں آتی۔'' وہ اس کے بازو کو دبوچ کر جھٹکا دیتے ہوئے دھیمی آواز میں غرایا تھا، یوں کہ نیل بر توازن برقرار نہ رکھ سکی تھی اور بے قابو ہو کر جہاندار کے سینے پہ ڈھیر ہو گئی، جہاندار کا لہجہ آن کی آن میں بدل گیا تھا اور نیل بر کی حالت غیر تھی۔
''تم جان کے مجھے سلگاتی ہو اور پھر میرے جذبات کی گرمی اور تپش بھی سہہ نہیں پاتی، ایک کام کیا کرو نیل بر اگر یہاں رہنا ہے تو پرانے نخرے بھلا دو، جب تم سردار بٹو کی بیٹی کے روپ میں شاہانہ ناز و ادا دکھاتی ہو تو میرا دل کرتا ہے تمہیں نیست نابود کر دوں۔'' وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتا اپنے آپے میں نہیں رہا تھا اور نیل بر اس وقت کو کوس رہی تھی، جب اس ستم گر کو احساس دلانے کی کوشش میں غلطی کر بیٹھی تھی۔
''دیکھ لیں، نیست و نابود کرنے کے چکر میں خود گھائل نہ ہو جانا۔'' وہ بھی تو نیل بر تھی، اپنی حاضر جوابی اور شاہانہ موڈ کو کیسے ترک کر دیتی، اینٹ کا جواب پتھر کے ساتھ تیار تھا۔
جہاندار جو جذبات کی رو میں بہک کر کچھ دیر پہلے کی اذیت کو کم کرنے کی کوشش میں تھا، لمحہ بھر کے لئے چونک گیا، نیل بر کے نرم گرم وجود کی ساری سحر انگیزی اور ساحری بھاپ بن کر اڑنے لگی تھی، نیل بر کے الفاظ اس کی انا کے لئے تازیانہ تھے، وہ ایک جھٹکے سے نیل بر کو خود سے دور کرتا اٹھ بیٹھا تھا۔
نیل بر اس حملے کے لئے بھی تیار نہیں تھا، وہ اس دفع پھر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور اس کا سر بری طرح سے اونچے پلنگ کراؤن سے ٹکرا گیا تھا، وہ ایک کراہ کے ساتھ زمین پہ جا گری تھی۔
جہاندار کچھ دیر کے لئے بیٹھا تماشا دیکھتا رہا، وہ گھٹنوں میں منہ دیئے بیٹھی تھی، اسے اندازہ نہیں ہو رہا تھا، کہ نیل بر کو چوٹ کہاں لگی تھی؟

کچھ دیر بعد اسے نیل بر کے ہاتھوں پہ خون کی لکیر دکھائی دی تھی، وہ چونک کر سیدھا ہوا اور تیزی کے ساتھ پلنگ سے اتر کر زمین پہ دو زانو بیٹھ گیا تھا، نیل بر کے بالکل قریب، پھر اس نے نیل بر کے دونوں ہاتھ پکڑ کر زخم کا جائزہ لینا چاہا تو نیل بر نے غصے میں اس کے دونوں ہاتھ جھٹک دیئے تھے۔
''ڈونٹ ٹچ می جہاندار۔'' نیل بر کے لہجے میں واضح پھنکار تھی، جہاندار ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا، اس کے ماتھے سے خون کا فوارہ پھوٹ رہا تھا۔

(جاری ہے)

خوشبو کے سنگ

فرزانہ حبیب

''آئزہ...... آئزہ یار اٹھو ناں۔''
شانزے نے اپنی چچا زاد بہن اور بیسٹ فرینڈ آئزہ کو اٹھاتے ہوئے کہا جو ابھی کچھ دیر پہلے اپنے ٹیسٹ کی تیاری کر کے سوئی تھی۔

''اوف او، شانزے کیا مصیبت ہے ابھی میری آنکھ لگی تھی، مجھے صبح کالج بھی جلدی پہنچنا ہوتا ہے مگر تمہیں ذرا بھی احساس نہیں۔'' آئزہ نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولتے ہوئے اس کی طرف غصے سے دیکھا جو رات کے اس پہر اسے بہت بری لگ رہی تھی۔

''اوہ ہو، مجھ سے صبح کا انتظار نہیں ہوسکتا تھا ناں، پھر میرے دماغ سے وہ نکل جاتا ہے۔'' شانزے نے بیچارگی سے کہا۔

''کیا نکل جاتا ہے، کیا اول فول بکی جارہی ہو، مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔'' آئزہ نے ایک بار پھر خود پر کمبل ڈالتے ہوئے بیزاری سے کہا اس سے پہلے وہ دوبارہ نیند میں ڈوبتی شانزے نے اسے دوبارہ اٹھا کر بٹھا دیا۔

''ارے آئزہ میری پیاری سی دوست، تم ہی تو ہو جس سے میں ہر بات شیئر کرتی ہوں۔'' اس بار آئزہ مکمل طور پر بیدار ہو چکی تھی۔

''دیکھو شانزے اگر تمہارا اشارہ اپنی اوٹ پٹانگ شاعری کی طرف ہے تو پلیز مجھے معاف ہی رکھو، کل میرا اتنا اہم ٹیسٹ ہے Math جیسے خشک سبجیکٹ کی تیاری کر کے ویسے ہی میرا دماغ خالی ہو چکا ہے، اس میں مزید تمہاری بے سروپا شاعری کھپانے کی گنجائش نہیں۔'' یہ کہہ کر وہ کمبل میں دوبارہ گھس چکی تھی۔

''افوہ تمہیں کیا معلوم بدذوق لڑکی، دیکھنا ایک دن میں ادب کی دنیا کا روشن ستارہ بنوں گی اس وقت تم لوگ آٹوگراف لینے کے لئے میرے پیچھے پیچھے پھرو گے، مگر پھر دیکھنا میں تم لوگوں کو لفٹ نہیں کرواؤں گی۔''

''اچھا مستقبل کی عظیم شاعرہ، ابھی تو سو جائیں اور مجھے بھی سکون سے سونے دیں اور ہاں یہ لائٹ ضرور آف کر دیجئے گا۔'' ناچار شانزے کو بھی سونا پڑا۔

☆☆☆

شانزے اور آئزہ چچا زاد تھی، دونوں گریجویشن کی طالبات تھی آئزہ جتنی سنجیدہ طبیعت کی مالک تھی شانزے اتنی ہی لاابالی اور کھلنڈری تھی مستقل مزاجی تو اس کی فطرت میں شامل ہی نہیں شعلہ سیماب مزاج تھا پل میں کچھ پل میں کچھ، آج کل اس پر شاعری کا بھوت سوار تھا، سارا دن اس کے ہاتھ میں ایک ڈائری اور قلم ہوتا اور وہ بے سروپا غزل اور نظم لکھ کر آئزہ کا دماغ کھاتی رہتی، آئزہ کبھی کبھی اس کا دل رکھنے کے لئے سن لیتی اور کبھی انکار کر دیتی، شانزے کی والدہ بھی اس کی بچکانہ حرکت سے عاجز تھیں گھر کے کام کاج میں اس کی دلچسپی صفر تھی، ابھی بھی لان میں پڑے جھولے پر بیٹھی کسی شعر پر طبع آزمائی کر رہی تھی جس کا ایک مصرعہ تو اس کی سمجھ میں آ گیا تھا مگر دوسرے مصرعے کا صحیح توازن نہیں بن پا رہا تھا، اسی وقت ان دونوں کا پھپھو زاد حمزہ اندر داخل ہوا۔

''اوہ ہو لوگ مطالعے میں ایسے غرق ہیں کہ

نہ انہیں ہماری آمد کا خیال ہے نہ ہی کوئی سلام دعا، ویسے بائی داوے تم لکھ کیا رہی ہو؟ آئزہ کے ذریعے پتہ چلا ہے کہ آج کل تک چچا غالب کی روح کو تڑپا رہی ہو۔" حمزہ کا اشارہ اس کی شاعری کی طرف تھا، شانزے نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ارے ارے ظالم حسینہ! ایسی قاتلانہ نظروں سے نہ دیکھو ورنہ بندہ دنیا سے گزر جائے

گا۔" حمزہ نے اس کی معصوم ساحرانہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مصنوعی خوف سے کہا۔

"حمزہ پلیز مجھے ڈسٹرب نہ کرو، مجھے ماہنامہ حنا میں اپنی شاعری بھیجنی ہے میں نے اپنی تمام دوستوں کو چیلنج کیا ہے کہ اس بار میری غزل ایسی ہوگی کہ ادارہ اسے شائع کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"ہاہاہا تم اور حنا جیسے معیاری میگزین میں شاعری بس سہانے خواب ہی دیکھتے رہو جس کی کبھی تعبیر نہیں ملتی ارے کہاں پروین شاکر جیسی نامور شاعرہ اور کہاں تم؟ جسے مطلع اور مقطع کا فرق بھی نہیں پتہ ہوگا اور چلی ہیں اس میں طبع آزمائی کرنے ہونہہ۔" اسی وقت آئزہ بھی وہاں آ گئی اور حمزہ کے ساتھ مل کر اس کا مذاق اڑانے لگی، شانزے کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور خلاف توقع ان پر جوابی حملہ کرنے کے بجائے وہاں سے وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی جس پر حمزہ نے چونک کر اور آئزہ نے حیرانی سے اس کے ردعمل کو دیکھا۔

"ارے اسے کیا ہوا ہے؟ ہم تو ہمیشہ مذاق کرتے ہیں مگر اس نے کبھی پرواہ نہیں کی مگر آج اس کا موڈ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا۔" حمزہ اور آئزہ نے اسے منانے کی کوشش کی اور معافی بھی مانگی۔

"اٹس او کے میں ٹھیک ہوں، مجھے تم لوگوں سے کوئی شکوہ نہیں تم لوگوں نے صحیح کہا مجھ میں شاید شاعری جیسے باذوق ہنر کی صلاحیت نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے بات ہی ختم کر دی اب کہنے کے لئے باقی کچھ نہیں بچا تھا اس کے بعد آئزہ کے ساتھ ساتھ سب نے ہی اس کی شخصیت میں تبدیلی اور ٹھہراؤ محسوس کیا اب وہ گھریلو کاموں میں بھی دلچسپی لینے لگی تھی، جس سے ماما بہت خوش تھی مگر آئزہ کو اس کی سنجیدگی وخاموشی بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھی، ایسے وہ لاپرواہ، شور مچاتی، تنگ کرتی شانزے پسند تھی۔

☆☆☆

آج صبح سے موسم ابر آلود ہو رہا تھا آسمان پر بادل ایک دوسرے کے تعاقب میں برسنے کے لئے تیار تھے، شانزے کو سردیوں کی ٹھٹھرتی برسات کی شامیں بہت پسند تھی کافی دنوں بعد آج وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی اس کے ہاتھ میں گرم بھاپ اڑاتا کافی کا مگ اور مخصوص ڈائری تھی، آئزہ جو وہی لان میں پودوں کو پانی ڈال رہی تھی شانزے کو دیکھ کر مسکرائی اسے امید تھی کہ یقیناً وہ اپنی کوئی نئی نظم یا غزل اسے ضرور سنائے گی لیکن شانزے کچھ دیر وہاں بیٹھ کر ڈائری میں کچھ لکھتی رہی اور پھر اسی اطمینان کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی، آئزہ کو تاسف نے گھیر لیا، اسے لگا کہ اپنی حساس سی دوست کو کھو دیا ہے، حمزہ بھی آج کل اپنی جاب کی ٹریننگ کے سلسلے میں اسلام آباد گیا ہوا تھا ورنہ وہ ضرور شانزے کو اس کے اصل موڈ میں لانے میں کامیاب ہو جاتا، آئزہ کو معلوم تھا کہ حمزہ اسے بہت پسند کرتا ہے اور تنگ بھی صرف اس کی معصوم باتوں اور غصے سے پھولے چہرے کو دیکھنے کے لئے کرتا تھا لیکن اب تو وہ واقعی ان سے روٹھ گئی تھی، اسی وقت ہلکی ہلکی بونداباندی شروع ہوئی تو آئزہ نے بھی اندر کا رخ کیا۔

شب وروز اسی طرح گزر رہے تھے اچانک ان کی ٹھہری ہوئی زندگی میں اچانک حمزہ کی آمد سے ارتعاش پیدا ہوا۔

"شانزے، آئزہ کہاں ہو بھئی؟ ارے بھائی باہر آؤ، دیکھو میرے پاس تم لوگوں کے لئے ایک سرپرائز ہے۔"

"کیوں شور مچا رکھا ہے؟ اتنے دن بعد

آتے کے ساتھ ہی ہنگامہ کھڑا کر دیا۔"
آئزہ نے لاؤنج کی طرف آتے ہوئے کہا، شانزے اور آئزہ کی امی بھی وہی آ گئیں تھیں، اس نے جلدی سے دونوں کو سلام کیا اتنی دیر میں شانزے بھی آ چکی تھی، حمزہ نے اس کی حزن میں ڈوبی آنکھوں اور غیر معمولی سنجیدگی کو بغور دیکھا وہ بہت اپنی اپنی لگی۔

"ارے ممانی جان آپ کو پتہ ہے ابھی ابھی ڈاکیا ماہنامہ حنا کی طرف سے دسمبر کا شمارہ دے کر گیا ہے جو یہاں آتے ہوئے مابد دولت نے وصول کیا I can,t believe it کہ آئزہ کی شاعری میں اتنی سنجیدگی و متانت اور الفاظ کے چناؤ کی صلاحیت آ گئی ہے کہ حنا میں نہ صرف اس کی شاعری شائع ہوئی ہے بلکہ ایڈیٹر صاحب نے مزید آگے تحریری سفر جاری رکھنے کا بھی کہا ہے۔" حمزہ نے آئزہ کو اس کی نظم دکھاتے ہوئے کہا، جس کے اوپر شانزے کا نام جگمگا رہا تھا اسی وقت آئزہ نے شانزے کو گلے سے لگا کر پہلی کامیابی پر مبارکباد دی، اس کی امی اور چچی نے بھی اپنی بیٹی کی کامیابی پر فخر محسوس کیا۔

دوسرے دن حمزہ اس کے پاس آیا۔
"شانزے کیا تم مجھ سے اب تک ناراض ہو؟" حمزہ نے اس کے ملیح چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں، نہیں میں کسی سے ناراض نہیں بلکہ تم لوگوں کا شکریہ ادا کرونگی کہ تمہارے مذاق و تضحیک رویوں نے میرے لئے تحریک کا کام کیا اور میں نے خود سے عہد کیا کہ تم لوگوں کو ایک دن شاعری کے میدان میں کامیابی سے ہمکنار ہو کر دکھاؤنگی اور آج دیکھ لو، میرے اللہ نے مجھے سرخرو کر دیا۔" شانزے نے متانت سے جواب دیا، حمزہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اچھا یہ بتاؤ، تمہارے فائنل پیپر کب سے ہیں؟"
"ہاں اگلے ماہ سے شروع ہونے والے ہیں، تیاری ہو رہی ہے۔"
"اوکے میں اب چلتا ہوں اپنا خیال رکھنا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم میرے لئے کتنی اہم ہو؟" یہ کہہ کر وہ وہاں رکا نہیں شانزے نے لہجے و انداز پر چونک کر دیکھا، آج اسے حمزہ کا انداز کچھ انوکھا لگا، پھر وہ سر جھٹک کر دوبارہ سے کپڑے استری کرنے لگی۔

☆☆☆

کل اس کے کالج میں مشاعرہ کا مقابلہ تھا جہاں ملک کے نامور و ممتاز شعراء بحیثیت جج مدعو تھے اور پھر اس نے وہاں بھی سیکنڈ پرائز حاصل کیا، تمام اساتذہ نے مبارکباد دی، واپسی میں حمزہ اسے پک کرنے آیا تھا، اس نے اسے آئسکریم کھلائی۔

"شانزے مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" گرین اور بلو سلک کے چوڑی دار میں کھلے بالوں کے ساتھ وہ اس کے دل کو چھو گئی تھی۔

"ہاں کہو، میں سن رہی ہوں۔" شانزے نے اسی مخصوص دھیمے انداز میں جواب دیا۔
"وہ میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں، ابھی سے نہیں بلکہ بچپن سے اور آئزہ بھی میرے اس راز سے واقف ہے ہم دونوں صرف تمہاری معصومیت اور شوخ طبیعت کی وجہ سے تم سے مذاق کرتے تھے مگر یقین کرو میرے ساتھ ساتھ آئزہ بھی تمہیں بہت چاہتی ہے، پلیز اس کی طرف سے جو بھی بدگمانی ہے اسے دل سے نکال دو اور تمہیں معلوم ہے اس مشاعرے میں بھی ماموں سے اجازت آئزہ نے

ہی دلوائی، کیونکہ پڑھائی کے دوران وہ اس قسم کی سرگرمیوں کے خلاف تھے، اب جب تمہارا گریجویشن مکمل ہونے والا ہے، تو اس نئے سال کا آغاز میں تمہارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔''

شانزے تو اس کی غیر متوقع بات کے سحر میں ہی کھو گئی تھی، واقعی اس نے ان دونوں کے خلاف کتنی غلط فہمی پال لی تھی اسے لگتا تھا کہ حمزہ، آئزہ کو پسند کرتا ہے جب ہی وہ اس کے ساتھ مل کر اس کا مذاق اڑاتا ہے اسے تنقید کا نشانہ بناتا ہے مگر حمزہ اسے چاہتا ہے اس کی ہمراہی کا خواہاں ہے یہ احساس ہی خوش کن تھا اسی وقت شانزے کے دل میں بھی حمزہ کے لئے چھپے جذبات بیدار ہو گئے۔

''کچھ تو کہو شانزے میں جلد ہی ممی پاپا کو تمہارے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔''

''حمزہ یہ سچ ہے کہ میں تم لوگوں سے بدگمان ہو گئی تھی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ میں بھی تمہیں بہت پسند کرتی ہوں جب تم آئزہ کے ساتھ مل کر میرا مذاق اڑاتے تھے تو مجھے بہت برا لگتا تھا اور اسی لئے......'' آگے ندامت کے مارے اس سے بولا ہی نہیں گیا۔

''اور اسی لئے تم نے سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیا، میرے مذاق میں دکھ بھری شاعری کرنے لگی۔''

''حمزہ! دیکھو تم پھر شروع ہو گئے۔'' شانزے روہانسی ہو گئی اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

''اوکے بابا! اب پھر سے ناراض نہ ہو جانا میری کھٹی میٹھی دوست، چلو تمہیں میں ڈراپ کر دوں اور ہاں یہ تمہاری کامیابی پر ایک چھوٹا سا تحفہ۔'' حمزہ نے خوبصورت گفٹ پیک آگے بڑھایا شانزے نے حیرانی سے دیکھا۔

''تمہیں کیسے معلوم کہ میں نے مشاعرے میں سیکنڈ پرائز جیتا ہے۔''

''بس جناب یہ سب ہماری مخبر آئزہ کا کمال ہے، جو ہر پل کی خبر ہمیں دیتی ہے۔'' شانزے مسکرانے لگی۔

''یہ کیا ہے؟'' شانزے نے تجسس سے پوچھا۔

''خود کھول کر دیکھ لو۔'' حمزہ نے مسکراتے ہوئے اس وقت اسے وہی ہنستی کھلکھلاتی معصوم سی شانزے لگی اس نے جلدی جلدی ریپر کھولا۔

''پروین شاکر کی خوشبو کا شاعری مجموعہ اوہ تھینک یو حمزہ۔'' اس نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔

''بس ایسے ہی ہنستے رہا کرو پتہ ہے، مجھے اداس شانزے بالکل اچھی نہیں لگتی تم تو شوخی و شرارتیں کرتے اچھی لگتی ہو۔'' اس نے اس کی ناک دباتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اس کے بائیں ہاتھ کی انگلی میں سفید نگ کی رنگ پہنا دی۔

''بس آج سے صرف تم میری ہو اور یاد رکھنا میں تمہارے ادبی سفر میں ہمیشہ ہمقدم ہوں۔'' شانزے نے جھجک سے نظریں نیچے کر لیں اس وقت اس کے چہرے پر کھلتے محبت کے قوس و قزح حمزہ کو بے خود کر رہے تھے، پھر وہ اسے گھر ڈراپ کر کے سرشاری سے واپس چلا گیا، آئزہ کے لئے بھی ایک انجینئر کا رشتہ آیا تھا، پھپھو بھی پچھلے ہفتے بڑے پیار سے اوائل نومبر کی سرد گلابی شام میں حمزہ کے نام اسے کر گئے تھے۔

اس وقت بھی وہ جھولے میں بیٹھی رنگ پر نظر رکھے حمزہ اور اس کی چاہت کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی جو آج کل اسلام آباد گیا ہوا تھا۔

''اوہو، آنسہ شانزے اکیلے اکیلے مسکرا رہی ہیں، خیریت تو ہے۔'' اسی وقت آئزہ کی آمد

مونگ پھلی اور کاجو سے بھری پلیٹ کے ساتھ ہوئی جو اس نے شانزے کی گود میں رکھتے ہوئے خود اس کے برابر میں ٹک گئی۔

''اچھا جناب، اپنے بارے میں کیا خیال ہے، سنا ہے اگلے ماہ انجینئر صاحب تمہیں رخصت کرنے آرہے ہیں۔''

''ہوں اور آپ بھی سن لیں شاعرہ صاحبہ، حمزہ اگلے ہفتے واپس آرہا ہے اور ان کی بے تابہ و عاجزانہ درخواست پر نومبر میں میرے ساتھ ہی آپ کی بھی رخصتی ہے ویسے شانزے مجھے ابھی سے حمزہ کی حالت زار پر رحم آرہا ہے۔'' آئزہ نے مونگ پھلی کھاتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟'' شانزے نے اس کی طرف ناسمجھی سے دیکھا۔

''بھئی دیکھو ناں، تم ایک شاعرہ اور وہ بیچارہ میرا معصوم سا ڈاکٹر بھائی، وہ تو تمہاری بے سروپا شاعری سن سن کر خود ہی دردسر میں مبتلا ہو جائے گا تو مریضوں کا علاج کیا خاک کرے گا؟''

''آئزہ کی بچی، ٹھہرو تمہیں ابھی بتاتی ہوں، بڑی ہمدردی ہو رہی ہے اپنے بھائی سے۔'' وہ اس کے پیچھے بھاگی پھر دونوں کے قہقہوں سے پورا گھر گونجنے لگا دونوں کی والدہ بھی ان کی شرارتوں پر مسکرانے لگیں، شانزے کا پرانا روپ دیکھ کر وہ بھی مطمئن ہوگئی تھیں ویسے بھی ان کی بیٹی اب کافی ذمہ دار ہوگئی تھی۔

☆☆☆

پھر وقت کا پنچھی پر لگا کر اڑتا گیا اور آئزہ اور شانزے کو ان کے پیا کے نام کی مہندی لگا کر مایوں بٹھا دیا گیا زرتار آنچل کے سائے میں دونوں کے پہلو میں عاصم اور حمزہ کو لا کر بٹھایا گیا، دونوں کی نظریں مسلسل جھکی ہوئی مگر لبوں پر آسودہ مسکان تھی، حمزہ نے دھیرے سے اس کے کان میں سرگوشی کی تو آئزہ اور شانزے کی دوستوں نے اس کا ریکارڈ لگایا۔

''اوہو لگتا ہے حمزہ بھائی ہارٹ اسپیشلسٹ ہے جب ہی ان کا دل محبت محبت پکار رہا ہے۔''

اپنی کسی دوست کی اس بات پر جہاں شانزے نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اس کو گھور کر دیکھا وہی حمزہ کے ساتھ ساتھ عاصم کا قہقہہ بھی بلند ہوگیا، شادی کے بعد دونوں جوڑے ہنی مون کے لئے شمالی علاقہ جات روانہ ہوگئے تھے شانزے کے لئے حمزہ کی سنگت میں بہت خوشگوار دن گزرے حمزہ جتنا غیر سنجیدہ مزاج کا لگتا تھا مگر اس کی محبت نے شانزے کے دل کو باندھ لیا تھا اس کے دل میں حمزہ کے حوالے سے جو تھوڑا بہت ملال تھا وہ بھی دور ہوگیا تھا واپسی میں روٹین لائف شروع ہو چکی تھی، آئزہ عاصم کے ساتھ کینیڈا شفٹ ہوگئی تھی، اسکائپ اور ایمو پر دونوں کا رابطہ تھا شانزے کی شاعری میں حمزہ کی محبت میں دن بدن نکھار آتا جارہا تھا، اب تو اس کا شمار بھی مایہ ناز نوجوان شعراء میں ہونے لگا تھا، کئی میگزین اور ایف ایم کے مختلف چینلز سے اس کی شاعری نشر ہو چکی تھی حمزہ ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔

☆☆☆

''شانزے...... شانزے کہاں ہو بھئی؟''

''اف اوہ حمزہ، تم ہمیشہ اس طرح شور مچاتے ہوئے آتے ہو، آرہی ہوں بھئی۔''

شانزے نے کچن سے نکلتے ہوئے کہا آج وہ حمزہ کی فیورٹ ڈشز چکن شاشلک اور قیمہ مٹر بنا رہی تھی شانزے کو سنجیدگی و متانت نے اور زیادہ پروقار بنا دیا تھا، اس وقت سبز و زرد پرنٹ کے ڈریس میں بالوں کا جوڑا بنائے گھریلو روپ میں

حمزہ کو وہ اپنے دل کے قریب لگی۔
''ارے مسز تم بھی سنو گی تو خوشی سے پاگل ہو جاؤ گی آج تمہارے خواب کو تعبیر مل گئی۔''
''کیا مطلب؟'' شانزے نے اس کی طرف اچنبھے سے دیکھا۔
''ارے شانزے ڈیئر یہ دیکھو، میرے ہاتھ میں کیا ہے؟'' حمزہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے میرون اور سلور کمبی نیشن کا خوبصورت سا دعوت نامہ لہراتے ہوئے اس کا تجسس بڑھایا۔
''اوہ حمزہ تنگ مت کرو بتا بھی دو کیا ہے؟'' شانزے نے مصنوعی خفگی سے کہا۔
''او کے او کے ڈیئر، تو جناب دل تھام کر سنو یہ آپ کے پسندیدہ ماہنامہ صبا کی 39 ویں سالگرہ کا دعوت نامہ ہے۔ جس میں سینئرز مصنفات اور شعراء کے ساتھ جونیئرز کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔''
''کیا...... کیا حمزہ، تم سچ کہہ رہے ہو۔'' شانزے نے اس سے کارڈ لیتے ہوئے الٹ پلٹ کر دیکھا اس کا جوش دیکھنے والا تھا حمزہ کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔
''کیا ہے؟ ایسے کیوں ہنس رہے ہو؟'' شانزے نے خفگی سے کہا۔
''کچھ نہیں، بس اچھا لگا تمہارا پرانا روپ دیکھ کر وہی شوخ مسکراتی ہوئی ذرا ذرا سی بات پر خوش ہونے والی۔'' حمزہ نے اس کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔
''جی نہیں یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں بلکہ میرے خوش نما خوابوں میں سے ایک خواب کی تعبیر ہے اور حمزہ میں تمہیں بتا رہی ہوں تم نے مجھے لے کر جانا ہے اف اوہ، ابھی تو مجھے ڈریس بھی سلیکٹ کرنا ہے۔''
''دھیرج دھیرج لڑکی ابھی یکم جنوری میں دو دن باقی ہیں اور اپنی خوشی میں مجھ مظلوم شوہر کو بھوکا ہی مارنے کا ارادہ ہے۔''
''اوہو سوری تم جلدی سے فریش ہو جاؤ میں جب تک پھپھو اور انکل کو بھی بلا کر لاتی ہوں پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں۔''
''او کے مادام پھر آپ اپنی خوشی میں ہمیں اپنے پیارے نازک ہاتھوں سے کافی بنا کر پلائیے گا۔'' حمزہ نے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔
''اور واپسی میں ہم ماما کے گھر بھی جائیں گے ان سے بھی تو مجھے شیئر کرنا ہے، آئزہ کو بھی کال کروں گی وہ بھی بہت خوش ہو گی۔'' یہ کہہ کر شانزے ماموں، ممانی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

نئے سال کی جنوری کی خوشگوار شام لاہور کے الحمرا ہال میں بہاروں کا سماں لے کر اتری تھی آخر آج خواتین کے پسندیدہ و مقبول جریدے کی 39 ویں سالگرہ کی تقریب تھی جب حمزہ اور شانزے وہاں پہنچے تو ہر طرف رنگ برنگی آنچل نظر آئیں، شانزے نے بھی تقریب کی مناسبت سے دھانی اور کاپر کلر کا پٹیالہ شلوار اور ایمبرائڈری شرٹ زیب تن کیا ہوا تھا جس پر میچنگ کے آویزے اس کے خوشی سے دمکتے چہرے پر چار چاند لگا رہے تھے حمزہ بھی ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا پورے ہال کو بہت خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا، گیٹ سے تھوڑا اندر جا کر مہمانوں کے لئے گول میز کے اطراف کرسیاں لگا کر بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا، شانزے حمزہ کی معیت میں آگے بڑھی تو انکی نظر سامنے اسٹیج پر پڑی جس کا منظر آنکھوں کو خیرہ کرنے والا تھا، اسٹیج کو رنگ برنگی غباروں اور مرکری لائٹ سے سجایا گیا تھا، شام کے اس پہر بھی دن کا سماں لگ رہا تھا، اس

کے بائیں سائیڈ پر تقریب کے مہمانان خصوصی کے لیئے میرون اور گولڈن کمبی نیشن کی کرسیاں موجود تھیں اور سنٹر میں ایک بڑے گلاس ٹیبل پر پائن ایپل کلر فل سا کیک رکھا تھا جس پر Happy brithday to ---- کے خوبصورت الفاظ کندہ تھے ساتھ ہی سرخ ربن میں لپٹی چھری رکھی گئی تھی اور اس کے چاروں طرف گلاب اور گل داؤدی کے گلاستے سجے تھے، حمزہ اور شانزے نے بھی اپنی نشست سنبھالی اسی وقت تقریب کا باقاعدہ آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا، تقریب کی میزبانی شانزے کی پسندیدہ مدیرہ کررہی تھیں۔

''اوہو حمزہ! میری ہمیشہ ان سے فون پر بات ہوئی جتنی ان کی آواز اور بات کرنے کا انداز Polite اور پر اثر ہے ان کی شخصیت اس سے بھی زیادہ جاذب نظر ہے۔'' شانزے نے سفید اور سلور ایمبرائڈری کے ڈریس میں ملبوس مدیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

''ہوں She is so graceful lady۔'' ابھی یہ دونوں باتیں کررہے تھے کہ ایکدم تمام حاضرین محفل پر زور تالیوں سے کھڑے ہوگئے، ان دونوں نے بھی چونک کر اسٹیج کی طرف دیکھا تو جریدے کے چیف ایڈیٹر صاحب ایش گرے تھری پیس سوٹ میں ملبوس تشریف لاچکے تھے ان کی شخصیت بھی بہت ہی باوقار نظر آئی یہ دونوں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اس کے بعد مدیرہ صاحبہ نے مائک سنبھال لیا۔

''سب سے پہلے تمام مہمانان گرامی کو ہماری طرف سے خوش آمدید، ہمیں خوشی ہے ہم نے جو سفر آج سے 39 سال پہلے شروع کیا تھا، آج وہ کامیابی سے رواں دواں ہے اس کی آبیاری نہ صرف ہم نے بلکہ آپ نے بھی اپنی محنت، دلی وابستگی اور رائے سے ایک ننھے پودے کی طرح کی ہے اور ہمیں خوشی وفخر ہے، اس نے ایک بچے کی طرح سینئیرز مصنفات کے ساتھ قدم قدم چلنا شروع کیا اور آج اتنا میچور اور تناور ہو چکا ہے کہ اس کے سائے کے رنگوں میں وقت کے ساتھ ساتھ جونیئرز ادبی صلاحیت رکھنے والی مصنفات کا بھی اضافہ ہوتا گیا اور ماشاءاللہ اس کا ادبی سفر کامیابی سے جاری ہے، آج کی تقریب کی خاص بات یہ ہے کہ آج ہم نے اس خوشی کے موقع پر سینیئرز کے ساتھ ساتھ جونیئرز کو بھی ان کی بہتر کارکردگی پر حوصلہ افزائی کے لئے Best perfrmance ایوارڈ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔'' ان کی اس بات پر پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

اسی وقت داخلی دروازے سے دو خواتین پروقار چال کے ساتھ آتی ہوئی نظر آئیں سب کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئی۔

''اوہ نایاب جیلانی اور سدرۃ المنتہیٰ۔''

سب نے ان کا استقبال بھرپور تالیوں میں کیا اور انہیں پھولوں کے بکے پیش کیے گئے، شانزے فٹافٹ اپنے موبائل میں اس حسین منظر کو ہمیشہ کے لئے سیو کر لیا جبکہ حمزہ ہینڈی کیم سے ویڈیو بنارہا تھا، اسے شانزے کی خوشی پوری دنیا سے زیادہ عزیز تھی، اس وقت اس کے چہرے پر جو خوشی کے سچے رنگ تھے اس نے حمزہ کے دل کو شاد کر دیا تھا۔

''اس تقریب میں ام مریم کو بھی مدعو کیا گیا تھا مگر اپنی شادی کے نئے سفر کی شروعات کی وجہ سے وہ آج کل کچھ مصروف ہیں ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک انہیں ہمیشہ اپنے ہمسفر کے ساتھ خوش و

آباد رکھے۔'' سب نے ان کی بات پر آمین کہا شانزے نے یہ منظر بھی فوراً اپنے موبائل میں سیف کیا اس کے بعد مدیرہ صاحبہ نے اعلان کیا۔

''معزز مہمانان گرامی! آج ماہنامہ صبا کی اس پروقار تقریب میں نا صرف سینیرز بلکہ کچھ جونیئرز مصنفات کو ان کی محنت و ذہانت کی وجہ سے خصوصی ایوارڈ سے نوازہ جا رہا ہے، مجھے یہ بات کہنے میں فخر ہے کہ ہماری آنے والی نئی مصنفات نہ صرف بہترین تحریری صلاحیت رکھتی ہے بلکہ ان کی مطالعے کی وسعت اور انداز فکر میں بہت گہرائی اور حساسیت کا عنصر غالب ہے ویسے تو ماشاء اللہ تمام مصنفات بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کر رہیں ہیں لیکن ان میں دو مصنفات اور ایک نو وارد شاعرہ جنہوں نے نہ صرف مقامی سطح پر بلکہ ملکی سطح پر مختصر عرصے میں ادب کی دنیا میں اعلیٰ مقام بنا لیا اب میں ان تینوں سے گزارش کرونگی کہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور ہماری پیاری نایاب اور سدرۃ المنتہیٰ کے دست مبارک سے ایوارڈ اور تعریفی سند وصول کریں۔'' ان کی بات پر تمام ہال ایک بار پھر پر جوش تالیوں سے گونج اٹھا۔

''ویسے شانزے یار مجھے نہیں لگتا کہ یہ ایوارڈ تمہیں ملے گا۔'' حمزہ نے شانزے کو تنگ کرتے ہوئے کہا۔

''اف اوہ حمزہ تم تو ہو ہی جیلس، دیکھنا وہ نو وارد بہترین شاعرہ کا ایوارڈ صرف میرے لئے ہی ہوگا۔'' شانزے نے بھی اس کی شرارت سمجھتے ہوئے مصنوعی خفگی سے جواب دیا۔

''میں چاہوں گی یہ خصوصی اعلان خود ہمارے ایڈیٹر صاحب فرمائیں یہ ہمارے لئے باعث اعزاز ہوگا۔'' تمام مہمانوں کی عقیدت بھری تالیوں کے ساتھ ایڈیٹر صاحب اپنی وجاہت و تمکنت شخصیت سے ساتھ ڈائز پر آئے پھر ان کی مرعوب مگر نرم انداز و لبجہ کی گونج سے تمام ہال میں پرفسوں سناٹا چھا گیا۔

''سب سے پہلے تو میں آپ سب کی تشریف آوری پر دل سے مشکور ہوں، میرے دوستو، یہ ماہنامہ صرف اور صرف آپ کا ہے جب اس کا آغاز ہمارے محترم والد اور اس کے بانی جنوری 1978ء میں ایڈیٹر صاحب نے کیا تھا تو ہمیں اندازہ بھی نہیں تھا کہ یہ اتنی جلدی اپنے قارئین کے دلوں پر ان مٹ رنگ چھوڑ دے گا اس وقت پہلے ہی سے کئی جرائد اور میگزین موجود تھے مگر اللہ پاک کا کرم ہے ان کے درمیان اس جریدے نے اپنا رنگ جمایا اور خوب جمایا پھر کامیابیوں کا یہ سفر چل نکلا اور اس کے رنگ میں سینئرز مصنفات کے ساتھ ساتھ آج ہماری نوجوان نسل بھی رنگ گئی، قارئین کے خطوط ہمارے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں اس میں ہماری مصنفات اور ہماری پوری ٹیم کے لئے تعریفی کلمات، حوصلہ افزائی کے فقرے اور مثبت تنقید و تجاویز اس کو مزید بہتری کی طرف گامزن کر رہی ہے، یہ آپ سب کا خلوص اور اپنائیت ہیں کہ آج اس پلیٹ فارم پر ہم اکیلے نہیں بلکہ ہمارے ساتھ پر خلوص و ذہین مصنفات کا ایک کارواں ہے امید واثق ہے آئندہ سالوں میں یہ کارواں مزید بڑھتا جائے گا اس کے ساتھ ہی میں آپ سب کی تشریف آوری پر ایک بار پھر دل سے مشکور ہوں اور آپ کی صبر و تجسس کا مزید امتحان لئے بغیر وہ خصوصی اعلان کرنا چاہوں گا جس کے لئے مدیرہ نے مجھے یہاں مدعو کیا مگر ساتھ ہی محترمہ نایاب جیلانی ار سدرۃ المنتہیٰ سے بھی درخواست کروں گا کہ آپ دونوں یہاں تشریف لائیں کیونکہ آپ ماہنامہ ادارہ کا

قیمتی سرمایہ ہیں اور اس خوشخبری کا تعلق آپ لوگوں کی کاوش سے وابستہ ہے۔" ان کی بات پر وہ دونوں اپنی مخصوص پروقار انداز میں اسٹیج پر آئیں۔

ان کی بات کے اختتام پر تمام قارئین خصوصی طور پر شانزے اور دیگر شرکاء رائٹرز کی خوشی دیدنی تھی۔

"جی حاضرین محفل، میں یہاں سب سے پہلے دعوت دینا چاہوں گی ہماری بہت ہی پیاری لورسویٹ سی مصنفات زارا احمد اور فرزین حبیب اسٹیج پر آئیں اور اپنا ایوارڈ وصول کریں۔" شانزے نے چونک کر دائیں طرف دیکھا۔

جہاں اگلی نشست سے بلیک و پرپل کمبی نیشن ڈریس میں اور دوسری بلیک عبایہ کے ساتھ پنک اسکارف میں ملبوس دو بہت ہی پیاری اور پروقار لڑکیاں اسٹیج کی طرف بڑھی ایک بار پھر حمزہ کی رگ شرارت پھڑکی۔

"ویسے شانزے، تمہارے خیال میں ان دونوں میں سے فرزین صاحبہ کون ہو سکتی ہیں۔"

"ویسے تو دونوں ہی مجھے بہت ڈیسنٹ لگ رہی ہیں مگر فرزین صاحبہ کے جتنے بھی ناول اور افسانے پڑھے ہیں اس میں جو ان کا انداز تحریر ہے اس سے کسی مذہبی و مشرقی لڑکی کا عکس جھلکتا ہے تو میرے خیال میں بلیک عبایہ میں ملبوس سوئیٹ سی لڑکی یقیناً فرزین ہیں۔"

پھر واقعی اس کی بات سچ نکلی اس نے حمزہ کی طرف وکٹری کا نشان بنا کر دیکھا ان دونوں نے تعریفی کلمات کے ساتھ ایوارڈ وصول کیا۔

"اب میں اسٹیج پر ابھرتی ہوئی نوجوان شاعرہ شانزے حمزہ کو دعوت دونگی کہ وہ یہاں آئیں اور اپنا ایوارڈ وصول کریں ہمارے لئے یہ باعث فخر ہے کہ اس لڑکی نے کم عمری میں ہی شاعری میں جو مقام قائم کیا ہے وہ باعث مسرت ہے کیونکہ ادب میں شاعری بہت ہی حساس اور مشکل ترین شعبہ ہے شعر کہنا اور توازن میں کہنا جو آپ کے دل پر اثر پذیر ہو یہ ہنر خداداد صلاحیت ہے اس کے اسرار و رموز کو سمجھنا بھی توجہ طلب ہے مگر شانزے نے دو سال کے مختصر عرصے میں شاعری کے میدان میں اعلیٰ مقام قائم کیا امید کرتی ہوں آگے جا کر ان کا شمار ملک کے عظیم شعرا میں ہوگا اپنی بھرپور تالیوں میں ان کا استقبال کیجئے گا۔" شانزے کی اتنی پذیرائی اور

تعریفی کلمات پر آنکھیں نم ہو گئیں، اس نے حمزہ کی طرف دیکھا حمزہ نے گردن ہلا کر اس کا حوصلہ بڑھایا۔

"میں آپ سب کی مشکور ہوں اور اس باری تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ پلیٹ فارم اپنی صلاحیتوں کو دوسروں تک شاعری کی زبان میں پہنچانے کے لئے مہیا کیا، آج سے دو سال پہلے میں نے شاعری کے میدان میں قدم رکھا اس وقت میں ایک لاپرواہ اور لاابالی لڑکی تھی، ماہنامہ صبا نے میری حوصلہ شکنی کی ماہنامہ صبا وہ جریدا ہے جس کی وجہ سے آج میں اس جگہ پر موجود ہوں، میں یہ بات فخر و مسرت سے کہتی ہوں ماہنامہ صبا وہ واحد ادارہ ہے جس نے ہمیشہ نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کی ان کی تحریری صلاحیتوں کی اصلاح کر کے ان کی نگارشات کو جگہ دی، میرے پاس الفاظ نہیں کہ اس وقت میں اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کر سکوں اس موقع پر صبا کے لئے ایک دعائیہ نظم جو میری اپنی ہی کاوش ہے پیش کرنا چاہوں گی۔" سب نے اس کی بات کے اختتام پر تالیوں سے پذیرائی کی پھر اس نے خوبصورت آواز میں ماہنامہ صبا کی سالگرہ کے حوالے سے دلی وابستگی کے ساتھ خصوصی نظم پیش کی جو سب کو پسند آئی۔

عجیب منظر یہ دیکھا
خوشی کا رقص ہے ہر سو
درختوں کے ہرے ہرے پتے
خوشی سے لہلہاتے ہیں
تو یہ محسوس ہوتا ہے
یہ سب خوشی سے تالی بجاتے ہیں
یا شاید گنگناتے ہیں
کوئی تو بات ہے ایسی، ہر شے پر چھائی ہے مستی
میرے دل میں ہوئی ہلچل
مجھے کچھ یاد آیا ہے
کہ دن ہے آج وہی شاید
چند سال پہلے جب
اسی دن کے کسی لمحے
جو تم ادبی دنیا میں روشن ہوئے
یہ موسم اور ہوائیں سب
درختوں کے ہرے پتے
پرندے اور فضائیں سب
خوشی سے کہہ رہے ہیں
تمہیں یہ دن مبارک ہو
خوشی کا دن مبارک ہو
تمہیں سالگرہ مبارک ہو
تمہیں سالگرہ مبارک ہو

مہمانوں کی تواضع کیک کے ساتھ ریفریشمنٹ سے کی گئی شانزے اپنی پسندیدہ ساتھی مصنفات سے مل کر بہت خوش تھی ایک دوسرے کے ساتھ رابطوں کے لئے فون نمبرز کا تبادلہ ہوا تھا، بے شک ان کو ایک دوسرے سے جدا ہو جانا تھا مگر دل ایک دوسرے سے بندھ چکے تھے، واپسی پر وہ بہت خوش تھی، حمزہ نے اسے اس کا فیورٹ چکن کارن سوپ پلایا اپنے ہاتھوں سے گلاب اور موتیا کے کنگن پہنائے اس طرح یہ شام ادبی سفر کے ساتھ ساتھ محبت کے سفر میں بھی حسین ترین بن گئی اس نے آسمان کی طرف تشکر بھری نظر ڈال کر حمزہ کی طرف مسکرا کر دیکھا جو نہ صرف اس کا ہمسفر بلکہ اس کی کامیابی میں بھی اس کے ہمقدم تھا۔

☆☆☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ستاروں سے بھی رہگزر
ثنا کنول

وہ شام اپنے اندر ان گنت روشنیاں لئے اتری تھی، کبھی کبھی بڑھتی تاریکی میں یوں گمان ہوتا جیسے وہ چمکتے چاند کی داسی ہو۔
''چمکتے چاند کی داسی؟'' محبت نے حیرت سے سوال کیا، عشق مسکرا کر کہنے لگا۔
حویلی کی منڈیروں پر ننھے ننھے دیئے جلاتی وہ چمکتے چاند کی داسی ہی تو لگ رہی تھی، چہرے پر ایمان کا نور لئے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے۔
''سنو! تم بچپن سے ہر شام دیئے کیوں جلاتی ہو؟'' سوال میں حیرت نمایاں تھی وہ مسکرائی۔
''مجھے روشنیاں بکھرنا اچھا لگتا ہے۔''
''پھر تو تم ہر شام بس ایسے ہی مسکرا دیا کرو روشنیاں تو خود بخود بکھر جائیں گی۔'' جواب میں دیوانگی ہی دیوانگی تھی مسکراتے لب ایکدم سکڑ گئے تھے اب آنکھوں میں محبت کی چمک کی جگہ ڈر چمک رہا تھا، وہ گھبرا کر رخ موڑ گئی۔
''کیا ہوا؟'' بے چینی سے پوچھا تھا وہ نم آواز میں بولی۔
''کبھی کبھی یہ سوچ کر ڈر جاتی ہوں ہم ایک نہ ہو سکے تو۔''
''تم تو کہتی ہو، تمہارا پاک رب سب کی سنتا ہے وہ ہر مسلمان کی شہہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہوتا ہے تو تم اپنے اللہ سے مجھے مانگ لو نا۔'' اک منت بھرا انداز تھا اس کا، وہ مڑی تو اب آنکھوں میں ڈر ڈیرہ جما چکا تھا بولی تو خوف سے آواز کانپ رہی تھی۔
''مجھے ڈر لگتا ہے اجے۔''
''اس کے دربار میں ایک کافر کو مانگنے سے یا پھر......'' دکھ سے کہتا وہ اسے بھی دکھی کر گیا تھا، وہ تڑپ کر بولی۔
''اس کے سجدے میں ایک انسان کو مانگنے سے کہیں میں گنہگار ہی نہ بن جاؤں اجے۔''
کیسی تڑپ تھی اس کی آواز میں دل کو بند کر دینے والی جلا کر خاک کر دینے کی صلاحیت والی۔
''تم تو کہتی ہو، تمہارا رب اپنے بندوں سے ستر ہزار ماؤں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے پھر ڈر کیسا؟'' وہ اسے بھی زیادہ تڑپا تھا۔
''کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔'' اب کی بار وہ رو پڑی تھی، یہ تھی ایمان خدا سے محبت کرنے والی نماز کی پابند جس کے کانوں نے کبھی گانے نہ سنے تھے، جس کے گھر میں کبھی کسی نے پائل نہ پہنی تھی، اسے محبت بھی ہوئی تو کسے ایک کافر سے۔
یہ وہ دور تھا جب ہندو اور مسلمان اکٹھے رہتے تھے، اس وقت تک پاکستان کا ابھی صرف ایک تصور ہی تھا، ان دونوں کے گھر آمنے سامنے تھے محبت کب ان کے درمیان چپ کے سے آن بسی انہیں خبر ہی نہ ہوئی پتہ تو تب چلا جب محبت کا ایک تناور درخت ان کے دلوں میں جگہ بنا چکا تھا۔
محبت جب دلوں پہ قابض ہوتی ہے تو ذات پات کا فرق خود بخود مٹ سا جاتا ہے، کچھ دکھائی نہیں دیتا تب سوائے محبت کے۔
☆☆☆
''اے لوگو! میں نے تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑی ہے کہ جب تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور تم لوگ برائی سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ اسی باعث ہلاک ہوئے۔''
برگد کے پیڑ سے ٹیک لگائے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھتا وہ آٹھ سالہ ہندو اجے تھا، جھوم جھوم کر پڑھتا وہ ایمان کو قرآن پاک کا سبق یاد کروا

رہا تھا، نارنجی پھلوں کے پھول کی آبشار کی طرح ان دونوں پر برس رہے تھے۔

''تم کتنے اچھے ہو اجے، میرا سارا سبق مجھے ایک منٹ میں یاد کروا دیتے ہو۔'' سات سالہ ایمان آنکھوں میں محبت لئے کہہ رہی تھی۔

''وہ مسجد کے امام صاحب تمہاری طرح نہیں پڑھاتے نا تو مجھے یاد بھی نہیں ہوتا۔'' معصومیت سے کہتی وہ مسکرائی تو گال پر پڑتا ڈمپل مزید گہرا ہو گیا تھا۔

''یہ اللہ کون ہے؟''

آٹھ سالہ اجے پوچھ رہا تھا، سوال میں خدا کو ڈھونڈ لینے کی جستجو تھی۔

''اماں کہتی ہے اللہ وہ ہے جس نے ہمیں پیدا کیا نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ بیوی نہ ہی ماں، باپ بلکہ اسے کسی نے پیدا نہیں کیا وہ اکیلا ہے واحد اور لاشریک۔''

''اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟'' جستجو بڑھ گئی تھی، سینے سے قرآن کو لگائے جواب دیتی وہ اٹھ کر برگد کے پار والی نہر پر جا بیٹھی تھی۔

''یہ اللہ کے آخری نبی ﷺ ہیں۔''

''نبی بندہ ہوتا ہے؟'' معصومیت سے کہتا وہ بھی اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

''ہاں۔''

''کیا اللہ پاک مجھے ملے گا۔'' اس کے انداز میں تڑپ ہی تڑپ تھی نارنجی بیلوں کے پھول ساکت سے اسے سن رہے تھے ہچکولے کھاتا نہر کا پانی ٹھہر گیا تھا جیسے۔

''ہاں، اماں یہ بھی کہتی ہے کہ وہ ہر انسان کے دل میں بستا ہے، اچھا اب میں جا رہی ہوں، کل شام کو پھر مسجد کے باہر آ جانا امام صاحب کا سارا سبق تم یاد کر کے پھر مجھے یاد کروا دینا ٹھیک ہے۔'' قرآن پاک کو سینے سے لگائے وہ جا چکی تھی اس کی آنکھ سے آنسو نکلا اور نہر کے پانی میں جا گرا، تڑپ اب بے چینی میں بدل گئی تھی نارنجی بیلوں کے پھولوں کو دیکھتے وہ کہہ رہا تھا۔

''اے ایمان کے اللہ پاک اگر تو میرے دل میں ہے تو مجھے مل جا۔'' اس کی آواز نے رحمت خدا کو جوش دیا تھا، آسمان کے سینے پہ سجا بادل مسکرا کر رہ گیا نارنجی بیلوں کے پھول خوشی سے نہر کے پانی میں گرنے لگے تھے برگد کا پیڑ ہوا کے دوش پر جیسے جھوم اٹھا تھا۔

☆☆☆

ننھے ننھے جگنو تو جیسے دیئے کی لو کی طرح ٹمٹما رہے تھے، مدھم پڑتی روشنی نے ان کو اور خوبصورت بنا دیا تھا رات کی رانی کی خوشبو نے ماحول کو سحر زدہ سا کر رکھا تھا اور ہر طرف صرف ایک چیز تھی ہنستی کھلکھلاتی خوشبو بکھرتی گنگناتی اور وہ تھی محبت۔

اس وقت ان دونوں کے درمیان بھی محبت آن بیٹھی تھی عشق کھلکھلا کر جیسے ان کا استقبال کر رہا تھا، وہ دونوں ایک دوسرے میں گم تھے، خاموشی ان کے درمیان باتیں کر رہی تھی چاہت داسی بنی بیٹھی تھی۔

''تم نے کبھی جگنو کو پکڑنے کی کوشش کی ہے؟'' چاہت کی حدت سے دہکتا انداز۔

''نہیں پتہ ہے مجھے ڈر لگتا ہے اگر انہیں پکڑنے کی کوشش میں وہ مر گئے تو؟'' وہ بولی تو اس کی آواز اجے کے دل و دماغ کو پاگل سی کر گئی۔

رات کی تاریکی اپنے جوبن پر تھی وہ دونوں عشق کے سفر پر نکلے ایسے دو مسافر تھے جن کی منزل گمنام تھی اور راستہ ویران۔

پانچ فٹ سات انچ قد، سرخ و سفید گلابیاں

چھلکاتا رنگ و روپ، براؤن رنگ کے خوبصورت گھٹنوں کو چھوتے بال، نیلی آنکھیں، ستوان ناک میں جگمگاتی لونگ یاقوتی لب اور لبوں کے نیچے مسکراتا وہ سیاہ تل، شخصیت کی جگمگاتی بردباری اور سنجیدگی، وہ حیرت سے پاس بیٹھی ایمان کو دیکھتا چلا گیا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' انداز لجاتا ہوا تھا وہ کھل کر مسکرا کر اس کی لونگ چھیڑ کر بولا۔

''یہ لونگ تم نہ پہنا کرو۔''

''وہ کیوں بھلا؟'' حیرت زدہ سا انداز تھا اس کا۔

''اگر تمہیں میری نظر لگ گئی تو؟'' جواب میں پہلے سے زیادہ شدت تھی محبت کو پا لینے کی شدت۔

''پتہ ہے جن سے ہم محبت کرتے ہیں اماں کہتی ہے انہیں ہماری کبھی بھی نظر نہیں لگ سکتی۔''

''کیوں بھلا؟'' اب کے وہ حیران ہوا تھا۔

''کیونکہ اس کی محبت آپ کا کالا ٹیکا بن جاتی ہے انسان کو ہر بری نظر سے بچاتی اس کا پردہ ہو جاتی ہے۔'' سادگی سے کہتی وہ اسے اپنے دل کے بہت قریب لگی تھی، منڈیر پر رکھے دیئے ہوا کے دوش پر ٹمٹما کر رہ گئے تھے، آسمان پر چمکتے چاند نے ان کی دیوانگی کو حیرت سے دیکھا تھا ستارے مسکراتے ہوئے اپنے سفر پر چل پڑے تھے۔

''کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں جس کے کرنے سے ہم ایک ہو جائیں۔'' حسرت ہی حسرت تھی اس کے انداز میں وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی، محبت ایکدم متوجہ ہوئی تھی، عشق نظریں چرا کر رہ گیا تھا، وہ کہہ رہی تھی میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ۔

دروازہ سامنے تھا جو اسے صدیوں پہلے کے زرد زمانے میں لے جایا کرتا تھا، اس نے اسے دھکیلا، اونچے پٹ وا ہوئے، دوسری جانب چاند کی روشنی میں ڈوبی ٹھنڈی میٹھی رات تھی، ایک کھلا میدان اور سامنے ایک بلند مضبوط قلعہ جس کے آگے پہرے دار چکر کاٹ رہے تھے۔

اس سارے سیاہ منظر نامے میں وہ ماتھے پہ کٹے بالوں اور ہیر بینڈ والی لڑکی گلابی قمیض اور سفید ٹراؤزر میں ملبوس فریش سی نظر آتی تھی، مگر صدیوں پہلے کے لوگ اسے دیکھ نہیں سکتے تھے، وہ آہنی گیٹ عبور کر کے کھلے صحن میں آئی، اسے پار کیا تو آگے برآمدہ تھا وہ اندر چلتی آئی، اندھیرا بڑھ گیا، مگر جیسے جیسے وہ قدم آگے بڑھاتی گئی راہداری کی دیوار پہ قطار میں نصب مشعل دان جلتے گئے، جیسے کوئی قدیم زمانوں کا جادو۔

اندھیرا قدرے کم ہوا، وہ ایک کوٹھری کے سامنے جارکی، اس کے دروازے پہ زنجیروں میں پڑے ہوئے تالے مشعل دان کے پھڑ پھڑاتے زرد شعلوں میں دکھائی دیتے تھے، دیوار پہ اک ابھری ہوئی چوکی تھی، وہ دیوار کو پکڑے اس چوکی پہ کھڑی ہوئی تو چہرہ ایک سلاخ دار کھڑکی کے برابر آ گیا، بے چین نگاہوں سے سلاخیں پکڑے اس نے اندر جھانکا اور پھر گہری سانس بھری۔

اس کے شیخ (استاد) سفید، خستہ حال لباس میں الجھے بال اور داڑھی کے ساتھ چہرے اور ہاتھوں پہ زخموں کے نشان لئے دیوار سے لگے کھڑے تھے، کھڑکی سے چند ہاتھ دائیں طرف۔

''اے شیخ میں اتنے برسوں بعد آئی ہوں اور آپ کو اس قید خانے میں بند دیکھتی ہوں ایسا کیا کر دیا آپ نے؟ آپ کا خلیفہ تو مسلمان ہے نا؟'' افسوس سے سر ہلاتے اس نے سوال کیا۔

اندر دیوار سے لگ کھڑے شیخ معلم نے

تھکان مگر سکون سے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔
''شد الرحیل الی قبر الخلیل (سواری کا باندھنا محبوب کی قبر تک جانے کے لئے)۔''
''انہوں نے یہ کہا اور آپ نے کیا؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔
''بدعت...... بدعت۔''
''اف۔'' اس نے گہرے تاسف سے انہیں دیکھا۔
''ہم سب کو معلوم ہے کہ ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک ہے، مگر شد الرحیل الی قبر الخلیل کا انکار آپ کو زندان میں لے آیا اے شیخ۔'' وہ ملامتی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
''مطلب کیا ضرورت تھی اتنا کھلم کھلا اسٹینڈ لینے کی اور ہاں فائدہ کیا ہوا اس اسٹینڈ کا، اب تو قبر کی نیت اور مسجد کی نیت کا آسمان جتنا فرق کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھے بھی بھائی نے ایک زمانے میں بتایا تھا اب تو بھول بھال گیا۔'' شیخ خاموشی سے کھڑے اپنے ہاتھوں کو دیکھے گئے، وہ اب سیاہ ہو رہے تھے، اس نے مزید چہرہ آگے کر کے اندر جھانکا۔
''آپ کی کتابیں، قلم، کیا سب چھین لئے انہوں نے اف۔'' کرلا کر اس نے آنکھیں میچیں۔
''ٹھیک ہے بندہ حق بات کہتا ہے حکمران کے سامنے مگر اب اتنا بھی کیا کہ اس بات کے پیچھے اپنی ساری زندگی برباد کر ڈالو، کتاب تو آپ کی ادھوری رہ گئی، اب لکھیں گے کیسے؟'' آنکھیں کھول کر مزید برہمی سے ان کو دیکھا وہ اپنے سیاہ ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے، وہ ایکدم چونکی، فرش پر چند کوئلے رکھے تھے اور اس کی نظریں اوپر اٹھتی چلی گئیں، دیواروں پہ جا بجا کوئلے سے عبارتیں لکھی تھیں، آیات، احادیث، قرآن کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کے بعد کے نکات، دیواریں بھری پڑی تھیں۔
''جب تک اللہ نہ چھینے تب تک کوئی نہیں چھین سکتا۔'' اس کو بالکل ساکت، متعجب پا کر وہ بولے تھے، وہ چپ سی ہو گئی، تنے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے، چہرے پہ نرمی آئی۔
''اور جب زندگی سب کچھ چھیننے پر آ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟'' شاید پہلی دفعہ اس نے کوئی سوال پوچھا تھا۔
''دعا۔'' وہ ہلکا سا بولا۔
''دعا کیا کرتی ہے؟'' سلاخوں سے سر ٹکا کر وہ ان کو دیکھتے کہیں اور گم ہو گئی تھی۔
''آنے والی مصیبت کو روکتی ہے اور جو مصیبت اتر چکی اس کو ہلکا کرتی ہے، یہ مومن کا ہتھیار ہے دین کا ستون ہے آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔'' ان کی آواز قید خانے کی اونچی دیواروں سے ٹکرا کر ارتعاش پیدا کر رہی تھی، وہ گم صم کھڑی رہی، ہاتھ سلاخوں پہ جمے رہے، پھر ماتھے پہ بل آئے، اکیسویں صدی کے دماغ نے بحث کے لئے نکتے ڈھونڈے۔
''آپ کی مصیبت ٹلتی ہوگی دعاؤں سے ہماری تو دور نہیں ہوتی۔''
''دعا مصیبت سے کمزور ہے تو مصیبت حاوی ہو جائے گی دعا مضبوط ہے تو دعا حاوی ہو جائے گی۔''
''اور اگر دونوں ہی ایک جتنی مضبوط ہوں تب؟'' وہ ترنت بولی۔
''تو قیامت تک اس مصیبت سے لڑتی رہے گی۔''
''یعنی۔'' وہ چونکی۔
''اگر دعا چھوڑ دے یا کم کر دی تو مصیبت حاوی آ جائے گی۔'' شیخ معلم نے اثبات میں سر

ہلایا وہ لب اوہ میں سکڑے، ابرو اکھٹے کر کے سوچنے والے انداز میں وہ ان کو دیکھے گئی۔

''اور کیا کرتی ہے دعا؟''

''دعا قضا و قدر کو رد کر سکتی ہے، ویسے ہی جیسے نیکی عمر بڑھاتی ہے اور گناہ رزق سے محروم کرتے ہیں۔''

''مگر۔'' اس کی آنکھوں میں غیر آرام دہ سی الجھن ابھری، ایڑیاں اٹھا کر وہ مزید اونچی ہوئی۔

''میری تو دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔''

قدیم قید خانے کی کوئلے سے بجی دیوار سے ٹیک لگائے بزرگ نے سر جھکائے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

''ہر شخص کی دعا قبول ہوتی ہے اگر وہ جلد بازی نہ کرے تو۔''

''جلد بازی مطلب؟''

''مطلب یہ ہے کہ تم کہنے لگو کہ میں نے دعا کی اور بہت دعا کی مگر مایوس ہو کر دعا کرنا چھوڑ دیتے ہو۔'' وہ ایک ہاتھ کے ناخن دانتوں سے کترتی سنتی جا رہی تھی، آخر میں بے اختیار انگلیاں لبوں سے ٹکالیں۔

''یعنی کہ جب یہ کہا تو دعا قبول نہیں ہو گی لیکن اگر یہ نہ کہوں تب ہو جائے گی؟'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا، پیچھے ہوا کے جھونکے سے مشعل دان کا شعلہ پھڑ پھڑایا، رات کی پراسراریت میں اضافہ ہوا۔

''اچھا مگر۔'' اس کو پھر سے بے چینی ہوئی۔

''کچھ لوگوں کی دعا بہت جلد قبول ہو جاتی ہے، کیا اس لئے کہ وہ بہت نیک ہوتے ہیں۔''

''یہ بھی ہوتا ہے مگر......'' وہ لحظہ بھر کو رکے، اس نے ان کی آواز سننے کو کان سلاخوں کے مزید قریب کیا۔

''مگر قبولیت دعا کا اصل راز دعا مانگنے والے کا طریقہ ہوتا ہے، وہ کیسے مانگتا ہے اور کتنی شدت سے مانگتا ہے۔''

''اور اس کے بعد دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔''

''ہاں سب کی سب قبول ہو جاتی ہیں۔''

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا، اس نے گہری سانس کھینچ کر سر سلاخوں سے ٹکا دیا۔

وہ چپ ہوئی تو اسے لگا جیسے اسے اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا ہو وہ اٹھا اور وہاں سے نکلتا چلا گیا ایمان نے ایسے آنکھیں موند لیں جیسے صدیوں سے مسافت طے کر کے آئی ہو آتے آتے پاؤں میں جیسے چھالے سے پڑ گئے تھے، آبلہ پاؤں لئے وہ کسی ہارے ہوئے مسافر کے جیسی بیٹھی جس نے سب کچھ پا کر سب کچھ کھو دیا ہو ایک ایسا مسافر جس کا کوئی نشان منزل نہ ہو، درد ہی درد جس کا ہم سفر ہو، کہیں بہت پہلے کے پڑھے الفاظ اسے یاد آئے تھے اور آنسو ستاروں کی صورت اس کے رخسار بھگونے لگے۔

''جب دل بھر آتے تو خوب رو لینا چاہیے کہ آسمان پر چھائے بادل بھی کبھار خوب گرج چمک کر برستے ہیں اور نتیجہ ایک چمکتا دمکتا سورج ہوتا ہے۔''

زرد زمانوں کی شام وقت کی دھول میں مدھم ہوتی گئی، یہاں تک کہ نئے اور رنگین مناظر اطراف میں ابھرنے لگے۔

☆☆☆

ٹھنڈی برفیلی سیاہ رات چھائی ہوئی تھی، ٹھنڈ اتنی تھی کہ ہڈیوں میں گودے کو فریز کر رہی تھی بغیر کسی گرم کپڑے جوتے کے وہ ٹیرس کے کونے میں دبکا، کانپتے ہاتھوں سے قرآن کو کھول رہا تھا، اسے ایمان نے بتایا تھا کہ اللہ پاک اسے یہاں ملے گا، وہ کافر خدا کو پانے نکلا تھا خدا کی

محبت چنگاری بن کر اس کے دل میں دہک رہی تھی جس کا دھواں اب اس کے چاروں طرف پھیلنے لگا تھا۔

چند لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے اور پھر وہ جیسے جیسے پڑھتا گیا دل کی دھڑکن بڑھتی گئی خدا کو پالینے کی جستجو میں اسے زرہ بھر بھی جما دینے والی ٹھنڈ کا احساس نہیں تھا۔

''میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، دھتکارے ہوئے شیطان سے، اور آپ سکھائے جاتے ہیں قرآن بڑے حکمت والے، بہت علم والے کی جانب سے۔''

وہ رک گیا ایک پل کو ساکت رہ گیا سوچوں نے یکبارگی اس پر حملہ کیا تھا۔

''یہ قرآن مجھے اللہ کی طرف سے دیا جا رہا ہے، اللہ جو نور ہے اور ساری روشنی اللہ سے ہی ہے۔'' اسے اب سمجھ آنے لگا تھا کہ وہ انرجی چاہیے جو کسی بھی موسیٰ کو فرعون کے دربار میں جانے کے لئے چاہیے ہوتی ہے وہ اسے صرف قرآن پاک دے سکتا ہے، ایمان کو سبق یاد کروا کروا کر اسے خود بھی قرآن پڑھنا آ گیا تھا۔

وہ کافر ٹھنڈ میں بیٹھا قرآن کو کھولے خدا کی تلاش کر رہا تھا وہ خدا جو ہر انسان کے دل میں بستا ہے، ایسے میں رحمت خداوندی مسکرا اٹھی تھی۔

''حمد و ثناء کے لائق دنیا و آخرت میں وہی ہے اور حکومت بھی اسی کے لئے ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' (سورۃ قصص)

اس نے اگلے صفحے بدلے اور خدا کو پالینے کی جستجو میں پڑھنے لگا۔

''تمام تعریف اسی اللہ کی ہے جس کی بادشاہی ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کی حمد و ثناء ہو گی آخرت میں کسی دوسرے کی پوچھ نہیں۔'' (سورۃ سبا)

اور پھر وہ سورۃ اخلاص کے لفظوں میں جیسے کھو سا گیا گرم گرم آنسو اس کے رخسار پر سے گرتے اب اس کی گردن کو بھگو رہے تھے ٹھنڈ کی وجہ سے اس کا جسم نیلا پڑ رہا تھا اور وہ خدا کے کلام میں گم تھا۔

قل ھو اللہ ھو احد، اللہ ھو صمد، لم یلد ولم یولد، ولم یکن لہ کفوا احد۔

''اللہ ایک ہے، وہ اکیلا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور لاشریک ہے نہ اس کا کوئی باپ نہ بیٹا ہے۔'' وہ ان لفظوں میں گم سا ہو گیا تھا، ہر طرف جیسے نور کا اک ہالہ سا تھا اک سحر تھا جس نے اسے جکڑ رکھا تھا، بار بار اس کے دماغ میں وہ الفاظ چل رہے تھے، پھر پتہ نہیں کیسے تائی نے اسے دیکھ لیا پھر کیا تھا ابا اسے مار رہے تھے، چچا مچل رہے تھے، ماں رام رام کر رہی تھی اور کسی نے آگے بڑھ کر قرآن پاک اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا، نیلوں کے نشان بڑھتے جا رہے تھے، وہ ساکت سا تھا، اسے کوئی درد محسوس نہیں ہو رہا تھا دل میں جیسے خدا کو پالینے کا سرور سا تھا، اس کے چہرے جسم گھٹنوں پر نشان پڑ گئے تھے، ایک ٹانگ فریکچر ہو گئی تھی، لیکن پھر بھی اس کے چہرے پہ اک جان دار مسکراہٹ تھی ایمان سے بھرپور۔

گھر والوں نے دھمکی دے کر اسے چھوڑ دیا تھا، پر وہ تو جیسے کچھ سن رہا ہی نہیں تھا خدا نے اسے اپنے چنے ہوئے بندوں میں جیسے شامل کر لیا تھا، وہ خوش تھا بہت خوش چہرے پر نور چمکنے لگا تھا۔

☆☆☆

''انسان بھلا مرنے کے بعد بھی زندہ کیسے رہ سکتا ہے؟'' برگد کے پیڑ سے ٹیک لگائے وہ آنکھوں میں سوال لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو شہید

کہتے ہیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کا شعور نہیں۔''

نہر کے ٹھنڈے پانی میں پاؤں جھلاتی وہ بولی تو اس نے رخ موڑ لیا، پھر چلتا ہوا اس کے پاس آکر بولا۔

''اگر میں شہید ہو جاؤں تو رونا مت بلکہ میرے لئے شدت سے دعا کرنا تم ہی تو کہتی ہو کہ شدت سے مانگی جانے والی دعا جلدی قبول ہوتی ہے۔''

پاؤں ایکدم رکے تھے چہرے پہ حیرت ہی حیرت تھی اور آنکھوں میں نجانے کتنے ہی سوال جن سے وہ نظریں چرا کر اٹھ گیا تھا وہ بھی ایکدم اٹھ کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی اب چہرے پہ مسکراہٹ تھی سچی مسکراہٹ۔

''تم جانتے ہو، کہتے ہیں زندگی ٹیڑھی میڑھی راہوں پر سفر کرنے کا نام ہے سیدھا راستہ صرف خدا کی طرف جاتا ہے اور ہمیں جہاں بھی جانا ہو بلاوے پہ جانا چاہیے، خاص کر خدا کے پاس تو اس کی رضا سے ہی جائیں۔'' وہ کہہ کر مسکرائی تو گال پر پڑتا ڈمپل مزید گہرا ہوا تھا۔

''ایمان! میں مسلمان ہو چکا ہوں گھر والوں کو پتہ نہیں آج میرا ایمان کامل ہے۔''

عجیب سا انداز تھا اس کا آنکھوں میں بے قراری ناچ رہی تھی، وہ مڑ کر اب نارنجی بیلوں کے پھول اکٹھے کرنے لگی تھی، نیلے پیلے ہرے لال گلابی نجانے کتنے ہی رنگوں کے تھے وہ، اسے اپنا آپ بھی انہی رنگوں میں رنگا محسوس کر رہی تھی اک عجیب سی سرخوشی کی کیفیت تھی اس کی۔

''صحیح کہا آج ہمارا ایمان کامل ہے مجھے یقین تھا کہ تم جلد صراط مستقیم کے راستے پر چل پڑو گے اچھا نام کیا رکھا۔'' نارنجی بیلوں کے ڈھیروں ڈھیر پھول اس پر برساتی سرخوشی سے بولی۔

''محمد عبدالرحمن۔'' نام سن کر وہ ساکت سی رہ گئی آنکھوں میں ایکدم لالی سی اتر آئی تھی سرخ خون کے جیسی۔

''کیا ہوا؟''

''میں نے تمہیں کچھ بتانے کے لئے بلایا تھا اجے، سوری رحمان۔'' وہ ایکدم رک کر بولی پھر رخ موڑتی نہر کنارے چلنے لگی، انداز میں تھکن سی اتر آئی تھی وہ وقت آگیا تھا جس سے وہ ڈرتی تھی آج اس نے رحمان کو سب کچھ بتانا تھا اور وہ بتا رہی تھی نہر کا پانی ساکت تھا برگد کے پیڑ پر بیٹھی کوئل ایکدم بے چین ہو اٹھی تھی نارنجی بیلوں کے نجانے کتنے ہی پھول ٹوٹ کر گرے تھے۔

''بچپن میں ہی جب تم میرے دل میں بستے تھے آنکھوں میں رہنے لگے تھے، تب ہی امی نے مجھے میرا نہیں رہنے دیا تھا۔''

''مطلب؟'' وہ چونک سا گیا، دھڑکن رکی تھی اور سانس ساکن سا تھی۔

''انہوں نے میرا رشتہ میرے چچا زاد رحمان سے پہلے ہی طے کر دیا تھا مجھے بھی خبر نہیں تھی پتہ چلا تو اب آنے والی جمعرات کو میرا نکاح ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ چلی پر مڑی نہیں جانتی تھی اگر پیچھے مڑ کر دیکھا تو پتھر بن جائے گی۔

''اب میں تم سے کبھی نہیں ملوں گی شاید ہمارا ساتھ بس یہیں تک تھا۔'' اسے اپنی آواز گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی تھی اک عجیب سا درد تھا اس کی آواز میں دل کو چیر دینے والا درد تھا دماغ کو مفلوج کرنے والا دکھ۔

''میں نے اپنی چاہت خدا کے لئے قربان کی ایمان، جاؤ تم آزاد ہو میرے ہر وعدے ہر قسم اور میری محبت سے۔'' آخری بات کہہ کر وہ کمال ضبط سے مسکرایا پھر پلٹتا نہر کے دور ہوتا چلا گیا نجانے کتنے ہی آنسو ایمان کے گلے میں اٹکے
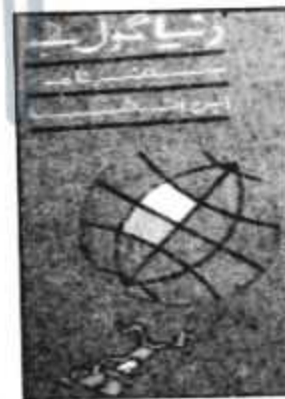
تھے ایک گولا سا تھا اندر بہت کچھ بہت زور سے ٹوٹا تھا شور نہیں ہوا تھا پر درد اسے مار گیا تھا بن موت، بن موت مرنا کیسا ہوتا ہے یہ کوئی اس سے پوچھتا جان نکل جاتی ہے دھڑکن تھم سی جاتی ہے اور وجود لہو رنگ ہو جاتا ہے اس کا پورو وجود بھی لہو رنگ ہو گیا تھا، محبت تاریک جنگل کی طرح ہے، ایک بار اس کے اندر چلے جاؤ پھر یہ باہر نہیں آنے دیتی، باہر آ بھی جاؤ تو آنکھیں جنگل کی تاریکی کی اتنی عادی ہو جاتیں ہیں کہ روشنی میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتیں، وہ بھی جو بالکل صاف واضح اور روشن ہے۔

اس نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس نے یہ کہاں کب پڑھا تھا، جو آج بالکل اس کے دلی حالت کے مطابق تھا اٹھا وضو کر کے جائے نماز پر آ بیٹھا۔

دل نجانے کیوں خون خون ہو رہا تھا قطرہ قطرہ لہو رستا اسے دکھی کر رہا تھا، آنسو اب اس کی گردن پر پھسلتے ہوئے قمیض کے گریبان میں جذب ہو رہے تھے، ہوا یکدم تیز ہو گئی اس نے فضا میں گرد محسوس کی صحن میں لگے ہوئے درخت بہت تیزی سے ہل رہے تھے، ہوا میں اڑنے والے پتے اب آپس میں ٹکرانے لگے تھے۔

☆☆☆

وہ نماز پڑھنے لگا، مغرب کا وقت تھا باہر ایکدم دستک ہوئی تیز سے تیز تر ہوتی دستک اور پھر اس نے جیسے ہی سلام پھیرا ساکت رہ گیا، دروازے میں ماں کھڑی اسے نفرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی، اگلے ہی پل ابا تایا بھائی اسے مار رہے تھے، ایک ڈنڈا اس کے منہ پر پڑا تھا، وہ ماں کے قدموں میں جا گرا تھا، لہو کی اک فوار نکلی تھی اس کا دماغ ایک پل کو جیسے مفلوج سا ہو گیا وہ جانتا تھا کہ ایک دن یہ بھی اسے دیکھنا

پڑے گا لیکن وہ اپنے ایمان پر قائم تھا۔
"تو ہندو ہے پھر نماز کیوں پڑھتا ہے؟" وہ چلا اٹھا۔ وہ بڑی ہمت سے اٹھتے بولا۔
"ابا! خدا ایک ہے واحد ہے لاشریک ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے آخری نبی ہیں اور میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں۔" وہ اب اسے ڈنڈے مار رہے تھے کف اڑا رہے تھے پھر اندر سے تلوار لے آئے ماں نفرت سے منہ پھیر کر بولی۔
"میں نے شروع سے ہی کہا تھا کہ اسے اس مسلمان لڑکی سے دور رکھو مگر میری کون سنتا ہے رام رام۔"
پتہ نہیں کون ایمان کو پکڑ لایا تھا جو حیرت اور ساکت سی رحمان کو پٹتے دیکھ رہی تھی، ابا ایمان کو مارنے بڑھے تو تایا نے روک دیا۔
"اسے مار کر کیوں برادری میں خون خراب کرتے ہو اس کے دل میں یہ اج بستا ہے اجے کو مارو گے تو یہ خود بخود مر جائے گی۔"
"تو واپس ہندو ہوتا ہے یا نہیں۔" تلوار اس کی گردن پر رکھے ابا اسے پوچھ رہے جو چہرے پر ایمان کا نور لئے ایمان سے مخاطب تھا۔
"تمہیں یاد ہے ایمان برگد کے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر میں خدا کی جستجو کرتا تھا اسے تلاشنا چاہتا تھا تم نے ہی تو کہا تھا کہ وہ ہر کسی کے دل میں بستا ہے میرے دل میں تھا مجھے مل گیا اگر ان کے دلوں میں ہو گا تو انہیں بھی مل جائے گا، میں نے خدا کو پالیا ایمان وہ میرے دل میں بستا تھا اور مجھے خبر نہیں تھی میں نے اللہ تک جانے کا راستہ پا لیا ہے میرا حوصلہ بڑھاؤ ایمان تم تو میری طاقت ہو مجھے وہی کلمہ پڑھاؤ جو برگد کے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر میں تمہیں یاد کروایا کرتا تھا۔" اس کی آنکھوں میں چمک تھی جس نے ایمان کو ساکت کر دیا تھا، پتہ نہیں کیسے اس کے منہ سے کلمہ نکل رہا تھا اور رحمان نے مسکرا کر آنکھیں بند کر کے کلمہ کا ورد کیا اور پھر۔
اگلے ہی پل خون کا اک فوارہ تھا جو ابل پڑا تھا، وہ خدا کو پا لینے کی جستجو رکھنے والا خدا کے پاس چلا گیا تھا، اللہ نے ایک کافر کے دل میں اپنی محبت کا دیا جلایا جو اسے شہید کا رتبہ دے گیا، اس کا سر تن سے الگ کر دیا گیا تھا ہر کوئی نفرت سے اس کے منہ پر تھوک رہے تھے اور ایمان، اس گھر سے نکلتے اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی، دل میں ایمان کی مضبوطی۔
وہ جان گئی تھی وہ ازل سے ہی روشنی کے راستے کا مسافر تھا، ہندو گھرانے میں پیدا ضرور ہوا تھا، مگر دل اس کا قل ھو اللہ احد، کی پکار کرتا تھا۔
سچائی کے راستے پر چلنے والوں کو مشکلیں تو پیش آتی ہی ہیں جو ان کے ایمان کو مزید مضبوط بناتی ہیں، محمد عبدالرحمن سچائی کے نور میں نہا کر اللہ کا بندہ، اللہ کی طرف لوٹ گیا تھا، ابدی دنیا کی طرف، بھلے اس کو اس فانی دنیا میں اب کرنا بھی کیا تھا اور رہی وہ تو وہ پیدائشی مسلمان ضرور تھی مگر شاید ابھی اس کا ایمان اتنا کامل نہیں تھا کہ ستاروں سے سجی کہکشاں کے رستے پر چلتے محمد عبدالرحمن کی ہمسفر بنتی۔
محمد عبدالرحمن کا سفر کفر کی تاریکی سے ایمان کو پا لینے کی روشنی کا سفر تھا، یہ بڑے نصیب کی بات تھی اور نصیب والوں کا ہی مقدر بنتی ہے

☆☆☆

ماما اور ممی
عائشہ اعوان

پرانے نوادرات کی دکان کو قفل لگا کر سوزی نے ایک طویل سانس لی، دن بھر کی اکتا دینے والی غیر دلچسپ مشقت اور ناپسندیدہ ماحول سے وقتی چھٹکارے کا فرحت بخش احساس تھکن پہ غالب آ گیا۔

آخری گاہک کو نپٹاتے ہوئے وہ کافی مسرور سی نظر آ رہی تھی، کیونکہ آج ہفتہ تھا اور صبح سنڈے ہالی ڈے، آج کی رات دیر تک نرم تکیوں میں منہ چھپا کر سونے اور پسندیدہ شاپس سے ونڈو شاپنگ کا ہلکا پھلکا پروگرام اسے گنگنانے پہ مائل کیے ہوئے تھا، مگر فٹ پاتھ پہ قدم رکھتے ہی شدید سردی کی لہر نے اسے ٹھٹھرا کے رکھ دیا اور وہ گنگناہٹ بھول کہ جلدی سے دونوں ہاتھ چمڑے کے لمبے کوٹ کی جیبوں میں ٹھونسنے پہ مجبور ہو گئی، اونی دستانوں کے باوجود ٹھنڈک انگلیوں کی پوروں پہ سوئیوں کی طرح چبھتی تھی۔

صبح سے مردوں کی کھوپڑیاں، بدرنگ گل دان، ڈگر ڈگر ڈولتے لیمپ، گھسے ہوئے قالین، باوا آدم کے زمانے کی دیوار گیر گھڑی اور اماں جو ان کے جہیز کے زیورات دیکھ دیکھ کر اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا، سب سے بڑھ کر مسٹر سائمن کی منحوس صورت نے سارا دن طبیعت متلائے رکھی تھی، سائمن ابھرے ہوئے گالوں اور سرخ چیری جیسی ناک پہ ڈبل فریم کا بھاری چشمہ ٹکائے کاروبار کی طرف دھیان لگانے کے بجائے سارا دن فضول لطیفے سنانے اور آتے جاتے اسے تھپتھپانے میں مصروف رہتا، ایسے میں سوزی کو لگتا جیسے یہ تمام کمینگیاں اور ناگوار شرارتیں بڈھے سائمن کی نہ ہوں، بلکہ شوکیس میں سجے ہوئے کسی سوسالہ ڈھانچے کی ہوں۔

وارن اسٹریٹ کے لمبے فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے اسے سکون محسوس ہو رہا تھا، گھٹنوں تک چڑھے سیاہ جوتے، چرمر کرتی برف میں عجیب عجیب آوازیں پیدا کر رہے تھے، یہ سب اسے اچھا لگ رہا تھا، سیاہ اندھیرے میں ٹریفک کی جلتی بجھتی رنگ بدلتی سرخ سبز اور نارنجی بتیاں، آگے پیچھے رکتی بھاگتی چھوٹی بڑی نئے پرانے ماڈل کی گاڑیاں، لمبے لبادوں میں چھپے سردی سے دانت بجاتے لوگ اور اگلی صبح فراغت و آزادی کا مسرور کن خیال۔

سخت سردی میں سانس کی گرمی سے پیدا ہونے والے ننھے ننھے بخارات اس کے نتھنوں میں جمنے لگے، اس نے اپنے قدم تیز کر دیے، جسم میں اتری ہوئی ٹھنڈک پگھلانے کے لئے ٹیوب اسٹیشن کے قریب ریڈیو اسٹیشن کی بلڈنگ کے برابر والے پب تک پہنچنا ضروری تھا، وسکی کا پہلا پیگ چڑھاتے ہی اسے پب کی چھت میں لٹکتے جلتی بجھتی روشنی والے فانوس میں رقص کرتی شبیہیں نظر آنے لگیں، اپنے سونے کے تاروں جیسے سنہری بالوں پر لپٹا ہوا مفلر سر سے جھٹک کر وہ بھی جیکے چیکے ناچتی شبیہوں کی طرح سر ہلانے لگی، لیونیز کے ریکارڈ کی سوئی ایک ہی جگہ اٹک گئی۔

"When i need you,"

"Just close my eyes"۔

یکایک اس پر اداسی طاری ہونے لگی، مسٹر سائمن کی کمینگیوں سے وقتی رہائی کے خوش کن تصور اور ویک اینڈ کے خیال میں اپنے عکس کے سوا کوئی ہمدم کوئی ہمنوا نظر نہیں آ رہا تھا، اس کے اندر کی کمزور، تنہا اور قنوطی لڑکی، زندگی کی یکسانیت اور محرومیوں سے ٹوٹ کر بکھرنے لگی۔

"When i need you"۔ کی تکرار میں اسے ماما کا دھندلا سا چہرہ جھانکتا ہوا محسوس ہوا، ماما اپنی جسمانی صحت اور کمزور مالی حیثیت کو

جواز بنا کر اسے اسٹیٹ کے چلڈرن ہوم کے حوالے کر کے اپنی تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گئی تھیں۔

بچوں کا ماں باپ کی نگہبانی میں اسکول جانا، شفقت محبت کے علاوہ بے قاعدگیوں پہ تنبیہ اور ان سے اپنے ننھے منے غموں اور معمولی معمولی خوشیوں پر گفتگو، یہ سب اس نے ٹی وی کی اسکرین پر دیکھا تھا یا کتابوں میں پڑھا تھا، خوش گوار صحت مند ماحول میں ڈنر ٹیبل پر گھر کے پکے ہوئے کھانوں کی خوشبو اور لذت سے بھی وہ قطعی نا آشنا تھی۔

اس پر اداسی کی چادر بچھ چکی تھی، ماما تو پھر بھی کبھی کبھار کپکپانے والی دھوپ کی طرح اچانک اپنی جھلک دکھا جاتی تھیں، لیکن ڈیڈی کی تو وہ صورت سے بھی واقف نہ تھی، کیا پتہ کتنی بار راہ چلتے وہ ان کے پاس سے گزر گئی ہو یا وہ اس کے نزدیک سے گزرے ہوں، ولدیت کے خانے میں لکھا ہوا نام ولیم ٹیلر پکارنے پہ نہ جانے کتنے ولیم ٹیلر ایک ساتھ سر راہ پلٹ کر دیکھتے ہیں، اتنی سی شناسائی پر نہ تو کوئی اس کا ڈیڈی بن سکتا تھا اور نہ ہی وہ اسے ڈیڈی تسلیم کر سکتی تھی، ایسے بچے اپنے آپ سے ماحول سے معاشرے سے لڑتے لڑتے خود بخود زندگی سے مقابلے کا ہنر سیکھ لیتے ہیں، مگر وہ ایک مختلف لڑکی تھی، چلڈرن ہوم پہنچتے پہنچتے اس کی تمام قوت مداخلت اس کے اندر ہی سو گئی، صرف ایک دل آزاد خیال جاگتا رہ گیا کہ وہ نا قابل قبول چیز ہے، شرمیلی طبیعت اور فطری جھجک کے سبب چلڈرن ہوم میں ہر کوئی آسانی سے اس پر اپنی مرضی مسلط کر دیتا، اسکول میں بھی کلاس فیلو اس سے بیگار لینے کے علاوہ اکثر اپنی شرارتیں اس کے سر تھوپ دیتے۔

ماما جب بھی اس سے ملنے آتی، واپسی پر وہ اس کی اسکرٹ پکڑ کر لپٹ جاتی۔

''مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔'' مگر ہوم اور اسکول کے ساتھیوں کی طرح ماما بھی مختلف بہانوں سے بہلا کر اسے چھوڑ جاتی۔

سوزی اب بظاہر اٹھارہ سال کی ایک پر اعتماد اور خود مختار لڑکی تھی، لیکن دل میں جاگزیں اپنے نامقبول ہونے کے خوف اور دھتکارے جانے کے ڈر نے اسے بالکل تنہا کر رکھا تھا، ورنہ اس عمر کی لڑکیاں ویک اینڈ پر ایسے پروگرام نہیں بناتیں، جو وہ بناتی تھی، دیر تک سونا، اپنے بیڈ سیٹ کی صفائی کرنا اور ونڈو شاپنگ سے تھک تھکا کر ٹی وی دیکھتے دیکھتے یا کوئی کتاب پڑھتے پڑھتے سو جانا۔

اسکول کی پڑھائی ختم کر کے مسٹر سائمن کی نوادرات کی دکان میں ملازمت شروع کرنے کے بعد گزشتہ تین برس سے اس کا یہی معمول رہا، ماما سے بھی آخری بار ملاقات تبھی ہوئی تھی، جب وہ رزلٹ کے موقع پر گہرے پانیوں میں رہنے والی مچھلی کی طرح چند لمحوں کے لئے سانس لینے سطح آب پر اچانک ابھری تھی اور پھر غوطہ لگا کر ڈونگے پانیوں میں اتر گئی، تب سے آج تک ملاقات نہیں ہوئی، سنا تھا وہ کسی یونانی بلڈر کے ساتھ آئر لینڈ میں رہ رہی ہے۔

☆☆☆

وہ ڈھلتی رات کا بیکراں سکوت میں ڈوبا ہوا لمحہ تھا، برف باری رک جانے کے باوجود فضا میں ہلکی ہلکی سپید روشنی مزید برف پڑنے کی خبر دے رہی تھی، سوزی ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹ آئی، اب نہ پب کے کونے میں جلتے بجھتے فانوس کی روشنی میں پر پھیلا پھیلا کر ناچتے ہلکورے لیتی پریوں جیسی شبیہوں کا رقص تھا نہ بدبودار سگریٹوں کے دھوئیں کی لکیر، نہ ہی لیونیز کی آواز کا جادو تھا،

وہ ایک بے ترتیب سے کمرے میں کسی کے ساتھ تھی، کمرے کی کھڑکی پر گہرے سبز ویلوٹ کے پردے کھینچے ہوئے تھے۔

آہستہ آہستہ ایک خواب سا یاد آیا، نیلی روشنی سے نمودار ہونے والی تصویریں ساکت ہو جانا، لیونیز کے ریکارڈ کی سوئی کا ایک ہی جگہ اٹک کر آگے بڑھنا، اس کے اندر پرورش پاتی محرومیوں کا سوتے سے سر اٹھا کے دیکھنا اور اس کا بے وجہ بے ارادہ سسکیوں کے ساتھ رونے لگنا، کسی کا اس کے اسٹول کے قریب اسٹول کھینچ کر بیٹھنا اور اس کے اونی دستانوں میں چھپے ہوئے ہاتھ پیار سے سہلاتے ہوئے ہمدردی سے آنسو پونچھنا۔

سوزی نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا، گھڑی کمرے کی نیم گرم فضا میں ٹک ٹک کرتی صبح کے تین بجا رہی تھی، اس نے کروٹ بدلی اور اپنے قریب موجودہ سراپے سے بچی کی طرح لپٹ کر پھر سو گئی، اس طرح تنہائی ختم ہوئی اور اس کی بکھری ہوئی زندگی میں جانسن آ گیا، جانسن ویلسٹرن کے بہت بڑے ملبوساتی اسٹور میں سیکورٹی گارڈ تھا، بھرپور قد و قامت اور تحمل اس کی شخصیت کی صفات تھیں، اس کے مزاج میں اپنی عمر سے زیادہ پختگی اور سمجھداری تھی۔

مسٹر سائمن کو پتہ چلا کہ سوزی نے ایک خوبصورت نوجوان کو مستقل بوائے فرینڈ کے طور پر اپنا لیا ہے تو اس کے مکروہ چہرے پر ہر وقت جھنجلاہٹ رہنے لگی، سوزی کو دن میں کئی کئی بار کڑوے کسیلے لیکچروں کا سامنا کرنا پڑتا، وہ کہتا۔

”یہ نو عمر لڑکے، یہ ٹین ایجز، ان پر بھروسہ کرنا لڑکیوں کی سب سے بڑی حماقت ہوتی ہے، یہ بیک وقت کئی کئی افیئر چلا کر لڑکیوں کو فول بناتے ہیں، خاص طور پر سوزی جیسی معصوم لڑکیاں ان کا شکار بنتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔“

جواباً سوزی مسکرا کر پر یقین لہجے میں جانسن کی صفائیاں پیش کرتی جس سے مسٹر سائمن کا پارا مزید چڑھ جاتا، پھر جانسن کا فلیٹ سجاتے سجاتے ایک روز وہ خود وہیں منتقل ہو گئی، صاف ستھرے فلیٹ میں جانسن کے شانوں پر سر رکھ کر ٹیلی ویژن دیکھتے یا ہلکے پھلکے خوش رنگ لباس پر ایپرن باندھے نت نئے کھانے پکاتے اس کا وجود پھولوں کی طرح بے وزن ہو کر کھلے آسمان پر ہچکولے کھانے لگتا، جانسن کی مسرور کن پرسنالٹی کا سحر، سیاہ موڑھوں والے مسٹر سائمن کی نحوست بھری باتوں کا اثر زائل کر دیتا اور وہ اگلی صبح کے لئے نئے سرے سے تازہ دم ہو جاتی۔

☆☆☆

موسم بدلا تو جانسن کے ملبوساتی اسٹور کے شوکیسوں میں گرم کولون، اونی مفلروں سخت کھال کے دستانوں اور گہرے رنگوں کے بھاری بھرکم لباس ہٹا کر گرتی ہوئی برف کی نرم پھوار جیسے ٹھنڈے نفیس ریشمی تھان دھنک کی طرح سجا دیئے گئے۔

جنوری کی یخ بستہ شامیں ختم ہو چکی تھیں، ٹنڈ منڈ درختوں کی خشک شاخوں پر آنکھیں کھولنے والے سبز اور گلابی شگوفوں کی رت میں ایک روز سوزی ولیم، دلہنوں کا لباس پہن کر مسز جانسن بن گئی۔

آج اس کی روح کے ایوانوں میں صندلی شمعیں فروزاں ہو چکی تھیں، جن کی دودھیا روشنی تیزی سے اس کے وجود کا احاطہ کر رہی تھی۔

شادی کی انگوٹھی انگلی کی زینت بنانے سے پہلے، اس نے غم و خوشی صحت و بیماری اور خوشحالی و افلاس کے ہر دور میں جانسن سے وفاداری کا عہد دہراتے ہوئے اپنے سب اختیارات اس کے

سپرد کر دیئے۔
چرچ کی بجتی گھنٹیوں کے شور میں، پہلو میں کھڑا جانسن اسے زندگی کا سب سے قیمتی سرمایا محسوس ہو رہا تھا۔
سفید لیس کے روایتی لباس میں وکٹورین فیشن کا دیدہ زیب گاؤن کو پہنے تازہ پھولوں کی خوشبو میں بسی دلہن کو کوچ کے نازک کھلونے کی طرح سنبھال کر پھولوں سے سجی کرائے کی کار میں بٹھاتے ہوئے جانسن کے ذہن کی سلیٹ پر اپنے پاپا کی صورت ابھر آئی، پاپا جنہوں نے ممی سے علیحدگی کے بعد صبح سے شام تک اس کی نگہداشت کرنے والی، چائلڈ مائینڈر کو مستقل رکھ لیا تھا، ان کے بڑے سے کشادہ مکان میں وہ ایک دوسرے سے ویک اینڈ پر بھی بمشکل مہمانوں کی طرح ملتے، قیمتی ڈائننگ ٹیبل پر وہ اجنبیوں کی طرح کھانا کھاتے، اس کا دم گھٹنے لگتا اور اپنا آپ اسے بے قیمت محسوس ہوتا، بچپن ہی سے اس کا اپنے آپ سے یہ خاموش وعدہ تھا کہ اسے بڑا ہو کے ایک ایسا گھر بنانا ہے جہاں لوگ مہمانوں یا اجنبیوں کی طرح نہیں، بلکہ گھر والوں کی طرح رہیں گے، وہ محبت اور تحفظ جو پاپا نے اسے اور اس کی ممی کو نہیں دیا تھا وہ اپنے گھر والوں کو ضرور فراہم کرے گا۔
اے لیول کے بعد پاپا نے لاکھ چاہا کہ وہ یونیورسٹی جوائن کر لے یا ان کے اسٹیشنری کے بزنس میں شامل ہو جائے، لیکن وہ ان کی خواہش نظر انداز کر کے خاموشی سے کسی شکوے شکایت کے بغیر عمل کے میدان میں اپنی محنت سے زندگی کا سامان پیدا کرنے کے لئے اتر گیا۔

☆☆☆

اس دن سوزی ہسپتال سے چیک اپ کرا کے لوٹی تو اس کے چہرے پر نئی زندگی کا نیا عنوان لکھا تھا، وہ بہت خوش تھی، ماں جو بننے والی تھی، جانسن گھر میں داخل ہوا تو اس نے کھانے کی میز پر برتن لگاتے ہوئے پراسرار مسکراہٹ سے اسے مخاطب کیا۔
''جانسن! تمہیں بیٹی پسند ہے یا بیٹا؟''
''کیا مطلب؟'' ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے جانسن کے ہاتھ رک گئے۔
''مطلب کیا ہو سکتا ہے؟'' سوزی نے جواباً شرارت سے سوال کیا۔
''بیٹی بھئی، بیٹی......'' جانسن نے اس خوشخبری پر سوزی کو بانہوں میں بھر کے کہا۔
''سوری جانسن، اس بار تو تمہیں بیٹے پر گزارہ کرنا ہوگا۔'' سوزی نے شرمیلی مسکراہٹ سے پلکیں جھکائیں۔
''اگر یہ اسکیننگ مشین کا اعلان ہے تو یقیناً اب کوئی کچھ نہیں کر سکتا، مگر کیا ہی اچھا ہوتا، اگر تم مجھے پہلی خوش خبری اپنی جیسی پیاری سی بیٹی کی سناتیں۔'' جانسن نے اس کے ہاتھ کے پکے ہوئے لذیذ چاولوں کی خوشبو سونگھتے ہوئے محبت سے جواب دیا۔
''جانسن! تم نے کچھ سوچا، اپنے بیٹے کو تم سب سے پہلا تحفہ کیا دو گے؟'' سوزی نے سلاد کا پتا چباتے ہوئے پرشوق لہجے میں پوچھا۔
''میں نہیں، تم بتاؤ جان، تم نے بیٹے کے لئے کیا خصوصی تحفہ منتخب کیا ہے؟'' جانسن نے شوخی سے دیدے گھمائے۔
''واہ میں کیوں بتاؤں، پہلے سوال میں نے کیا ہے اس لئے جواب پر بھی پہلے میرا حق ہے۔'' سوزی نے جواز پیش کیا۔
پہلے تم، پہلے تم، کی تکرار میں خلاف معمول اور خلاف مزاج جانسن اینٹھ گیا۔
''جانم! تم سے محبت اپنی جگہ، مگر تحفہ بیٹے کا

ہے اور تحفہ کیا ہے؟ یہ جاننے کا پہلا حق بھی بیٹے کا ہے، تمہیں اس کی آمد تک انتظار کرنا پڑے گا۔"

کیری کاٹ؟ بے بی پرام، یا پش چیئر؟

سوزی مہینوں قیافے لگاتی رہی اور جانسن اس کا خمیر کی طرح پھیل کر بدوضع ہوتا ہوا سراپا لگاوٹ اور دلچسپی سے دیکھتا اور ہنس ہنس کر نفی میں سر ہلا کے اس کو چڑاتا رہا۔

☆☆☆

اتوار کی دوپہر اسٹور میں بے تحاشا اژدھام تھا، سمر سیل، کی وجہ سے کھوئے سے کھوا چھل رہا تھا، جانسن کی عقابی نگاہیں تیزی سے پروفیشنل اور نان پروفیشنل شاپ لفٹروں کی تلاش میں ادھر ادھر گھوم رہی تھیں، ایسے میں اس نے سوزی کا فون ریسیو کیا، جس کی آواز خوشی اور خوف کے امتزاج سے کانپ رہی تھی۔

"جانسن جان، ایمبولینس دروازے پر کھڑی ہے میں ہسپتال جا رہی ہوں۔"

جانسن نے فوراً ڈیوٹی آف کی اور سیدھا ہسپتال پہنچا، سوزی لیبر روم میں پسینے سے شرابور تخلیق کے مرحلے سے گزر رہی تھی، جانسن اس کا بکھرا ہوا پسینا پسینا وجود، وارن اسٹریٹ کے پب میں ہونے والی پہلی ملاقات کی طرح سمیٹنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

ہلکے بسنتی رنگ کمبل میں لپٹا بچہ دیکھ کر سوزی کے اندر سو جانے والی محرومیوں نے آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھا اور چلڈرن ہوم میں گزرا ہوا نہ جانے کون کون سا فراموش لمحہ دل میں چبھنے لگا۔

"میں تمہیں وہ گھر مہیا کروں گی جو مجھے نہیں مل سکا۔" اس نے محبت اور بیقراری سے اپنے نرم و گداز اور سرخ و سفید رنگت والے بچے

کو چوم لیا، نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

ہسپتال سے گھر پہنچنے پر وہ ننھے تھامسن کی خوشی سیلیبریٹ کر رہے تھے، کہ اچانک بیرونی دروازے کی اطلاعی گھنٹی گنگنا اٹھی، جام لبریز کر کے جانسن نے دروازے کی طرف بڑھنے سے پہلے کیری کاٹ میں سوئے ہوئے تھامسن کو جھک کر پیار کیا۔

دروازہ کھلنے پر وہ فرط جذبات سے گنگ کھڑا رہ گیا، اس کا تحمل اور مزاج کا ٹھہراؤ اس کا ساتھ نہیں دے پا رہا تھا، جذبات کی شدت کا یہ انداز سوزی کے لئے نیا تھا۔

"سوزی سوزی دیکھو ممی میری ممی، اپنے بیٹے کے لئے میرا قیمتی تحفہ۔" پل ہی پل میں وہ مکان جسے جانسن اور سوزی نے مل کر گھر بنایا تھا، ساحل سمندر پر بنائے جانے والے ریت کے گھروندے کی طرح بہہ گیا اور حاصل زندگی بن جانے والے خوشگوار لمحے استخفاف کی بازگشت بن گئے، معصوم تھامسن کا فرشتوں جیسا وجود خلش اور ملامت کے احساس میں بدل گیا۔

کثافتوں سے بھرپور فضا میں ایک گھر کی تعمیر اتنی آسان نہیں، معاشرہ ایک ایسا پیر تسمہ پا ہے جو اپنی گرفت میں آئے ہوئے کو تاوان لے کر بھی آزاد نہیں کرتا، اس معاشرے میں جو بویا جا چکا ہے، اسے خواہش یا بغیر خواہش کس کس کو کہاں کہاں کاٹنا ہے کوئی نہیں جانتا۔

چوپٹ کھلے دروازے میں سوزی کے عین سامنے اس کی اپنی ماما اور جانسن کی ممی کھڑی تھی۔

☆☆☆

نئے خواب بُنیں

سویرا فلک

گھڑی کی سوئیوں نے بارہ بجنے کا عندیہ کیا دیا، گویا ایک طوفان برپا ہو گیا، چاروں جانب شور شرابا اور غل غپاڑہ مچ گیا، اس کی طرح محلے کی دیگر لڑکیاں بالیاں چھتوں اور دریچوں میں، آسمان پر پھوٹتے انار دیکھنے آٹکیں تو سڑک پر موجود منچلے پٹاخے پھوڑنے اور سائیلنسر نکلی بائیکوں کو ریس دینے لگے، نئے سال کی ابتدا کا نقارہ بج چکا تھا، ایسے میں اس کی نظر سامنے والے گھر کی چھت پر موجود نازیہ پر پڑی جو سرخ لباس پہنے اپنا میچنگ چوڑیوں سے بھرا ہاتھ اٹھا کر کسی کو مسکرا کر ہاتھ ہلا رہی تھی، نظروں سے اس کی نظر کا تعاقب کیا تو نیچے محلے کے سب سے کڑیل نوجوان راشد پر نظر پڑی جو اب اسے اشاروں میں جواب دے رہا تھا، دفعتاً راشد کی نظر اس پر بھی پڑی تو اس نے برا سا منہ بنا کر واپس رخ پھیر لیا اور اپنا رخ نازیہ کی جانب موڑ لیا، نازیہ جو ویسے ہی کھلتی رنگت پر سرخ لباس کے ساتھ لیڈی برڈ لگ رہی تھی راشد کے معنی خیز اشاروں پر تو گویا پورا انار ہو گئی، لیکن اس شوخ و شریر منظر نے اس کے اندر کی تنہائی کو اور بڑھا دیا، باہر جس قدر شور تھا اس کے اندر اسی قدر خاموشی عود آئی تھی۔

وہ دل مسوتی ہوئی اندر آ گئی، اماں ابا سو رہے تھے، وہ بھی خاموشی سے اپنے بستر پر لیٹ گئی، چند لمحے چھت کو گھورتے رہنے کے بعد اس نے آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کی تو راشد کی اندر تک کاٹ دینے والی نظروں نے اسے بے چین کر دیا، اس نے اٹھ کر لائٹ آن کی اور آئینے کے سامنے آ کھڑی، ٹپ ٹپ آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے گرتے چلے گئے، وہ ایک بار دل ہی دل میں سب سے شکوہ کناں تھی، اماں سے، کہ انہوں نے کیوں اور کیا سوچ کر اس کا نام ''بختاور'' رکھ دیا تھا، ابا سے کیوں وہ اس کے منع کرنے کے باوجود اس کے لئے ہمیشہ شوخ رنگوں کے کپڑے لاتے اور سب سے بڑھ کر اوپر والے سے جس نے اس کے چہرے کی طرح اس کا نصیب بھی سیاہ کر دیا تھا، اس کی عمر کا تیسواں سال شروع ہونے کو تھا مگر ہاتھ کی لکیریں تھیں کہ ٹس سے مس ہوتی دکھائی نہ دیتی تھیں، دسمبر شاید اسی لئے لوگوں کو اداس کرتا ہے کہ ایک طرف تو لوگوں کو ایک سال بھی تہی داماں رہنے کا دکھ گھیرے رہتا ہے، دوسری طرف یہ ڈر جکڑ لیتا ہے کہ کہیں اگلے سال بھی تو یہ ریت، وقت کا یہ چلن برقرار تو نہیں رہے گا، وہ بھی ہر سال کی طرح اداس تھی، یہ سال بھی اسے کچھ نہیں دے سکا، اس کے مقدر کا ستارہ اب تک نہ چمکا تھا، ایک بار پھر اس کی امید کی شمع بجھ گئی تھی۔

☆☆☆

آج سردی معمول سے کم تھی، گو کہ جنوری کے اوائل کے دن تھے، تاہم آج سرد ہواؤں کا زور کچھ ٹوٹا ہوا تھا، اس لئے اس نے پہلے واشنگ مشین لگا کر کپڑے دھوئے اور پھر نہا دھو کر چھت پر آ بیٹھی، جہاں نرم گرم دھوپ اعضاء کو تپش دیتے ہوئے جسم و جاں کو تسکین و توانائی بخش رہی تھی، شاید اماں بھی دھوپ سینکنے کی غرض سے سبزی کا تھال اٹھا کر اوپر ہی چلی آئیں ورنہ عموماً وہ صحن میں بیٹھ کر ہی سبزیاں کاٹنے چھانٹنے کا کام انجام دیا کرتی تھیں، اماں نے مٹر کی تھیلی کھولی تو وہ بھی ان کے ساتھ مٹر کی پھلی سے دانے الگ کرنے لگی۔

''بختاور تو نے سوٹ کیس تیار کر لیا بیٹا۔''
اماں نے مٹر کے چند دانے پھانکتے ہوئے کہا۔

''ہاں اماں تقریباً کر لیا ہے بس یہ جو دھوئے ہیں ان میں سے کچھ جوڑے سوکھ جائیں

تو وہ رکھتے ہیں، سردی اتنی پڑ رہی تھی، ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی دھونے کی، ویسے اماں یہ لوگوں کو کیا مصیبت ہوتی ہے جو کڑکڑاتی سردیوں میں شادی رکھ لیتے ہیں اوپر سے تیری ضد کے جانا بھی ضروری ہے۔'' بختاور نے منہ بنا کر کہا تو اماں نے نرم لہجے میں اسے گھر کا۔

''بری بات بختاور ایسے نہیں کہتے، بیٹا شادی بیاہ کے کام بلکہ پیدائش اور موت ہی سب اللہ کے مقرر کردہ اوقات کے تحت طے پاتے ہیں، پھر جیسے جس کی سہولت، دوسرا بیٹا، یہی خوشی اور غمی کے موقع تو ہوتے ہیں جب اپنوں کے ساتھ کھڑا ہوا جاتا ہے، خالہ حمیدہ تیری دور کی خالہ ہے پر دیکھ انہوں نے کیسے خلوص سے ہمیں یاد رکھ کر بلایا نہیں تو ہم یہاں سیالکوٹ میں اور وہ وہاں فیصل آباد میں، کیا ضرورت پڑی تھی اگر ہمیں سفر کی دقت اٹھانی پڑے گی تو انہیں بھی تو دوسرے شہر سے آئے مہمانوں کو ٹھہرانے کے لئے کتنا انتظام و تردد کرنا پڑے گا، مگر جب رشتے نبھانے ہوں تو ایسی باتیں بے معنی ہو جاتی ہیں اور تو دیکھنا وہاں ان کی بیٹیوں سے مل کر تو بھی کیسی خوش ہو گی، وہ بھی خالہ حمیدہ کی طرح بڑی اچھی عادت کی ہیں۔'' اب اماں کے چہرے پر مسکراہٹ تھی سو وہ بھی جبراً مسکرا اٹھی، ہفتے بھر بعد ہی وہ لوگ خالہ حمیدہ کے گھر تھیں، ابا تو دکان کی وجہ سے سیالکوٹ میں ہی رک گئے تھے اور ان کی طرف سے اماں نے معذرت بھی کر لی تھی، کہ روزگار کا معاملہ تھا، خالہ حمیدہ اور ان کی تینوں بچیاں واقعی بہت پر خلوص تھیں، بختاور کو بالکل بھی محسوس نہیں ہوا کہ وہ ان سے پہلی بار مل رہی ہے، پھر اماں کے بتانے پر کہ بختاور بہت اچھی مہندی لگتی ہے، سب ہی لڑکیاں اس کے ارد گرد ڈیرہ ڈال کر بیٹھ گئیں، بختاور نے سب سے پہلے خالہ حمیدہ کی بڑی بیٹی ثریا کے مہندی لگائی کیونکہ اسی کی شادی تھی، پھر تقریباً رات بھر ڈھولکی اور مہندی لگانے کا سلسلہ چلتا رہا، دوسرے دن بارات تھی، بختاور ہمیشہ کی طرح ہلکے رنگ کے کپڑے پہن کر چٹیا باندھے اور آنکھیں کاجل سے بھرے کمرے سے باہر آئی تو دوسرے نمبر کی سونیا نے اسے پکڑ کر واپس اندر کر دیا، پھر اسی نے اپنا گہرا سبز رنگ کا جوڑا پہنا کر اس کے لمبے بال کھول کر کاندھے کے ایک طرف ڈال دیئے، کانوں میں جھمکیاں اور ہاتھ کی کلائیوں میں ڈھیر ساری چوڑیاں ڈال کر اس کے نہ نہ کرنے پر بھی ہلکا سا میک اپ بھی کر ڈالا اور پھر جب اس کی خود پر اور اماں کی اس پر نظر پڑی تو دونوں ہی کی آنکھوں میں حیرت صاف نظر آ رہی تھی، ذرا سی توجہ پر اس کا روپ نکھر آیا تھا۔

بارات سے واپسی پر تھک ہار کر سب سونے لیٹ گئے اور کچھ ہی دیر میں گھر خراٹوں سے گونجنے لگا مگر ایک وہ ہی تھی جس کو نیند نہیں آ رہی تھی، آج پہلی بار اسے کسی کی سراہتی نگاہیں بے چین کیئے ہوئے تھیں، مگر وہ مسلسل دل کی سرزنش کیے جا رہی تھی۔

''بھلا میں اس قابل کہاں نکلے، ایویں خوش فہمی نہ پال، خواب نہ دکھا مجھے، یہ سب فریب ہے، سراب ہے، دل لگی ہو سکتی ہے کسی کی مگر دل کی لگی نہیں۔'' اس نے دل کو ڈپٹا تھا اور پھر موٹے موٹے آنسوؤں کو تکیہ کی آغوش میں چھپا دیا تھا۔

☆☆☆

''بختاور او بختاور۔'' وہ چھت پر کبوتروں کو دانہ ڈال رہی تھی کہ اماں اسے آوازیں دیتے ہوئے چھت پر ہی چلی آئیں۔

''جی اماں...... کیا ہوا...... تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں لگ رہی ہو؟ سب خیریت ہے؟'' اس

نے اماں کو ہانپتے کانپتے دیکھا تو پریشان ہو اٹھی۔

مہینے کا آخیر تھا اوپر سے جنوری کا مہینہ بھی لمبا ہوتا ہے تو عیاشی مارنے کا بھی سوال نہیں تھا، اماں بڑے حساب کتاب سے چلنے والی عورت تھیں، وہ سوال پوچھنے کو تھی کہ اماں نے گویا اس کے دل میں اٹھتے سوالات پڑھ لئے۔

''ارے وہ تیری حمیدہ خالہ آرہی ہے شام میں، ان کے لڑکے کو آج کوئی کام تھا، شاید دوکان کے لئے سامان وغیرہ لینا تھا تو کہنے لگی اسی بہانے میں تم سے مل سکوں گی، میں نے کہا سو بسم اللہ، چل اب زیادہ نہ سوچ نیچے آجا، میں ذرا دوسرے کام دیکھ لوں۔'' اماں نے اب کے اسے کندھے سے پکڑ کر ہلایا اور خود نیچے کے راستے کی طرف بڑھ گئی، تو اس نے بھی اماں کے پیچھے قدم بڑھا لئے، نیچے آکر اس نے جو کچن میں قدم رکھا تو شام سے پہلے نکل نہ سکی، کیونکہ سردیوں کے چھوٹے دن تھے، بہر حال عصر تک کام نمٹا کر وہ اماں کی ہدایت پر کپڑے بدلنے چلی گئی، تیار ہو کر باہر آئی تو بیٹھک سے حمیدہ خالہ کی آوازیں آ رہی تھیں، اس کا ہی ذکر چل رہا تھا، وہ اپنا سن کر دروازے کی اوٹ میں ہو گئی، فطری تجسس نے کان لگانے پر مجبور کر دیا۔

''بس کوثر، یہ تو نصیبوں کے کھیل ہیں، میرے ناصر اور تیری بختاور کا جوڑ بنا تھا تو ملنے کے اسباب بھی پیدا ہو گئے، شاید اسی لئے سفر کو وسیلہ ظفر بھی کہتے ہیں، میرے ناصر کو تو شروع سے ہی سادہ اور گھریلو لڑکیاں پسند ہیں اور تیری بختاور نے ڈھولکی والی رات جو پوریاں اور ترکاریاں بنائیں ناصر تو ان کا دیوانہ ہو بیٹھا، شاید واقعی مرد کے دل کا راستہ حلق سے ہو کر جاتا ہے اور پھر بختاور کے لمبے بالوں نے تو اسے اسیر ہی

کر ڈالا۔'' خالہ حمیدہ خوش باش لہجے میں دل کی باتیں کیے جا رہی تھیں اور بختاور کو لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا دل اور اس کی دھڑکن اس کے قابو سے باہر ہوئے جا رہے ہیں۔

وہ بمشکل خود کو گھسیٹ کر کچن میں چلی آئی اور اسٹول پر بیٹھ کر گھٹنوں میں سر رکھ کر آنکھیں موند کر خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی کہ نرم گرم ہاتھوں نے اسے اپنی آغوش میں بھر لیا، اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''نہ میری بچی۔'' اماں نے تڑپ کر اس کی آنکھیں پونچھی۔

''میں نہ کہتی تھی حسن دیکھنے والے کی نظر میں ہوتا ہے اور دیکھ جو اس دن تو تھوڑا سا سنوری اسی روپ نے تجھے دلوں میں جگہ دے دی، بیٹا بے شک نصیب اللہ لکھتا ہے مگر بندے کو اسے سنوارنے کی سعی بھی کرنی چاہیے، مگر تو نے ہمیشہ یہ سمجھ کر خود سے لاپرواہی برتی کہ جب قدرت نے کوئی کمی رکھی ہے تو میں کیوں کوشش کروں تو نے ساری نگاہ چہرے کی رنگت پر رکھی یہ نہ سوچا کہ اللہ نے تجھے کیسے پیارے بال دیئے ہیں، بیٹا جب بندہ خود ہار مان لے تو قسمت بھی اس کے لئے ہار ہی لکھ دیتی ہے، ہمیشہ روشنی کی طرف دیکھنا چاہیے چاہے وہ ایک کرن ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اندھیرے غار میں معمولی سے شمع بھی روشنی بکھیر دیتی ہے اور راستہ نظر آنے لگتا ہے۔''

اماں نے اس کا ماتھا چوما تو وہ سرشار ہو کر اماں کے گلے لگ گئی اور خود سے وعدہ لیا کہ وہ آنے والے لمحوں کے لئے نئے خواب تو ضرور بنے گی اور تاہم ان کی تعبیر پانے کے لئے اپنی سے پوری کوشش بھی کرے گی کہ یہی کوشش تو دراصل امید ہوا کرتی ہے۔

☆☆☆

تحریم محمود

بڑی آزمائش، بڑا انعام

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جتنی بڑی بلا (آزمائش) ہوتی ہے، اتنی ہی بڑی جزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔''

(یوں بھی کہا جا سکتا ہے جتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے، اتنی ہی جزا اور اتنا بڑا انعام بھی ملتا ہے۔) پس اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے (یا اسے محبوب قرار دیتا ہے) تو اسے آزمائش اور مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، پس جو مصیبت اور بلا پر خوش (راضی برضائے خداوندی) رہا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی رضا مندی ہے، (یعنی اللہ ایسے بندوں سے یا قوم سے راضی ہو جاتا ہے) اور جو ناراض ہوا (اس بیماری یا بلا پر) تو اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے، (اس کے لئے اللہ کی ناراضی ہے۔)

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

مینارہ نور

ایک پچیس چھبیس سالہ نوجوان جب یروشلم کی ایک گلی سے گزرا تو ایک شخص نے برابر سے نمودار ہو کر اسے گالیاں دینا شروع کر دیں۔

''بے دین، گمراہ، ہمیں اپنے آباؤ اجداد سے گمراہ کرنا چاہتا ہے، خدا تجھے ذلیل اور برباد کرے۔''

نوجوان نے مسکرا کر اس شریر آدمی کو دعائیں دینا شروع کر دیں، ایک تیسرے شخص نے حیرت سے دریافت کیا۔

''یہ شریر تمہیں گالیاں دے رہا ہے اور تم اسے دعائیں دے رہے ہو، تم بھی اسے گالیاں دے سکتے تھے۔''

شریف نوجوان نے تحمل سے جواب دیا۔

''جس کے پاس دینے کے لئے جو کچھ ہوتا ہے، دوسروں کو وہی دیتا ہے، اس کے پاس گالیاں تھیں، اس نے مجھے گالیاں دیں، میرے پاس دعائیں تھیں، میں نے دعائیں دیں۔''

یہ شریف نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے جو برائیوں کے خلاف جہاد کر رہے تھے۔

حمیرا رضا، ساہیوال

باتوں سے خوشبو آئے

☆ دنیا میں کوئی چیز اپنے آپ کے لئے نہیں ہے، دریا خود اپنا پانی نہیں پیتا، درخت اپنا پھل خود نہیں کھاتا، سورج اپنے لئے حرارت نہیں دیتا، کیونکہ دوسروں کے لئے جینا ہی اصل زندگی ہے۔

(حضرت علیؓ)

☆ جو دوست بنانے میں خوف زدہ ہو اسے کبھی سچے دوست نہیں ملیں گے، زندگی میں ایک دوست مل گیا تو بہت ہے، دو مل گئے تو بہت زیادہ ہے، تین تو مل ہی نہیں سکتے۔

(مستنصر حسین تارڑ)

☆ ماں کی اصل خوب صورتی اس کی محبت ہے اور میری ماں دنیا کی امیر ترین اور خوب صورت ترین ماں ہے۔

(محمد علی جوہر)

ماریہ عثمان، سرگودھا

کامیابی کی زندگی

☆ باطل ہیں وہ تمام اعتقادات اور تعلیمات جو انسان کو اس کی زندگی میں بدقسمت بنائے اور جھوٹے ہیں وہ سارے جذبے جو اسے مایوسی اور بدبختی کی طرف لے جائیں، انسان کا حق ہے کہ وہ زمین پر کامیابی کی زندگی بسر کرے۔

(خلیل جبران)

ماروح آصف، خانیوال

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

☆ حسن ایک تنہائی کی سلطنت ہے، جسے وہ جاہ وحشم کی ضرورت نہیں۔

(بوعلی سینا)

☆ دنیا میں اس سے زیادہ کوئی چیز سخت نہیں کہ تمہاری کسی سے دشمنی ہو۔

(ابوالحسن)

☆ جو عقل مند سے لڑے وہ عزت کی توقع نہ رکھے۔

(سعدی)

☆ قیمتی مشورے محض قیمت وصول کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور صحیح مشورے ناراضی مول لینے کے لئے۔

(جارج سنتیانہ)

☆ اپنے خیالات کو اپنا جیل خانہ نہ بناؤ۔

(شیکسپیئر)

☆ طنز وہ آئینہ ہے جس میں دیکھنے والا اپنے سوا ہر کسی کے چہرے کو دیکھتا ہے۔

(سوئفٹ)

☆ وہ آدمی عظیم ہے جو اپنا کام چلانے کے لئے دوسروں کے دماغوں سے استفادہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(پیاٹ)

☆ ذہانت گفتگو کا نمک ہے۔

(ہیزلیٹ)

☆ بے محل ہنسنا، غیر ضروری گفتگو کرنا اور غلط جگہ بیٹھنا بے وقوفی ہے۔

(بیومانٹ)

☆ نیک وہ عمل ہے جو لوگوں سے بے نیاز ہو کر کیا جائے۔

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

اچھی بات

☆ میں اور میرا خدا روز بھول جاتے ہیں، میں اس کی عطاؤں کو، وہ میری خطاؤں کو۔

☆ خوابوں کو اپنے اندر زندہ رکھو لیکن خوابوں میں زندہ مت رہو۔

☆ اگر اچھی بات تمہارے دشمن میں بھی ہو تو اسے قبول کرنے سے دریغ نہ کرو۔

☆ دل ایک آئینہ ہے اور اگر یہ بدی سے پاک ہو تو اس میں خدا بھی نظر آتا ہے۔

نورین شاہد، رحیم یار خان

بولتے لفظوں کی صداقت

O جو شخص تمہیں دوسروں سے بدگمان کرے اس سے بچو کہ وہ انسان کے روپ میں شیطان ہے۔

O دروازے ہمیشہ کھلے رکھو کیونکہ بعض لوگ دستکوں کے قائل نہیں ہوتے۔

O اہم ہونا خوبصورت ہے، خوبصورت ہونا اہم نہیں۔

O وہ مسکراہٹ بڑی مقدس ہوتی ہے جب کسی کی یاد آئے تو دل روئے جب لب مسکرا دیں کاش کوئی دیکھے کہ اتنی سی مسکراہٹ کے لئے انسان کتنی مرتبہ اندر سے ٹوٹ جاتا ہے۔

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

وفا عبدالرحمان ---- راولپنڈی

تیری یاد اور برف باری کا موسم
سلگتا رہا دل کے اندر اکیلے
ارادہ تھا جی لوں گا تجھ سے بچھڑ کر
گزرتا نہیں دسمبر اکیلے

....

ہمیں تو بس یہ پتا ہے کہ جس شب مجھے چھوڑ کر تم چلے گئے
آسمانوں سے شعلہ نکلتا رہا چاند جلتا رہا
وہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگی
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا

....

گزرے لمحوں کو بھلانے میں کچھ وقت لگے گا
اپنی ذات سے باہر نکلنے میں کچھ وقت لگے گا

سدرہ نعیم ---- شیخوپورہ

ٹوٹ جاتے ہیں سبھی رشتے مگر
دل سے دل کا رابطہ اپنی جگہ
دل کو ہے تجھ سے نہ ملنے کا یقین
تجھ کو پانے کی دعا اپنی جگہ

....

پچھلے برس تھا خوف تجھے کھو نہ دوں کہیں
اب کے برس دعا ہے تیرا سامنا نہ ہو

....

میں کیا چنتی تھی شب و روز محبت کے گلاب
مجھ کو معلوم نہ تھا درد کسے کہتے ہیں

زاہدہ اظہر ---- حافظ آباد

اس دل کے بہلنے کو یہ سامان بہت ہے
وہ اپنی جفاؤں پہ پشیمان بہت ہے

اب کے بھی اجڑ جائیں گے بستی کے کئی گھر
اس سال بھی برسات کا امکان بہت ہے

....

یہ ہی نہیں ہے کہ ہمیں توڑ کر گیا ہے کوئی
اسے بھی خود کو بہت دیر جوڑنا ہو گا

....

دوسروں کے سپرد کر کے اسے
خود کو دھوکا دیا تھا خود میں نے
کس قدر یادگار لمحہ تھا
اس کو رخصت کیا تھا خود میں نے

فضہ بخاری ---- رحیم یار خان

دکھ ہزاروں دیے ہیں گئے سال نے
دیکھو دینا ہے کیا اس نئے سال نے

....

سانحہ ایک ہو تو بتلائیں
اس کو کھونے کا اس کو رونے کا
بس یہی زندگی کا حاصل ہے
ایک احساس اپنے ہونے کا

....

ایک تیری تمنا نے کچھ ایسا نوازا ہے
مانگی ہی نہیں جاتی اب کوئی دعا ہم سے

حنا زبیر احمد ---- بہاولپور

اس ایک سال میں کیا کیا نہ ہوا عادل
کچھ الفتیں بھی ملیں، کچھ الفتیں بھی گئیں

....

پھر وہی وعدہ جو اقرار نہ بننے پایا
پھر وہی بات جو اثبات نہ ہونے پائی

....

بستی بھی سمندر بھی بیاباں بھی مرا ہے
آنکھیں بھی مری خواب پریشاں بھی مرا ہے
جو ڈوبتی جاتی ہے وہ کشتی بھی ہے مری
جو ٹوٹتا جاتا ہے وہ پیاں بھی مرا ہے

اُم رباب ---- ساہیوال

درد کچھ اور عطا کر کہ ترے درد نواز
یہ سخاوت ترے معیار سے کم جانتے ہیں
ہم کہ کھلتے تھے کبھی ضبط جنوں کی رت میں
حرف شیریں کو بھی اب قطرہ سم جانتے ہیں

....

شبنم کے آنسو پھول پر یہ تو وہی قصہ ہوا
آنکھیں میری بھیگی ہوئی چہرہ تیرا اترا ہوا
برسات میں دیوار و در کی ساری تحریریں مٹیں
دھویا بہت مٹتا نہیں تقدیر کا لکھا ہوا

....

دیتے ہیں اجالے مرے سجدوں کی گواہی
میں چھپ کے اندھیروں میں عبادت نہیں کرتا
دنیا میں قتیل اس سا منافق نہیں کوئی
جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا

نعیمہ بخاری ---- اٹک

خود نمائی تو نہیں شیوہ ارباب وفا
جن کو جلنا ہو وہ آرام سے جل جاتے ہیں

....

فلسفہ عشق میں پیش آئے سوالوں کی طرح
ہم پریشان ہی رہے اپنے خیالوں کی طرح
ذکر جب ہو گا محبت میں تباہی کا کہیں
یاد ہم آئیں گے دنیا کو حوالوں کی طرح

....

جستجو میں تری پھرتا ہوں نجانے کب سے
آبلہ پا ہیں مرے ساتھ زمانے کب سے
نعمتیں ہیں نہ عذابوں کا سلسل اب تو
مجھ سے رخ پھیر لیا خدا نے کب سے

ثمرین زاہرہ ---- خان پور

میری تکمیل میں حصہ ہے اس کا بھی فراز
میں اگر اس سے نہ ملتا تو ادھورا رہتا

....

کبھی نہ ٹوٹنے والا حصار بن جاؤں
وہ میری ذات میں رہنے کا فیصلہ تو کرے

....

جستجو میں تیری پھرتا ہوں نجانے کب سے
آبلہ پا ہیں میرے ساتھ زمانے کب سے
وہ تو جنگل سے ہواؤں کو چرا لاتا ہے
اس نے سیکھے ہیں دیے گھر میں جلانے کب سے

نمرہ سعید ---- اوکاڑہ

یہ سوچ کر کہ نہ ہو تاک میں خوشی کوئی
غموں کی اوٹ میں خود کو چھپا لیا میں نے
کسی کی آس تو مجھ کو رہی سو میں تڑپا
شب فراق بتا تیرا کیا لیا میں نے

....

بات تو کچھ نہیں تھی لیکن اس کا ایک دم
بات کو ہونٹوں پہ رکھ کر روکنا اچھا لگا

....

مجھ سے بچھڑا تھا وہ پہلے بھی مگر
اب کے یہ زخم نیا ہو جیسے
یوں بہت ہنس کے ملا تھا لیکن
دل ہی دل میں خفا ہو جیسے

طاہرہ رحمان ---- بہاولنگر

اپنی زندگی بھی اس چاند کی طرح سے وصی
جو خوبصورت تو دکھتا ہے مگر ہے بہت اکیلا

....

کس طرح نبھے اپنی شہریار سے محسن
اس کا ہم نشیں سایہ میرا ہم سفر سورج

....

الجھیں گے ابھی کئی بار لفظ سے مفہوم
سادہ ہے بہت وہ نہ میں آسان بہت ہوں
عمرانہ علی ---- حاصل پور
نیند تو آنے کو تھی پر دل پرانے قصے لے بیٹھا
اب خود کو بے وقت سلانے میں کچھ وقت لگے گا

....

زندگی کیسے بسر ہو گی ہم کو تابش
صبر آتا ہے نہ آشفتہ سری آتی ہے

....

اسے تشبیہ کا دوں آسرا کیا
وہ خود ایک چاند ہے پھر چاند سا گیا
بہت نزدیک آتے جا رہے ہو
بچھڑنے کا ارادہ کر لیا کیا
عظمیٰ جبیں ---- لیہ
یہ ضد ہے ہماری کہ اسے چھین لیں سب سے
ہم اور زمانے سے تقاضا نہیں کرتے
گوشہ تنہائی میں رو لیتے ہیں اکثر
ہم شہر کی گلیوں میں تماشا نہیں کرتے

....

ہم نے اپنی اداسی کا اس طرح بھرم رکھا
رابطے کم کر دیے مغرور کہلانے لگے

....

محور سوچ دونوں کا ایک ہی ہے
مجھے اس سے اور اسے خود سے فرصت نہیں ملتی
وردہ منیر ---- لاہور
ڈھلنے لگی تھی رات کہ تم یاد آ گئے
پھر اس کے بعد رات بہت دیر تک رہی

....

بہت امید رکھنا اور پھر بے آس ہونا بھی
بشر کو مار دیتا ہے بہت حساس ہونا بھی

....

عشق ہے اپنے اصولوں پہ ازل سے قائم
امتحاں جس کا بھی لیتا ہے رعایت نہیں کرتا
ثمرہ شیرازی ---- چوکی
محبت کے سفر میں دل جلا کر چین ملتا ہے
تمہارے درد کی محفل سجا کر چین ملتا ہے
کبھی احساس ہوتا ہے بہاروں کے اجڑنے کا
کبھی سوکھے ہوئے پتے اٹھا کر چین ملتا ہے

....

تیر کھائے ہیں ہم نے اپنوں سے
یہ کرم خیر خواہ کرتے رہے
اپنا سمجھا تھا ہم نے جن کو قدیر
وہ ستم بے پناہ کرتے رہے

....

تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں
دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ
حفصہ حماد ---- کراچی
یوں ذہن میں جمال رسالت سما گیا
میرا جہاں فکر و نظر سما گیا
اس کے قدم سے پھوٹ پڑا چشمہ بہار
وہ دشت زندگی کو گلستاں بنا گیا

....

میں کرب کے تپتے ہوئے صحرا میں کھڑا ہوں
آقا تیری رحمت کو دیکھ رہا ہوں
گو مجھ کو عقیدت کے سلیقہ تو نہیں ہے
اتنا ہی کافی ہے تیرے در پہ کھڑا ہوں

....

یہ آسمان محبت یہ کیسی رونق ہے
چمکتا عشق محمد میں ہر ستارا ہے
مصباح فیصل ---- کوہاٹ
کون اجڑا ہو گا بھری دنیا میں ہماری طرح محسن
وہ بھی نہ ملا ہم کو اور ہم خود کو بھی گنوا بیٹھے

☆☆☆

فوزیہ غزل ---- شیخوپورہ

س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟
ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔
س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟
ج: ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی، دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا، اب تم؟
س: ہر شوہر کی بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟
ج: اسی کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔

نا ئمہ عثمان ---- وہاڑی

س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟
ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔
س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟
ج: لگیں تو کیا مطلب، ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔
س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟
ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔
س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟
ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

وفا حیدر ---- سرگودھا

س: السلام علیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟
ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔
س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟
ج: محفل والوں سے۔
س: کبھی غصہ آیا؟
ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔
س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟
ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔
س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟
ج: برا مان جاؤ گی پڑھ کر۔
س: کیا دوستی پیار ہے؟
ج: نہیں۔
س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟
ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔
س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں، دعا کریں گے۔
ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتن کے لئے۔

رضا فاطمہ ---- سادھوکی

س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟
ج: اللہ کا شکر ہے۔
س: میرے بغیر کیسا رہا؟
ج: سچ سچ بتائیں، برا تو نہیں مانوں گی۔
س: عین غین جی نو مائنڈ بتائیں؟
ج: بہت سکون رہا۔

س: کیا کہہ رہے ہیں ادھر دیکھیں؟
ج: دیکھ تو رہا ہوں، میں ناک پر رومال رکھ لوں۔

ملک فیصل اقبال ---- پاکپتن شریف

س: محبت کیا صرف ایک بار ہوتی ہے؟
ج: جی ہاں بعد میں عادت بن جاتی ہے۔
س: مکمل تنہائی کسے اچھی لگتی ہے؟
ج: جسے محبت ہو گئی ہو۔
س: حسن کو چاند کیوں کہتے ہیں؟
ج: اس تک رسائی جو مشکل ہے۔
س: عام طور پر تو شادیاں ہوتی ہیں؟
ج: شادیاں عام طور پر ہی ہوتی ہیں۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: کیا تمہیں نہیں معلوم۔
س: روشنی کیا ہے؟
ج: لو یہ بھی بتانا پڑے گا۔
س: محبت میں کامیابی کا راز؟
ج: محبت کیا ہے تمہیں معلوم نہیں اور کامیابی کا راز پوچھنے لگے ہو۔
س: کسی سے پیار ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: علاج اپنے ماں باپ کے پاس جا کر۔

سعدیہ اقبال ---- پاکپتن شریف

س: میری آنکھوں میں دیکھو؟
ج: تمہیں نیند آ رہی ہے۔
س: اپنوں کی جدائی کیوں برداشت نہیں ہوتی؟
ج: ان کی عادت سی جو ہو جاتی ہے۔
س: زندگی میں انسان کی ہار کب ہوتی ہے؟
ج: جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو۔
س: انسان اپنی بے عزتی کب برداشت کر لیتا ہے؟
ج: جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

رافعہ طارق ---- سکھر

س: ایک عورت کے لئے زندگی کا سب سے بھاری بوجھ کون سا ہوتا ہے؟
ج: جب تمہارے جیسے نکمے خاوند کا بوجھ اٹھانا پڑے۔
س: محبت کرنے کے لئے کیا چیز چاہیے؟
ج: دل۔
س: دنیا کی خوبصورت کیا چیز ہے؟
ج: دنیا خود بہت خوبصورت ہے۔
س: زندگی کی اداس راہوں میں؟
ج: خوشیاں بکھیر دو۔

عالیہ وحید ---- گکھڑ سٹی

س: آداب عین جی! تو پھر کیا اظہار ویلنٹائن پر؟ کیا تو کیا ملا؟
ج: روز۔
س: یوں زندگی کی راہ میں ٹکرا گیا کوئی، اب وہ بیچ راہ میں کہہ رہا ہے ہمیشہ کے لئے "گڈ بائے" اب میں کیا کروں؟
ج: راہ بدل لو۔
س: "گھٹیا" لفظ کا معنی تو لکھ دیں کہ کیا ہے؟
ج: لغت سے استفادہ کر لو۔
س: کیا اپنی محبت کو گھٹیا کہنے والے محبت کر سکتے ہیں کسی سے؟
ج: محبت کبھی گھٹیا نہیں ہوتی۔
س: کیا آپ نے کبھی کسی کی محبت کی توہین کی ہے؟
ج: نہیں۔
س: جب کوئی پیار سے بلائے گا...... تم کو......؟
ج: ایک شخص بہت یاد آئے گا۔

☆☆☆

بلقیس بھٹی

اشتہار

ہیر نکلی جس گھڑی رانجھے کے سنگ
اس کا ماما آن ٹپکا خوامخواہ
چل رہے تھے اشتہار اچھے بھلے
اک ڈراما آن ٹپکا خواہ مخواہ

ثمرین زاہرہ، خان پور

حسن کارکردگی

پولیس کے پاس ایک لاپتہ ملزم کے چھ مختلف فوٹو تھے، جو مختلف زاویوں سے کھینچے گئے تھے، پولیس نے ملزم کی تلاش میں ان تصویروں کی نقلیں صوبے کے تمام تھانوں کو بھیج دیں، تاکہ ملزم پکڑا جا سکے اور پہچاننے میں آسانی ہو، کچھ دن کے بعد ایک تھانے سے اطلاع موصول ہوئی، چھ ملزموں کی تصویریں مل گئیں، ان میں سے پانچ کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور ایک کی تلاش جاری ہے۔

نمرہ سعید، اوکاڑہ

کارگر نسخہ

ایک فرم کے مالک کو انتہائی سخت الفاظ پر مبنی دوسرا نوٹس موصول ہوا، جس میں اسے بتایا گیا کہ ٹیکس ادا نہیں کیا تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی فرم کا مالک گھبرایا ہوا ٹیکس آفس پہنچا، ٹیکس جمع کروایا اور اس نے معذرت کی کہ پہلا نوٹس کہیں گم ہو گیا تھا۔

ٹیکس آفیسر نے بتایا۔

''ہم پہلا نوٹس بھیجتے ہی نہیں ہیں، ہمارا تجربہ ہے کہ دوسرا نوٹس دینا موثر ہوتا ہے۔''

طاہرہ رحمان، بہاولپور

منزل

نیا نیا دولت مند ہونے والا ایک شخص ایک ٹریول ایجنسی کے دفتر پہنچا اور نوٹوں کی ایک گڈی کاؤنٹر پر پھینک کر بولا۔

''جلدی سے ایک ٹکٹ بنا دو۔''

''کہاں کا جناب؟'' بکنگ کلرک نے دریافت کیا۔

''کہیں کا بھی بنا دو میرا کاروبار ہر جگہ پھیلا ہوا ہے۔'' نو دولتیے نے جواب دیا۔

عمرانہ علی، حاصل پور

برطرفی لا

باس نے نوجوان کلرک کو بلایا اور کہا۔

''میں نے سنا ہے کہ تم بہت زیادہ محنت سے کام کر رہے ہو بلا معاوضہ اوور ٹائم لگانا پڑے تو بھی انکار نہیں کرتے ہر شعبے میں ضرورت پر کام سنبھال لیتے ہو۔''

''جی سر!'' نوجوان کا چہرہ دمکنے لگا۔

''ان ہی وجوہات کی بنا پر میں تمہیں ملازمت سے برطرف کر رہا ہوں وہ تم ہی جیسے لوگ ہوتے ہیں جو یہاں سے کچھ سیکھتے ہیں اور پھر جا کر مقابلے پر کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔''

عظمیٰ جبیں، لیہ

شیطان کی ریٹائرمنٹ

آج کل یہ خبر سننے میں آئی ہے کہ ہمارے سب سے بڑے لیڈر شیطان صاحب ریٹائر ہو رہے ہیں ہمارا خیال ہے کہ یہ خبر کسی دشمن نے پھیلائی ہوگی بہرحال اس خبر پر فارغ التحصیل نوجوان خوش نظر آ رہے ہیں، وجہ پوچھیں تو کہتے ہیں۔

''ریٹائرمنٹ سے آسامی تو خالی ہو گی شیطان کی ریٹائرمنٹ کا سن کر اپنی ذمہ داری کا احساس ہونے لگا ہے۔''

''شیطان دیکھنے میں کیسا ہے؟'' ایک بار ہم نے مولوی صاحب سے پوچھا تو جواب دینے کے بجائے ہمارا منہ دیکھنے لگے، وہ شخص جسے سب برا کہیں...... اس کا برا ہونا بھی مشکوک ہو جاتا ہے، شیطان کو پہلے اچھے، برا کہتے تھے، اب برے، برا کہنے لگے ہیں پہلے اس نے شیطان بننے کے لئے انسان کو سجدہ نہیں کیا اب اسے شیطان رہنے کے لئے انسان کو سجدہ کرنا پڑتا ہے جہاں موسیقی ہوتی ہے وہاں شیطان نہیں ہوتا، شاید وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہاں میرے بغیر بھی کام چل رہا ہے، ویسے بھی رمضان المبارک میں اسے ایک ماہ کے لئے قید کر دیا جاتا ہے تو ہم اس کے بغیر ہی سارے کام چلا لیتے ہیں۔

(ڈاکٹر یونس بٹ کی کتاب ''عکس برعکس'' سے)

وردہ منیر، لاہور

دولت اڑتی ہے

ایک کاروباری آدمی اپنے دوست سے کہہ رہا تھا۔

''میں اس کمپنی کی سالانہ رپورٹ پڑھ رہا تھا جس میں میرا بھی شیئر تھا ایک جگہ اس رپورٹ میں لکھا تھا دولت اڑتی ہے، تین لاکھ ڈالر اڑ گئے میں نے بورڈ کے چیئر مین کو خط لکھا کہ آئندہ رپورٹ میں تصحیح کر لی جائے کہ دولت اڑتی نہیں، بہتی ہے اور تین لاکھ ڈالر بہہ گئے۔'' یہ کہتے کہتے اس کا لہجہ دردناک ہو گیا۔

''پھر کیا ہوا؟'' دوست نے اشتیاق سے پوچھا۔

''میرا خیال تھا اس سلسلے میں اکاؤنٹینٹ کی غلطی تسلیم کر لی جائے گی لیکن چیئر مین کا جواب آیا دولت واقعی اڑتی ہے؟ جناب آج کل ہمارا اکاؤنٹینٹ بیرون ملک میں ہے۔''

ثمرہ شیرازی، چوکی

چار دن کی چاندنی

ایک آدمی کی شادی کو چند روز ہی ہوئے تھے وہ سسرال والوں کے حسن وسلوک اور خاطر مدارات سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے سسرال کے مکان کے مین گیٹ پر ایک تختی لگا دی جس پر لکھا تھا۔

''سسرال جنت ہے۔''

اسی گھر کے دوسرے داماد نے جس کی شادی کو کچھ عرصہ گزر چکا تھا، اس تحریر کے نیچے لکھ دیا۔

''چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔''

حفصہ حماد، کراچی

فریاد

ایک صاحب ایک قبر کے پاس کھڑے رو رو کر کہہ رہے تھے۔

''تم تو چلے گئے ہو مگر میری زندگی کو خزاں بنا گئے۔''

ایک راہ گیر نے ان سے ہمدردی سے پوچھا۔

''اس قبر میں آپ کا کوئی عزیز، رشتے دار یا کوئی دوست دفن ہے۔''
ان صاحب نے جواب دیا۔
''جی نہیں! یہ میری بیوی کے پہلے شوہر کی قبر ہے۔''
مصباح فیصل، کوہاٹ

پریشانی

ایک سردار اکثر سوچ میں ڈوبا رہتا تھا ایک دن اس سے کسی نے پوچھا۔
''سردار جی! اتنے پریشان کیوں رہتے ہو اور کیا سوچتے رہتے ہو۔''
اس پر سردار نے جواب دیا۔
''یار یہ بڑی پریشانی کی بات ہے کہ میری بہن کے دو بھائی ہیں اور میرا صرف ایک بھائی ہے۔''
عائشہ شہباز، لاہور

تمہارے پیچھے

لڑکا:۔
''ہائے کیا کر رہی ہو؟''
لڑکی:۔''میں بہت تھکی ہوئی ہوں آج بہت کام کیا ہے نماز پڑھ کر سونے جا رہی ہوں اور تم کیا کر رہے ہو؟''
لڑکا:۔''میں ابھی پارک میں ہوں اور تمہارے پیچھے ہی کھڑا ہوں۔''
نورین شاہد، رحیم یار خان

ثبوت

تیز رفتاری کے جرم میں نثار صاحب کا چالان ہوا اور انہیں مجسٹریٹ صاحب کے سامنے پیش کیا گیا، انہوں نے صحت جرم سے انکار کرتے ہوئے کہا۔
''جناب عالی میں تو صرف بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا تھا۔''
''کیا ثبوت ہے اس بات کا؟'' مجسٹریٹ نے دریافت کیا۔
''جناب والا! ثبوت کے طور پر صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ میں اس وقت اپنے سسرال جا رہا تھا۔''
نسرین خورشید، جہلم

غلط فہمی

ایک حسین و جمیل عورت اپنے ڈاکٹر کے پاس گئی، اس کی ایک آنکھ سوجی ہوئی تھی اور سر پر بھی بڑا سا گومڑا تھا، ڈاکٹر نے مرہم پٹی کے دوران چوٹوں کا سبب معلوم کیا تو خاتون نے جواب دیا۔
''یہ میرے شوہر کی عنایت ہے۔''
ڈاکٹر نے کہا۔
''مگر میں نے تو سنا تھا کہ آپ کے شوہر تو شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں؟''
خاتون نے آہ بھر کر جواب دیا۔
''جی! میں بھی اسی غلط فہمی کا شکار تھی۔''
صائمہ مظہر، حیدر آباد

ہر جگہ

مکینک کے انٹرویو ہو رہے تھے، ایک سردار جی جب آئے تو ان سے پوچھا گیا۔
''پہلے یہ بتائیں کہ بجلی کی موٹر کیسے چلتی ہے۔''
سردار جی نے مسکرا کر کہا۔
''بہت آسان سوال ہے، بجلی کی موٹر تو ہر جگہ ایسے ہی چلتی ہے، گڑ......گڑ۔''
حیدر رضا، جھنگ

☆☆☆

فاعزہ عبدالمنان: کی ڈائری سے ایک غزل

سرکتا جائے ہے رخ سے نقاب آہستہ آہستہ
نکلتا آ رہا ہے آفتاب آہستہ آہستہ
جوان ہونے لگے جب وہ تو ہم سے کر لیا پردہ
حیا یکلخت آئی اور شباب آہستہ آہستہ
شب فرقت کا جاگا ہوں فرشتو اب تو سونے دو
کبھی فرصت میں کر لینا حساب آہستہ آہستہ
سوال وصل پر ان کو عدو کا خوف ہے
دبے ہونٹوں سے دیتے ہیں جواب آہستہ آہستہ
وہ بے دردی سے سرکاٹے امیر اور میں کہوں ان سے
حضور آہستہ آہستہ، جناب آہستہ آہستہ

عتیقہ منیر: کی ڈائری سے ایک نظم

آخر چند دن دسمبر کے
ہر برس ہی گراں گزرتے ہیں
خواہشوں کے نگار خانے سے
کیسے کیسے گماں گزرتے ہیں
رفتگاں کے بکھرے سایوں کی
ایک محفل سی دل میں بجتی ہے
کتنے نمبر پکارتے ہیں مجھے
جن سے مربوط بے نوا گھنٹی
اب فقط میرے دل میں بجتی ہے
کس کس پیارے پیارے
ناموں پر رینگتی بدنما سی لکیریں
میری آنکھوں میں پھیل جاتی ہیں
دوریاں دائرے بناتی ہیں
دھیان کی سیڑھیوں پر کیا کیا عکس
مشعلیں درد کی جلاتے ہیں
نام جو کٹ گئے ہیں ان کے حرف
ایسے کاغذ پر پھیل جاتے ہیں
حادثے کے مقام پر جیسے
خون سوکھتے نشانوں پر
چاک سے لائنیں لگاتے ہیں
پھر دسمبر کے آخری دن
ہر برس کی طرح اب کے بھی
ڈائری ایک سوال کرتی ہے
کیا خبر اس کے آگے تک
میرے ان بے چراغ صفحوں سے
کتنے ہی نام کٹ گئے ہوں گے
کتنے نمبر بکھر کے رستوں میں
گرد ماضی سے اٹ گئے ہوں گے
خاک کے ڈھیروں کے دامن میں
کتنے طوفان سمٹ گئے ہوں گے
ہر دسمبر میں سوچتا ہوں
ایک دن اس طرح بھی ہوتا ہے
رنگ کو روشنی میں رکھی ہوئی
اپنے اپنے گھروں میں رکھی ہوئی
ڈائری دوست دیکھتے ہوں گے
ان آنکھوں کے خاک دانوں میں
اک صحرا سا پھیلتا ہوگا
اور کچھ بے نشان صفحوں سے
نام میرا بھی کٹ گیا ہوگا

صائمہ سلیم: کی ڈائری سے ایک غزل

نا ہم رہے نہ وہ خوابوں کی زندگی ہی رہی
گماں گماں ہی مہک خود کو ڈھونڈتی ہی رہی

حریم شوق کا عالم بتائیں کیا تم کو
حریم شوق میں بس شوق کی کمی ہی رہی
پس نگاہ و تغافل تھی اک نگاہ کہ تھی
جو دل کے چہرہ حسرت کی تازگی ہی رہی
بدل گیا سبھی کچھ اس دیار پاداش میں
گلی تھی جو تری جاں وہ تری گلی ہی رہی
تمام دل کے محلے اجڑ چکے تھے مگر
بہت دنوں تو ہنسی ہی رہی، خوشی ہی رہی
سناؤں میں کیسے افسانہ خیال ملال
تیری کمی ہی رہی اور مری کمی ہی رہی

نازیہ جمال: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''دسمبر سو گیا ہے''

اسے کہنا کتابوں میں رکھے سوکھے ہوئے کچھ پھول
اس کے لوٹ آنے کا یقیں اب تک دلاتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی جھیل سی آنکھیں کسی منظر پر چھا جائیں
تو سب منظر یونہی پھر بھیگ جاتے ہیں
اسے کہنا کہ ٹھنڈی برف پر کوئی کسی کے ساتھ چلتا ہے
تو قدموں کے نشاں پھر سے اسی کے لوٹ آنے
کے ساتھ نشاں دل پر بناتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی بھیگتی آنکھوں کا وہ آنسو
ستارے کی طرح اب بھی ہمیں شب بھر جگاتا ہے
اسے کہنا کہ بارش کھڑکیوں پہ اس کے آنسو پینٹ کرتی ہے
اسی کا نام لکھتی ہے
اسے ہی گنگناتی ہے
اسے کہنا کہ خوشبو، چاندنی، تارے، صبا، رستے، گھٹا، کاجل
محبت، چاندنی، شبنم، ہوائیں، رات، دن، بادل،
سبھی ناراض ہیں ہم سے
اسے کہنا جدائی کے درختوں پر جو سوکھی ٹہنیاں ہیں
وہ ساری برف کی چادر میں کب کی ڈھک چکی ہیں
اور ان شاخوں پہ یادوں کے
جو پتے تھے سنہری ہو گئے ہیں
اسے کہنا دسمبر سو گیا ہے
اور یخ بستہ وہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے
اسے کہنا کہ لوٹ آئے

ثمن رضا: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

''دسمبر اب مت آنا''

دیکھ دسمبر اب مت آنا
میرے اندر کتنے صحرا پھیل چکے ہیں
تنہائی کی ریت نے میرے
سارے دریا پاٹ دیے ہیں
اب میں ہوں
اور میرے بنجر پن کو بوجھتا ہے
دیکھ دسمبر
تیری برفاب شبوں میں
تیری بے خواب شبوں میں
خواب سویٹر کون بنے گا
روح کے اندر گرتی برفیں کون چنے گا
دیکھ دسمبر! اب مت آنا
اور اگر تو آئے بھی تو
اپنے دکھ کی برف پہن کر
دھوپ دیاروں پہن کر
مت جانا
دیکھ دسمبر!
اب مت آنا

شاہین سلیم: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی تو تم بھی ہو
زندگی تو ہم بھی ہیں

آدمی سے ڈرتے ہو
آدمی تو تم بھی ہو
آدمی تو ہم بھی ہیں
آدمی زباں بھی ہے
آدمی بیاں بھی ہے
اس سے تم نہیں ڈرتے
حرف اور معنی کے رشتہ ہائے آہنگ سے آدمی ہے وابستہ
آدمی کے دامن سے آدمی ہے وابستہ
ان سے تم نہیں ڈرتے
ان کہی سے ڈرتے ہو
جو ابھی نہیں آئی
اس گھڑی سے ڈرتے ہو
اس گھڑی کی آمد کی آگہی سے ڈرتے ہو
تم مگر یہ کیا جانو
اب اگر نہیں ہلتے، ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
روح کی زباں بن کر
راہ کا نشاں بن کر
روشنی سے ڈرتے ہو
روشنی تو تم بھی ہو
روشنی تو ہم بھی ہیں
شہر کی فصیلوں پر دیو کا جو سایہ تھا
پاک ہوگیا آخر خاک ہوگیا آخر
رات کا لبادہ بھی چاک ہوگیا آخر
اژدہام انساں سے فرد کی نوا آئی
ذات کی صدا آئی
راہ شوق سے جیسے راہ رو کا فوں لپکے
اک نیا جنون لپکے
آدمی چھلک اٹھے
آدمی ہنسے دیکھو
شہر بھی بسے دیکھو

تم ابھی سے ڈرتے ہو
ہاں ابھی تو تم بھی ہو
ہاں ابھی تو ہم بھی ہیں
تم ابھی سے ڈرتے ہو

ایمن عزیز: کی ڈائری سے ایک غزل

ہمارا یہ تم کو سلام آخری ہے
سنو آج تم سے کلام آخری ہے
اگر ہو سکے تو بھلا دینا ہم کو
یہی ایک چھوٹا سا کام آخری ہے
ابھی آرزوؤں کے صحرا میں پیاسے
مگر آنسوؤں کا یہ جام آخری ہے
مریض محبت کی اے چارہ سازو
تمہارے نگر میں یہ شام آخری ہے
ذرا دیر ٹھہرو قضا کے فرشتو!
لبوں پہ ہمارے پیام آخری ہے
کوئی مل سکے گا نہ امجد کے جیسا
ترے حسن کا یہ غلام آخری ہے

شگفتہ رحیم: کی ڈائری سے

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے پر
اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کا مالک تھی
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
کچھ راکھ لئے جھولی میں
اور سر پہ سیاہو کار کھڑا
جب دھرتی صحرا صحرا بھی
ہم دریا دریا روئے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں
اور سر سنگیت میں کھوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں
کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
کچھ خواب سجل مسکانوں کے

☆☆☆

چائنیز سوپ

اشیاء

چکن	آدھا کلو
کارن فلور (مکئی کا آٹا)	چار کھانے کے چمچے
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد
انڈے (صرف سفیدی)	دو عدد
کالی مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
اجینوموتو	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ	دو عدد
سویا ساس	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

چکن کے پیس اچھی طرح دھولیں، ایک ساس پین میں چکن، باریک کٹی ہوئی پیاز، سیاہ مرچ، نمک اور پانی ڈال کر یخنی تیار کریں، گوشت گل جائے تو یخنی چھان کر الگ نکال لیں، ابلی ہوئی بوٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں، ایک پیالی پانی میں کارن فلور کا آمیزہ اور چھوٹے چھوٹے گوشت کے ٹکڑے ڈال کر دھیمی آنچ پر چند منٹ تک پکائیں، جب سوپ آپ کی پسند کے مطابق گاڑھا ہو جائے تو انڈے کی سفیدی ملا دیں اور چمچہ سے سوپ میں خوب اچھی طرح مکس کریں، لیجیے سوپ تیار ہوا۔

ٹماٹو سیلڈ سوپ

اشیاء

گوشت	ایک پاؤ
یخنی	ایک کپ
ٹماٹر	چار عدد
سلاد	ایک پیالی
نمک، زیرہ، سیاہ مرچ	حسب ضرورت
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
ریڈ چلی ساس	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

گوشت کو ایک ساس پین میں پانی ڈال کر اتنا ابالیں کہ گوشت پوری طرح سے گل جائے، ابلتے ہوئے گوشت میں سے ایک کپ یخنی نکال کر الگ کرلیں پکتے ہوئے گوشت میں ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیں اور مزید جوش آنے دیں، یخنی میں سرکہ، نمک اور سیاہ مرچ مکس کریں اور ساس پین میں ڈال دیں، ساتھ ہی سلاد بھی شامل کر دیں، لیجیے سوپ تیار ہے سوپ نوش کرتے وقت ریڈ چلی ساس ملالیں، بے حد لذیز سوپ تیار ہوگا۔

چکن کارن سوپ

اشیاء

چکن	آدھا کلو گوشت
پیاز	ایک عدد
لہسن (پسا ہوا)	پانچ جوے
ادرک	آدھا کھانے کا چمچہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
مکئی کے دانے پسے ہوئے	ایک پیالی
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	ڈھائی چائے کا چمچہ

کوکنگ آئل	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسبِ ذائقہ

ترکیب

ساس پین میں دس کپ پانی ڈالیں اس میں چکن کی بوٹیاں، پیاز، لہسن، ادرک اور نمک ڈال کر چکن کو ابالیں یہاں تک کہ پانی چار کپ رہ جائے گوشت اور یخنی کو الگ الگ کرلیں اور گوشت کے ریشے بنالیں، ساس پین میں کوکنگ آئل ڈال کر گرم کریں اور مکئی کے پسے ہوئے دانے ڈال کر بھونیں پھر پانی ڈال کر کچھ دیر ان کو گلائیں مکئی کے دانے نرم پڑ جائیں تو یخنی، چینی، کالی مرچ اور گوشت کے ریشے ڈال کر دھیمی آنچ پر آدھ گھنٹہ تک پکائیں، کارن فلور کو ہلکا سا بھون کر شامل کر دیں، سوپ گاڑھا ہونے لگے تو انڈوں کی سفیدی پھینٹ کر ملا دیں، بہترین مزیدار سوپ تیار ہوگا۔

چکن کارن سوپ اور چلی ساس

اشیاء

چکن ابلا ہوا	آدھا کلو
یخنی	چار پیالی
مکئی کا دلیہ	آدھی پیالی
پیاز باریک کتر لیں	ایک عدد
لہسن	آدھا چائے کا چمچہ
ادرک	آدھا چائے کا چمچہ
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
پانی	چار کپ
مسٹرڈ پاؤڈر رائی	ایک چائے کا چمچہ
کوکنگ آئل	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
چلی ساس	حسب ضرورت

ترکیب

گوشت جو آپ ابال چکی ہیں اور اس کی یخنی الگ کر چکی ہیں اس کے ریشے کرلیں کوکنگ آئل کو ساس پین میں گرم کریں اور اس میں باریک کترا ہوا پیاز ملالیں، خیال رکھیں کہ پیاز سرخ نہ ہونے پائے، اب اس میں مکئی کا دلیہ ڈال کر بھونیں ساتھ ہی لہسن، ادرک، سویا ساس، مسٹرڈ پاؤڈر، سرکہ اور نمک ڈال کر یخنی بھی ملا دیں اور پکنے دیں، پکتے ہوئے سوپ میں گوشت کے ریشے ڈال کر سوپ کو پیالوں میں انڈیل لیں اور چلی ساس شامل کر کے نوش فرمائیں۔

ویجی ٹیبل گرین سوپ

اشیاء

یخنی	دو کپ
پالک کتری ہوئی	آدھا کپ
کھیرا باریک کٹا ہوا	ایک عدد
سلاد کٹا ہوا	دو عدد
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
سیاہ مرچ ثابت موٹی کوٹ لیں	چھ عدد
نمک	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

تمام سبزیوں کو دو پیالی پانی ڈال کر ابلنے کے لئے رکھ دیں سبزیاں ابل جائیں اور پانی ایک پیالی رہ جائے تو یخنی ملا دیں ساتھ ہی ساتھ نمک اور سیاہ مرچ موٹی موٹی کٹی ہوئی شامل کر دیں آپ کی پسند کے مطابق سوپ گاڑھا ہو جائے تو سویا ساس بھی ملا کر گرم مصالحہ چھڑکیں اور پیش کریں۔

فرانسیسی ویجی ٹیبل سوپ

اشیاء

گاجریں (باریک کٹی ہوئی)	دو عدد
ٹماٹر	آدھا کلو

چکن اسٹاک	چار پیالی
پیاز	دو عدد
ہرا پیاز	ایک عدد
لوبیا سرخ	ایک کپ
لوبیا سفید	ایک کپ
سویاں	ایک کپ
فرانسیسی (پھلیاں)	ایک پیالی کٹی ہوئی
لہسن	چار جوے
نیاز بو کی پتیاں	بارہ عدد
زیتون کا تیل	چار کھانے کے چمچے
پنیر	آدھا کپ کچل لیں
نمک، سیاہ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

تمام سبزیاں اور دونوں طرح کے لوبیا کو ایک کھلے منہ کی دیگچی میں ڈال کر پانی ملائیں اور پندرہ منٹ تک پکنے دیں پندرہ منٹ بعد چکن اسٹاک (یخنی) نمک سیاہ مرچ پسی ہوئی ملا کر سویاں بھی ڈال دیں اور دھیمی آنچ پر آدھ گھنٹہ تک پکائیں یہاں تک کہ گاڑھا آمیزہ ہونے لگے نیاز بو کی پتیاں اور لہسن کو گرینڈ کریں اس میں زیتون کا آئل ملا کر پیسٹ بنا لیں اور پکتے ہوئے سوپ میں شامل کر دیں، سوپ تیار ہو جائے تو پنیر شامل کر دیں۔

عرابین سوپ

اشیاء

لوبیا سفید ایک گھنٹہ بھگوئیں	سوا پیالی
مغز بادام چھیل کر پیس لیں	ایک پیالی
لہسن پسا ہوا	پانچ جوے
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچے
ڈبل روٹی	دو سلائس
نمک	حسب ذائقہ
پودینہ	چند پتیاں
سفید زیرہ، کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

لوبیا کو ابال لیں جب گل جائے چھلنی میں ڈال کر پانی نکال کر رکھ لیں پسے ہوئے باداموں میں پسا ہوا لہسن اچھی طرح ملا دیں لوبیا کے پانی میں زیتون کا تیل ملائیں، لہسن اور بادام والا آمیزہ شامل کر کے خوب پکائیں جب گاڑھا ہونے لگے تو لوبیا، نمک، پسا مصالحہ اور پودینے کے پتے شامل کر کے پیالی میں ڈالیں اور نوش فرمائیں۔

فش کریم سوپ

اشیاء

سفید مچھلی کا گوشت	چوتھائی پونڈ
جھینگا	چوتھائی پونڈ
(چھلکوں سمیت کٹا ہوا)	
دودھ	ایک کپ
فیونگ سوس	ایک کپ
یخنی	چار کپ
مکئی کا آٹا	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
لیموں کی کترنیں	دو چائے کے چمچے
لیمن جوس	ایک چائے کا چمچہ
سلاد کٹا ہوا	ایک کپ
نمک	حسب ضرورت

ترکیب

مچھلی کو دھو کر صاف کر کے تھوڑے سے پانی میں ابال لیں اور ابلی ہوئی مچھلی کو مسل کر میدہ بنا لیں، یخنی کو ایک ساس پین میں ڈالیں، اس میں لیموں کی کترنیں ڈال کر دو منٹ کے لئے پکائیں یخنی ابل رہی ہو تو اس میں فیونگ ساس، دودھ اور نمک ملا دیں پکتے ہوئے آمیزے کو برابر ہلاتے رہیں پکتے ہوئے آمیزے میں کارن فلور ملا دیں۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

لیجیے 2016ء کا سفر بھی تمام ہوا، ہر آن متحرک وقت کے تندوتیز دھارے میں بہتا ایک اور سال تاریخ کا حصہ بن گیا۔

تاریخ جو کبھی باعث عبرت اور کبھی فہم وشعور عطا کرتی ہے، مگر صرف ان کو جو غور وفکر کرتے ہیں، سر اٹھا کر جینے کی خواہش رکھتے ہیں اور صرف اپنے لئے ہی نہیں دوسروں کے لئے سوچتے ہیں۔

انسان کی یہ مجبوری ہے کہ وہ ماضی سے پیوستہ رہتا ہے کہ اسی پر حال اور مستقبل کی بنیاد ہوتی ہے، وطن عزیز کے حوالے سے گئے سال کو دیکھتے ہیں تو بے انتہا مایوسیوں کے ساتھ کہیں کہیں ایسے چراغ بھی نظر آتے ہیں جن سے اندھیروں میں روشنی کی کرن دیکھائی دیتی ہے اور امید بندھتی کہ شاید اس کی روشنی میں جہالت اور غربت کے اندھیرے دور نہ ہوسکیں۔

قارئین آپ سب کو نیا سال مبارک ہو، اس دعا کے ساتھ کے آنے والا سال ہم سب کے لئے خوشیاں لے کر آئے، ہمارے ملک میں امن واستحکام پیدا ہو، وہ کوتاہیاں جو پچھلے سال ہم سے سرزد ہوئیں اس سال رب العالمین ہمیں اس سے محفوظ رکھے آمین۔

جنوری کا شمارہ سال نو ہی نہیں حنا کا سالگرہ نمبر بھی ہے، حنا کی کامیابی کے جس مقام پر آج ہم کھڑے ہیں اس میں حنا کی مصنفین اور قارئین کا بڑا حصہ ہے، ہم تہہ دل سے آپ سب کے ممنون ہیں، آپ سب کی دعاؤں محبتوں اور تعاون کی بدولت ہم اس مقام پر پہنچے ہیں اور آئندہ بھی آپ کے مشوروں اور راہنمائی سے کامیابی کی منزلیں یونہی طے کرتے رہیں گے انشاءاللہ۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنے خاص اور چنے ہوئے بندوں میں شامل کریں آمین یارب العالمین۔

اپنا بہت سا خیال رکھیئے اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

یہ پہلا خط ہمیں چیچہ وطنی سے درشہوار کا موصول ہوا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

دسمبر کا شمارہ سات تاریخ کو ملا سرورق پر ماہرہ ملک کو دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔

"پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں" سے ہمیشہ کی طرح بہت کچھ سیکھنے کو ملا، سید اختر ناز صاحب کو اللہ تعالیٰ اس کار خیر کی بہترین جزا دے۔

"ایک دن حنا کے ساتھ" میں حمیرا نوشین سے ملاقات اچھی رہی۔

سب سے پہلے بات ہو جائے درثمن کے

ناولٹ کی "تو میری ضرورت ہے" کی زبردست ثمن جی بے حد جاندار قسط تھی اس مرتبہ کی، کہانی ایک زبردست موڑ پر ختم کی آپ نے، اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے، یقیناً آپ اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ناولٹ کا اینڈ خوشگوار ہی کریں گی، جبکہ دوسرا ناولٹ "مٹ گئیں دوریاں" بہت خوب تھا، صوبیہ ملک کا نام اس سے پہلے نہیں دیکھا حنا میں، لیکن ان کے لئے یہی کہیں گے کہ وہ آئیں اور چھا گئیں، طویل تحریر یعنی مکمل ناول اس مرتبہ تین تھے اور تینوں ہی بہترین تھے، کنول ریاض ایک طویل عرصے کے بعد طویل تحریر کے ساتھ آئیں، "ایسا بھی ہوتا ہے" پلاٹ اور ڈائیلاگ ڈلیوری پر خاص گرفت تھی کنول کی، کنول اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو صلاحیت عطا کی ہے لکھنے کی آپ اس میں کنجوسی کیوں دیکھاتی ہیں جلدی جلدی آیا کریں حنا کی کہکشاں میں، صبا جاوید آپ کا ناول بھی "نم پلکیں اور موج ہوا" بھی بہترین تھا اپنے عنوان سمیت۔

ثمینہ بٹ آپ کی تحریر اچھی تو تھی مگر کہیں کہیں یکسانیت کا شکار بھی ہوئی، "دل گزیدہ" اُم مریم آپ کے ناول کا نام لیتے ہی دل ایک بار تو افسردہ ہوتا ہے، اس مرتبہ آپ کی طرز تحریر آپ کی سابقہ تحریروں سے خاصا ہٹ کر ہے، ناول کے نام کی طرح کہانی بھی افسردہ ہے، غانیہ بیچاری کی تو آزمائشیں ہی ختم ہونے میں نہیں آرہیں اور نہ ہی منیب کی اکڑ۔

"پربت کے اس پار کہیں" میں نایاب جیلانی نے بڑی خوبصورتی سے کہانی کو رومانٹک موڑ دیا، ورنہ تو پڑھتے ہوئے لگتا ہی نہ تھا کہ یہ نایاب کی تحریر ہے، کہانی بے حد دلچسپ موڑ پر آ گئی ہے، افسانوں کا تو اس مرتبہ کافی رش تھا، علاوہ مصباح خالد، بہت خوب مس حبیب، مریم ماہ منیر اچھی تحریر، "دوری" پرانا موضوع، "میری ذات وی تو" دلچسپ اور چونکا لینے والا، رمشا احمد کا افسانہ "ہے نہ پگلی" مایا اعوان "گزارہ" "نازک آبگینے" قرۃ العین خرم ہاشمی کا مخصوص انداز طرز تحریر اور روبینہ سعید نے سچ لکھا "تیرا ملنا خواب جیسا"

مستقل سلسلے بھی بہترین، میری ڈائری میں فرینہ اسلم کی نظم اور سارا حیدر کی نظم بے حد پسند آئیں، دستر خوان کی ڈشز بھی مزیدار لگیں، کس قیامت کے یہ نامے میں آپ نے سندس جبیں کی کامیابی کا بتایا ہماری طرف سے سندس جی دلی مبارک باد قبول کریں اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے۔

آخر میں ایک بات فوزیہ جی کیا آپ نے مجھے پہچانا؟

درشہوار کیسی ہو ڈیئر؟ آپ تقریباً سات برس کے بعد تشریف لائیں اور یہ کیسے سوچا کہ آپ کو بھول گئے، آپ کا تبصرہ کرنے کا مخصوص انداز اور آپ کی ہینڈ رائٹنگ نے ہمیں کبھی بھی آپ کو بھولنے نہیں دیا۔

دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ آپ کی تعریف مصنفین کو پہنچا دی گئی ہے ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

ثمینہ بٹ: لاہور سے لکھتی ہیں۔

بہت عرصے سے خواہش تھی کہ ایک بار پھر حنا میں تفصیلی خط لکھوں مگر یہ خواہش صرف خواہش ہی بنتی جا رہی تھی، کہ شمارہ ابھی پورا پڑھ ہی نہیں پائی، لیکن جتنا بھی پڑھا ہے، بہت زبردست رہا، مصباح علی سید کا "مداوا" بہت اچھی اور سبق آموز تحریر رہی، قرۃ العین خرم ہاشمی کا

''نازک آبگینے'' حساس موضوع پر لکھی گئی ایک خوبصورت تحریر، واقعی دل جیسا نازک آبگینہ ہر کسی کو سنبھالنا نہیں آتا، ویری ویلڈن قرۃ العین۔

روبینہ سعید کا ''تیرا ملنا خواب جیسا'' ایک اور خوبصورت تحریر، اگر بیٹی اپنے باپ بھائی کی عزت کو سب کچھ مان کر وقتی محبت اور جذبات پر قابو پانا سیکھ جائے تو شاید کوئی باپ بھائی غیرت کے نام پر قتل کر کے قاتل نہ کہلائے، بہت خوب روبینہ۔

مریم ماہ منیر کی ''میں حبیب ہوں'' ایک خوبصورت استعارتھی کہانی، سچ ہے جی حبیب اور عزت کے درمیان انا نہیں آسکی، اگر ان کے درمیان ہوگی تو صرف چاہت ہوگی اور کوئی نہیں، مبشرہ ناز کی ''دوری'' بھی ایک اچھی سبق آموز کہانی تھی جزاک اللہ، رمشا احمد کی ''میری ذات وی تو'' بھی اچھی کاوش رہی، ماہا اعوان کی ''ہے پنگی'' ایک ہلکی پھلکی پر مزاح تحریر جزاک اللہ، درثمن بلال کا ''تو میری ضرورت ہے'' ابھی تکمیل کے مراحل طے کر رہا ہے، کہانی بہت اچھے انداز سے آگے بڑھ رہی ہے، مکمل تبصرہ ناولٹ مکمل ہونے کے بعد انشاء اللہ۔

صوبیہ ملک کا ''مٹ گئیں دوریاں'' محبت کی چاشنی لئے خوبصورت تحریر، ویری ویلڈن جزاک اللہ، صبا جاوید کا ''نم پلکیں اور موج ہوا'' اپنے نام کی طرح خوبصورت تحریر بہت خوب صبا جزاک اللہ، کنول ریاض کا ''ایسا بھی ہوتا ہے'' ایک مزے کی دلچسپ تحریر، پڑھ کر خوب انجوائے کیا، ویری ویلڈن کنول، جزاک اللہ اور باقی رہے سلسلے وار ناولز تو وہ بھی اپنی مثال آپ رہے، دونوں ناولز خوبصورتی سے آگے بڑھ رہے ہیں اور حنا کے باقی سارے سلسلے بھی حسب روایات خوبصورت رہے جزاک اللہ۔

ثمینہ بٹ جی خوش رہیں، واقعی آپ بہت عرصے بعد اس محفل میں آئیں ہے، دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، وقت نکال لیا کیجئے حنا آپ کی تحریروں کے لئے، آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

ردا خالد: کوٹ ادو سے لکھتی ہیں۔

آپی میں پاکستان کے ایک دور دراز علاقے میں رہتی ہوں، یہاں پر خط پوسٹ کرنا ہر ماہ حنا منگوانا انتہائی مشکل ہے، میں اپنے بھائیوں کی منت سماجت کر کے ہر ماہ منگواتی ہوں، اس بار پکا ارادہ کیا کہ آپ کی محفل میں حصہ لینا ہے۔

دسمبر کے شمارے کا ٹائٹل اچھا نہیں لگا، پتا نہیں کیوں؟ حمد ونعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں، ہمیشہ کی طرح اے ون تھیں، انشاء نامہ میں ''اندر کیا ہے؟'' کے بارے میں انشاء جی بتاتے نظر آئے اور سچ ہی کہا کہ واقع کچھ چیزوں کے ریپر اور نام اتنے خوبصورت ہوتے ہیں کہ دیکھتے ہی دل مچل اٹھتا ہے اسے حاصل کرنے کو، مگر پتا چلتا کہ ریپر کے اندر سے کچھ بھی نہیں جب اس کو پرکھا جائے، خیر آگے بڑھے حمیرا نوشین کے ساتھ دن گزارہ اور لطف اندوز ہوئے، ام مریم جی ''دل گزیدہ'' کی کہانی کچھ رک سی نہیں گئی، وہ ہی غانیہ پر منیب کا بے جا ظلم وہی ہی صاحب جی کا ورد کرتی روتی کرلاتی ایک عورت (اس کردار میں ابھی تک مریم نے سسپنس ہی رکھا ہے) شروع میں تو مون کو ہی ہم منیب سمجھتے تھے) پلیز مریم کچھ خوشیاں غانیہ کی جھولی میں بھی ڈال دیں، اس کا جرم صرف منیب سے محبت کرنا ہی تو ہے، دو بچوں کے بعد بھی منیب کے دل میں وہ جگہ نہیں بنا پائی۔

دوسری طرف نایاب جیلانی کا سلسلے وار

ناول "پربت کے اس پار کہیں" اب جا کر واقعی ناول کا مزہ دینے لگا ہے۔

افسانوں میں دو تین نئے نام نظر آئے جس میں مایا اعوان نے توجہ اپنی جانب مبذول کروائی، مایا اعوان کے لکھنے کا انداز حنا کی مایہ ناز مصنفہ عابی ناز جیسا ہے، اپنی چلبلی تحریر عابی کا خاصہ ہے ویسے (فوزیہ آپی یہ عابی ناز غائب کہاں ہے)۔

مصباح علی سید نے بہت خوبصورت موضوع چنا، جبکہ مریم ماہ منیر کی تحریر نے بھی چونکایا، قرۃ العین خرم ہاشمی کا انداز تو ہے رواں ندی کی طرح، رمشا احمد، مبشرہ ناز اور روبینہ سعید نے بھی اچھی کوشش کی، ناولٹ کے حصے میں ایک نام جس نے چونکایا وہ صوبیہ ملک کا ہے "مٹ گئیں دوریاں" کے نام سے یہ تحریر بے حد پسند آئی، درشمن نے ہمیشہ کی طرح اس قسط پر محنت کی اور خوب کی، کومیل آفریدی کی ثابت قدمی نے بے حد متاثر کیا جبکہ ذوناش کا کردار عجیب سر پھرا سا ہے، مرسل اور اس کے باپ کا ایک ایک انداز لالچی ہونے کی تصدیق کر رہا ہے، اگلی قسط کا انتظار رہے گا، صبا جاوید سب سے پہلے تو آپ کی بہن کے لئے دعا اللہ پاک ان کو جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے آمین، آپ کا ناول "نم پلکیں اور موج ہوا" اس ماہ کی بہترین تحریر تھی، کنول ریاض آپ نے بھی بے حد اچھی تحریر دی اس ماہ پڑھنے کو، آخر میں ہم بھی یہ کہے بنا نہ رہ سکے کہ "ایسا بھی ہوتا ہے" ثمینہ بٹ کی تحریر نے کوئی خاص تاثر نہ چھوڑا، مستقل کی طرف جانے سے پہلے میں مبارک باد دینا چاہوں گی سندس جبیں کو ان کی کامیابی پر، سندس آپ میری فیورٹ مصنفہ ہیں پلیز حنا کے لئے کوئی زبردست سی تحریر لکھیں۔

مستقل سلسلے کی کیا بات ہے، ہر سلسلہ ہی نمبر ون ہے حاصل مطالعہ میں سب نے بہترین انتخاب بھیجا، رنگ حنا اور بیاض، حنا کی ڈائری بے حد پسند آئی، یہ عین غین جی کہاں گئے اس ماہ ان کی محفل نظر نہیں آئی، فوزیہ آپی کس قیامت کے یہ نامے میں آپ نے سب کے لئے یکساں محبت لئے ہوتی ہے یہی بات ہمیں آپ کی طرف کھینچتی ہے۔

ردا خالد خوش آمدید اس محفل میں آپ اتنی دور سے تشریف لائیں، ادھر آئیں اور ہمارے قریب بیٹھ جائیں، حنا کے لئے آپ کی نیک خواہشات اور محبتوں کا شکریہ، آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے عابی ناز کی شادی ہوئی ابھی حال ہی میں، انشاء اللہ جیسے ہی ان کو ٹائم ملا وہ حنا میں دوبارہ حاضری دیں گی، (عابی سن رہی ہو نہ آپ) سندس جبیں کی تحریر اگلے ماہ سے آپ کو پڑھنے کو ملے گی، آپ کی آمد کا ایک بار پھر شکریہ اپنی رائے سے وقتاً فوقتاً دیتی رہیے گا شکریہ۔

ثناء کنول: لودھراں سے لکھتی ہیں۔

اس بار حنا پانچ تاریخ کو ملا ٹائٹل پر میری فیورٹ اداکارہ تھی، کہانیوں کی بات کریں "تو میری ضرورت ہے، مٹ گئیں دوریاں، نم پلکیں اور موج ہوا، ایسا بھی ہوتا ہے، محبت فاتح عالم، مداوا، دوری، ہے نہ پگلی، تیرا ملنا خواب جیسا" پڑھ کر دل خوش ہو گیا سب سے ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔

ثناء کنول اس محفل میں خوش آمدید، دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆

میری طرف سے تمام قارئین کو نئے سال کی مبارک باد، خوش رہیں اور خوشیاں بانٹتے رہیں شکریہ۔

ثمینہ بٹ............لاہور

سب سے پہلے تو سب پڑھنے والوں کی خدمت میں محبت بھرا سلام اور نئے سال کی آمد بے حد مبارک، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ آنے والا یہ سال ہم سب کے لئے حقیقی معنوں میں خوشیاں اور سکون لے کر آئے آمین۔

۱۔ جہاں تک بات ہے پچھلے سال یعنی 2016ء کی تو یہ سال ہم سے بہت کچھ لے بھی گیا اور بہت کچھ دے کر بھی گیا، اگست تیس تاریخ کو میری خوشدامن صاحبہ کچھ عرصہ علیل رہنے کے بعد ہمیں ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ ہمارا ذاتی دکھ اور ذاتی نقصان تھا، جس کا ازالہ شاید کوئی بھی نہیں ہو سکتا اور اگر قومی سطح کی بات کریں تو امجد فرید صابری، عبدالستار ایدھی، جاتے جاتے یہ سال ہم سے جنید جمشید جیسی عظیم ہستیاں بھی چھین کر لے گیا، کیا کہہ سکتے ہیں، کچھ بھی کہا نہیں جا سکتا کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہی ہے اور اگر سیاسی نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو یہ سال بہت ہنگامہ خیز رہا، جلسے جلوس، دھرنے، ہنگامے اف تو یہ بھی پانامہ کا ہنگامہ تو کہیں استعفیٰ کے رولا، پتا نہیں ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں، نہ کوئی سمت نہ کوئی راستہ، بس ایک دوسرے کے دیکھا دیکھی چلتے ہی چلے جا رہے ہیں، یہ تو بات تھی کہ 2016ء مجھ سے کیا لے گیا، اور جہاں تک بات رہی پانے کی، تو الحمدللہ اس سال کی سب سے بڑی خوشی میری امی کی صحت یابی رہی، دوسری سب سے بڑی خوشی میری بیٹی ارم طاہر بٹ کی بی ایس سی میں اے پلس لینے کی تھی، میری بیٹی ماشاء اللہ ایم ایس سی سائیکولوجی کر رہی ہے، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ میرے بچوں کو دنیا و آخرت کی ساری کامیابیاں عنایت فرمائے آمین، اس سال گو کہ میں بہت پریشان بھی رہی مگر شکر ہے کہ میرا قلمی سفر بہت اچھے طریقے سے جاری رہا، بہت سے ماہناموں میں میری تحریریں شائع ہوئیں۔ الحمدللہ یوں میں کہہ سکتی ہوں کہ جانے والا سال اگر مجھ سے کچھ لے گیا ہے تو جاتے جاتے میری جھولی میں بہت کچھ ڈال بھی گیا ہے، یونہی نہیں گزرا، اللہ کا احسان ہے کہ بہت اچھا گزرا ہے۔

۲۔ سب سے خوشگوار واقعہ تو چھوٹی بیٹی فاطمہ کی 9th میں A+ گریڈ کے ساتھ کامیابی رہی، پھر بڑی بیٹی ارم کی بی ایس سی میں بہت اچھے مارکس اور اے پلس گریڈ کے ساتھ کامیابی بھی الحمدللہ، دسمبر کے شمارے میں حنا میں جو میرا مکمل ناول "محبت فاتح عالم" چھپا تو مجھے دلی خوشی کا احساس ہوا کیونکہ یہ ناول میں نے بہت دل سے لکھا تھا، بہت شکریہ فوزیہ جی اس پذیرائی اور محبت کے لئے۔

۳۔ کھویا تو کچھ نہیں الحمدللہ سب پایا ہی ہے بہت اچھے دوست بہت پیارے چاہنے والے قارئین، ایک نئی خوبصورت دنیا، اپنے اندر کی دنیا کو کھوجنے کے بہت سے واقع اور قلم قبیلے میں ایک جگہ ایک مقام پانے کی جستجو، (جو صرف میرا ہی نہیں میرے والد صاحب کا بھی خواب تھا) اور اللہ کا شکر ہے کہ اب راستہ صاف اور واضح ہے انشاء اللہ منزل بھی ضرور ملے گی۔

۴۔ بہت سے کردار ہیں اور بہت سے واقعات

جنہیں ابھی زیر تحریر لانا ہے، میں نے پچھلا مہینہ پورا امی کے ساتھ ہاسپٹل میں گزارا اور یقین مانیں کہ اتنے کردار، اتنی کہانیاں نگاہوں کے سامنے آئی ہیں کہ انہیں احاطہ تحریر میں لائے بغیر مجھے تو چین ملنے والا نہیں، انشاء اللہ انہیں ضرور تحریر کروں گی اور کچھ رشتے ہیں جو میرے دل کے بہت قریب ہیں، میں ان کی زندگی کے احوال بھی لکھنا چاہتی ہوں اور انشاء اللہ لکھوں گی بھی ضرور، بس یہ ذرا وقت میرے قابو آ جائے۔

۵۔ نہیں جی اب ہم اس دور سے نکل آئے ہیں، اب تو بچوں کی سالگرہ یاد رہتی ہے اور ان کو وش کرنا اچھا لگتا ہے، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ دل ابھی بھی خوش ہونے کے بہانے مانگتا ہے، ابھی بھی جب دوستوں کی طرح سے فیس بک پر یا ویسے ہی، ایس ایم ایس کے ذریعے مبارکباد ملتی ہے تو بہت اچھا لگتا ہے اور اب تو بیٹیوں کی دوستوں کو بھی میری سالگرہ کا پتا چل چکا ہے (فیس بک اور نٹ زندہ باد) سو اب ان کی طرف سے بھی آن لائن کیکس اور کارڈ ملتے ہیں تو بہت اچھا لگتا ہے۔

مبشرہ انصاری..................لاہور

سب سے پہلے تو تمام قارئین کرام کو اس ناچیز کی طرف سے السلام علیکم! فوزیہ جی نے اس بار بہت مشکل سوالات کی لسٹ بھجوا دی، ایک ہفتہ تو سوچنے میں گزر گیا کہ اتنے مشکل سوالات کے جوابات کس طرح سے بیان کروں، کہنے کو بہت کچھ ہے مگر الفاظ نہیں، اندر بہت شور ہے مگر لبوں پر خاموشی، دراصل ماضی کی یادوں میں کھونا میرے لئے قطعاً خوشگوار نہیں، جن واقعات کو میں بھلا چکی ہوں، عفو و درگزر پر عمل کر چکی ہوں، اب از سر نو ان تکلیف دہ یادوں کو ذہن میں تازہ نہیں کرنا چاہتی کہ یقین مانیں Forgive and forget ایک بہت تکلیف دہ عمل ہے۔

یاد ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

اس شعر والی کیفیت مجھ پر بار ہا طاری ہوئی اور قلم کچھ بھی لکھنے پر آمادہ نہ ہوا، ایک ہفتہ مسلسل سوچتی رہی کہ کیا لکھوں کیا نہ لکھوں؟

۱۔ پچھلے سال اور اس سال میں بہت کچھ سیکھا، بہت سے نقاب پوش چہرے ملے، بظاہر ہمدرد لیکن حقیقتاً مطلب پرستی کے دلدل میں پھنسے لوگ ملے، میری ذات میں پنہاں بہت سی خامیوں کے راز افشاں ہوئے، زندگی سے بہت سبق سیکھے، مختصراً احساس ہوا کہ اب ہم بڑے ہو گئے۔

قارئین کرام! میں اپنی زندگی اور گزرے سال کے تجربات و واقعات سنا کر آپ کو بور نہیں کرنا چاہتی، لیکن ہاں زندگی اور لوگوں نے جو مجھے سبق سکھایا، وہ میں آپ سے شیئر ضرور کرنا چاہوں گی، ہماری زندگی کی بہت سی مشکلات ہمارے اندر اعتماد، یقین اور بھروسہ کی کمی کی بناء پر ہوتے ہیں، جب ہم اپنا اعتماد کھو بیٹھتے ہیں تو ہم پر ہر طرف سے حملے ہوتے ہیں، پھر ہم خود کو بالکل تنہا اور کمزور پاتے ہیں، ایسے میں ہم خود کو نہ بیرونی حملوں سے بچا پاتے ہیں نہ اندرونی حملوں سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں، جن افراد نے اپنا اعتماد کھویا ہے اور ان اندرونی، بیرونی حملوں کا مقابلہ کیا ہے وہ خوب اچھی طرح سے جانتے ہوں گے کہ یہ حملے کس قدر اذیت ناک اور تکلیف دہ ہوتے ہیں، اپنے پرائے چھوٹے بڑے سب آپ کی ذات کو نشانہ بناتے ہیں اور اپنی زبان کے تیروں سے آپ کے دل کو چھلنی کرتے رہتے

ہیں، مجھے ان حملوں اور تیروں کا ذاتی تجربہ ہے، جب اعتماد میں کمی آنے لگتی ہے تو ہر طرف سے حملے شروع ہو جاتے ہیں، بیرونی حملے تو چھوڑیں، خود ہماری اپنی ذات ہماری دشمن بن جاتی ہے، ہماری اپنی سوچیں ہم پر حملہ آور ہوتی ہیں جن کا حملہ شدید ترین ہوتا ہے، جن سے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اندر کی منفی سوچیں انسان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہیں، اس لئے تمام قارئین سے میری یہی گزارش ہے کہ اپنی ذات کو اپنا دشمن کبھی نہ بننے دیں، دنیا والوں سے ملنے والی تعریف یا برائی کی کوئی پرواہ نہ کریں، دوسروں کی ہمارے بارے میں کیا رائے ہے، وہ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہیں، ہمارے بارے میں کیا کہتے ہیں، ان تمام عارضی اور ختم ہو جانے والی دنیاوی باتوں سے قطعی بے نیاز ہو جائیں، اس سے قطع نظر کہ دوسروں کا ہمارے ساتھ کیا رویہ ہے، اپنا رویہ اپنے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کی خاطر ہمیشہ اچھا ہی رکھیں، کیونکہ اجر دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، نہ کہ یہ دنیا اور اس کے بے وفا بندے جن کی زبان پر آج کچھ اور ہے اور کل کچھ اور، لوگوں کے بدصورت رویے یقیناً آپ کو پریشان کر دیں گے، آپ خود کو زیرو محسوس کرنے لگیں گے، لیکن آپ ذرا نہ گھبرائیں، اگر لوگوں کے رویوں نے مطلب پرستی نے اپنے جملوں سے آپ کو پچھاڑ دیا ہے، آپ کو نیچے گرا دیا ہے تو آپ ہمت نہ ہاریں، بلکہ فوراً اٹھ کھڑے ہوں ہنستے مسکراتے، دوبارہ سے مصروف عمل ہو جائیں، کیونکہ زود رنجی اور غم منانا مسلمانوں کے شایان شان نہیں ہے۔

۲۔ ایسا کوئی واقعہ ہے نہیں فی الحال ہاں البتہ اپنے خوابوں کی طرف جاتے راستے کی جانب سے امید کی کرن ضرور نظر آتی ہے، پر امید ہوں، اپنے خوابوں کی تعبیر پا لینے کے لئے بے چین بھی ہوں، محنت کر رہی ہوں، اللہ سے اچھی امید ہے، دعا گو ہوں، اپنے لئے بھی، پاکستان کے لئے بھی اور امت مسلمہ کے لئے بھی، قارئین سے التجاء ہے کہ مجھ ناچیز کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، کیا خبر کس کی دعا قبول ہو جائے اور میری بگڑی سنور جائے۔

۳۔ تخلیق کے سفر میں کھویا تو کچھ بھی نہیں بس پایا بھی ہے، یہ ایک ایسا جوہر ہے، جو انسان کو سنوارتا ہی چلا جاتا ہے، انداز بیان بدل جاتا ہے، ہاں لوگ کہتے ہیں کہ میں بہت مشکل باتیں کرتی ہوں، افسانوی، خیالوں کی دنیا میں رہتی ہوں، لوگ تو بہت کچھ کہتے ہیں، لکھنے بیٹھوں تو صبح سے شام ہو جائے، خیر تخلیقی سفر بہت اچھا ہے میرا، جس وقت میں تخلیق کے سفر پر گامزن ہوتی ہوں، وہ چند گھنٹے وہ وقت وہ لمحات بہت پرسکون ہوتے ہیں میرے لئے بہت عزت اور پذیرائی ملی ہے، جو میرے لئے بہت اہم ہے اور بہت معنی رکھتی ہے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، شکر الحمدللہ اور اس کے لئے میں اپنے چاہنے والوں کی بھی دل سے مشکور ہوں۔

۴۔ 2010ء سے 2013ء تک کچھ ایسے واقعات ہوئے ہیں زندگی میں جو میں لکھنا چاہتی تھی، لیکن دل دماغ اور قلم کسی نے بھی میرا ساتھ نہیں دیا، یہ تین سال بہت کٹھن رہے ہیں نہ صرف میرے لئے بلکہ میری پوری فیملی کے لئے، دوستی جیسے خوبصورت رشتے کی آڑ میں چھپے لوگوں کے بدصورت چہرے اور رویے دیکھے ہیں میں نے، بات

کہاں کی کہاں چلی جائے گی، میں کچھ لکھنا ہی نہیں چاہتی اس بارے میں، بس اتنا کہوں گی کہ 2010ء سے 2013ء تک کا زندگی کا سفر ناپسندیدہ اور بدترین رہا ہے، ہاں البتہ بہت سے کردار اور واقعات ایسے بھی ہیں جنہیں میں نے خوشی خوشی لکھا بھی ہے اور قارئین کی داد بھی وصول کی ہے، کہا تھا ناں بہت مشکل سوالات ہیں بہت مشکل سے جوابات لکھ رہی ہوں۔

۵۔ فی الحال ایسا کوئی ہے نہیں اگر ہو بھی تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، میرے لئے میری فیملی اہم ہے الحمد للہ میری فیملی مجھے باقاعدہ سرپرائز دیتی ہے میری سالگرہ کے دن۔

اللہ کا شکر ہے کہ فیملی کے معاملے میں، میں بہت خوش نصیب ہوں، دوستوں کے معاملے میں، میں بہت بدنصیب رہی ہوں، دنیا والوں کا اصول ہے ناں کہ ان کے ساتھ جتنا اچھا کرو، اتنی ہی گہری چوٹ دیتے ہیں یہ لوگ، اس لئے فاصلہ رکھا ہے اب میں نے، لوگوں کو اس پر بھی سکون نہیں، کیونکہ اب وہی لوگ مجھے مغرور کا لقب دیتے ہیں، بس اب پرواہ کرنا چھوڑ دی میں نے۔

عمارہ امداد.................اسلام آباد

سب سے پہلے تو بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہوں کے نئے سال کا سورج ہمارے اور ہمارے ملک کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، برکتیں سمیٹے امن وسلامتی کا پیامبر بن کر طلوع ہو اور میری طرف سے حنا کو سالگرہ کی بہت مبارکباد، اللہ کرے یہ یونہی زینہ بہ زینہ ترقی کے راستے کی طرف گامزن رہے آمین۔

ا۔ 2016ء الحمد للہ بہت اچھا گزرا، گھریلو مصروفیات تو وہی رہیں جو کہ معمول کا حصہ ہیں، البتہ یہ سال مزید مصروف اور تھوڑا مختلف گزرا اس سال میں بطور اردو لیکچرار تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوئی، لکھنے کے حوالے کے یہ سال گزشتہ سالوں کی نسبت میرے لئے تسلی بخش رہا کیونکہ اس سال بھی بہت تو نہیں لیکن پہلے کی نسبت ذرا زیادہ لکھا، افسانوں کے بعد طویل تحریر کی جانب بھی راغب ہوئی۔

۲۔ 2016ء مجموعی طور پر اچھا ہی گزرا، کوئی بہت خوشگوار واقعہ تو پیش نہیں آیا لیکن لکھنے کے حوالے سے میں نے اپنے اندر مثبت پیش رفت محسوس کی، میں اپنے لکھے سے چاہے وہ چند سطور ہی ہوں مشکل سے ہی مطمئن ہوتی ہوں اور جب تک مکمل مطمئن نہ ہوں زیادہ لکھا نہیں جاتا لیکن اس سال میرے لفظوں نے میرا ساتھ دیا اور قلم پہلے سے کچھ رواں محسوس ہوا۔

۳۔ تخلیق کے سفر میں اللہ کا شکر ہے اور خاص کرم ہے کہ بہت کچھ پایا ہے، سب سے پہلے تو میں نے خود کو پایا ہے، خودشناسی کا ادراک ہو جانا ایک بڑی نعمت ہے جو مجھے حاصل ہوئی، اس کے علاوہ اتنی محبت کرنے والے قارئین بہت سی لکھاری دوستیں، ادارہ حنا اور دیگر اچھے اداروں کا ساتھ جو نہ صرف محبت، عزت دیتے ہیں بلکہ بہت اچھے طریقے سے حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور رہنمائی کرتے ہیں تو میں نے تو صرف پایا ہے کچھ کھویا نہیں ہے۔

۴۔ ابھی تو کچھ لکھا ہی نہیں، بے شمار کردار اور واقعات ہیں جن پر اگر زندگی نے وفا کی تو ضرور لکھنا ہے انشاء اللہ، کئی کردار ہیں کچھ تخیلاتی اور کچھ حقیقی جو ذہن کی اسکرین پر شعوری اور لاشعوری طور پر بنتے، ابھرتے رہتے ہیں جن کو خواہش کے باوجود بھی لکھ نہیں پائی لیکن وہ واضح عکس لئے پھرتے رہتے ہیں، انہوں نے اپنے آپ کو لکھوانا

ہے اس لئے معدوم نہیں ہوتے۔

۵۔ زمانہ طالبعلمی میں تو سالگرہ کی اہمیت بہت ہوتی تھی، دوستوں کی طرف سے وش کرنے کا انتظار بھی رہتا تھا اب تو یہ دن معمول کے مطابق گزرتا عام سا ہی لگتا ہے لیکن پھر بھی ہزبینڈ کی طرف سے وش کرنے کا انتظار رہتا ہے اور وہ ضرور کرتے بھی ہیں، اس دفعہ تو میرے بیٹوں نے میری سالگرہ منائی اور اپنے بابا کے ساتھ جا کر کیک لے کر آئے تو یہ سالگرہ بڑی یادگار لگی۔

ثناء کنول..........................لودھراں

السلام علیکم پیارے ساتھیو، سب سے پہلے پیارے حنا تم سدا نارنجی بیلوں کے پھولوں کی طرح رنگوں بھرے ترقی پر ترقی کرتے رہو، سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔

۱۔ پچھلا سال بہت خوبصورت رہا میری تحریروں کے حوالے سے بھی اور قلمی دوستوں کے حوالے سے بھی خاص کر میری منگنی کے حوالے سے، 24 جنوری کو میری منگنی ہوئی اور 24 فروری کو میرا بھانجا ابراہیم پیدا ہوا ساتھ ساتھ دکھ بھی ملے جیسے میری نانی اور ماموں کی وفات ہوئی تو ہر سال کچھ دکھوں اور خوشیوں کے ساتھ ہی آتا ہے اور یہ سال چاند چمکا اور اس کی روشنی میں ہم ڈوب گئے اتنا کہ خود تک کو نہ دیکھ سکے، اس سال بھی بہت کچھ ملا میرے لکھنے میں نکھار آیا۔

۲۔ ماہنامہ حنا میں میرا نام اور مدیرہ کے منہ سے تعریف یوں لگا جیسے نئی زندگی ملی ہو نومبر جب حنا میں میری پہلی تحریر لگی اس کے بعد میری سسٹر حنا کنول شہزاد کو ملیریا ہو گیا، اللہ اسے زندگی دے اس سال میری تحریریں سلیکٹ ہوئی سو آئیم ویری ہیپی۔

۳۔ ابھی تک صرف پایا ہی پایا کھویا کچھ نہیں سوائے اس کے کہ آنکھوں پر موٹی سی عینک سج گئی جو لکھنے سے میری محبت کو بیان کرتی ہے اللہ پاک نے ابھی تک صرف عزت دی اور آگے بھی دے آمین۔

۴۔ گھر سے بھاگنے والی لڑکیوں پر شاید ابھی تک نہیں لکھ پائی اور خود پر بھی کبھی لکھوں گی گھر کی اہمیت ساس کی عزت بہو کی فرمانبرداری اور گھر سے بھاگنے کا انجام ان سب پر لکھنے کا ارادہ ہے مگر ابھی تک نہیں لکھ سکی۔

۵۔ میری سالگرہ بیس اپریل کو ہوتی ہے کبھی منائی نہیں مگر شوق ضرور ہے میری سسٹر حنا کنول شہزاد کراچی کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے اس کے بعد بھائیوں کی کیونکہ وہ پردیس یعنی سعودیہ عرب ہوتے ہیں، ایک بار پھر سال نو اور سالگرہ مبارک حنا صرف تمہارے لئے۔

تیرے رخ رخسار پر نہ گرے کوئی آنسو
خدا تیری ہر دعا تیری سوچ سے پہلے قبول کرے

حمیرا خان..........................لیہ

۱۔ پہلے سوال کے جواب میں بس اتنا ہی کہوں گی یہ سال بھی یونہی گزر گیا۔

۲۔ تخلیق کے سفر میں کھویا تو کچھ بھی نہیں ہاں بہت کچھ پایا کچھ اچھے لوگ کچھ اچھی یادیں اور تھوڑی خوشی، یہ احساس ہی بہت خوبصورت ہے کہ آپ کسی کے احساسات کو الفاظ دے سکتے ہیں، کسی اداس چہرے پر مسکراہٹ لا سکتے ہیں، سچ میں میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں بیان کر سکوں یہ سب کتنا خوبصورت ہے اور بلاشبہ اس کے لئے ہم آپ لوگوں کے شکر گزار ہیں جو ہمیں موقع دیتے ہیں اپنے الفاظ اور احساسات اپنے دوستوں تک پہنچانے کا اور اس خوبصورت احساس کو محسوس کرنے کا اور ان سب دوستوں کا بھی بہت شکریہ جو ہماری تحریر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

پڑھتے ہیں اور اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ لمحے ہمارے نام کرتے ہیں اپنی رائے دیتے ہیں، ان کا یہ تحفہ انمول ہے، کتنا انمول، یہ لکھنے والا ہی جانتا ہے۔ بہت شکریہ۔

۳۔ ایک دوست ہے جس کی زندگی پر لکھنا چاہتی ہوں کئی بار شروع بھی کیا مگر لکھنے کی بجائے سارا وقت گزر جاتا ہے اس لئے ابھی تک نہیں لکھ پائی، شاید بھی لکھ پاؤں۔

۴۔ ارے یار اس سوال کے جواب میں تو میرا دل کر رہا ہے شکوے شکایات کا ڈھیر لگا دوں، دوست تو ساری سسرال کو پیاری ہو چکی ہیں اور بھول گئی ہیں کہ شادی سے پہلے کے بھی کچھ رشتے ہوتے ہیں جنہیں نبھانا ہوتا ہے، لیکن دوسری طرف بھی برا حال ہے میرے گھر میں بھی ایک میں ہی ہوں جسے سالگرہ پر وش کرنا بہت ضرورت بلکہ انتہا سے زیادہ ضروری لگتا ہے، میں سب کی سالگرہ یاد بھی رکھتی ہوں وش بھی کرتی ہوں مگر باقی سب کے سب نکمے، صرف عمران میرا بھائی ہی ہے جو اکثر میری سالگرہ یاد رکھ لیتا ہے باقی دونوں بھائی ناصر اور عامر تو اس طرح کی باتوں سے اتنا ہی دور رہتے ہیں جتنا کوئی انتہائی نیک انسان کسی گناہ سے۔

بڑی باجی کو ہمیشہ اپریل گزرنے کے بعد یاد آتا ہے کہ او ہو حمیرا کی سالگرہ گزر گئی ہے ہاں گفٹ ضرور مل جاتا ہے لیکن مجھے گفٹ نہیں وش چاہیے نا، چھوٹی باجی اس معاملے میں تھوڑی بہتر ہیں یعنی انہیں سالگرہ کا مہینہ یاد رہ جاتا ہے، (کیونکہ ان کے میاں جی بھی اپریل میں دنیا میں تشریف لائے تھے) اور ہر سال وہ میری سالگرہ سے کچھ دن پہلے مجھ سے پوچھتی ہیں ''حمیرا تمہاری سالگرہ آنے والی ہے نا؟'' اور حمیرا خان خوش کہ یار اس بار تو پکا باجی کو یاد رہنا ہے اس لئے احتیاطاً ان کے جنرل نالج میں اضافہ کر دیتی ہوں، ''جی باجی پندرہ اپریل کو ہے'' اور وہ ہمیشہ کہتی ہیں دیکھا مجھے یاد ہے نا اس بار، مگر جی ہاں عین ٹائم پر انہیں بھول جاتا ہے اور اس طرح ہر سال دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ جاتے ہیں جی ہاں ظاہر ہے ہمارے ہی، لیکن اس سال ایک اچھی بات بھی ہوئی ہے آج تک تو ہم ہی اپنے ٹیچرز کو وش کرتے آئے ہیں، لیکن اس سال چونکہ مابدولت بھی کسی کی ٹیچر تھیں تو میری ایک بہت پیاری سٹوڈنٹ اقصیٰ نے میری برتھ ڈے یاد رکھی اور جب اس نے وش کیا تو بہت بہت اچھا لگا کیونکہ مجھے خیال نہیں تھا کہ کالج چھوڑنے کے اتنے مہینوں بعد بھی کوئی اتنے پیار سے میری زندگی کا یہ دن یاد رکھے گا اور اپنی محبت کا احساس دلائے گا، اس دن دل نے کہا ''ٹیچر ہونا بھی اچھا ہوتا ہے یار'' تو یہ سب بتانے کا مقصد یہ تھا دوستوں کی مابدولت کی سالگرہ اکثر ادھوری ہی رہ جاتی ہے، بہن بھائیوں کے وش کے بنا۔

امید کرتی ہوں اگلے سال کے اختتام پر جب فوزیہ جی سروے کے جواب لکھنے کا کہیں تو میرے پاس ہم سب کے پاس آپ لوگوں کے ساتھ شیئر کرنے کے لئے بہت اچھی اچھی باتیں ہوں، یہ بھی دعا کرتی ہوں کہ آنے والا سال آپ سب کے دامن میں ڈھیروں خوشیاں ڈال جائے آمین، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

☆☆☆